کتاب الہند

البیرونی کا سفرنامہ ہندوستان

ابو ریحان البیرونی

بک ٹاک

میاں چیمبرز، 3 ٹمپل روڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

❀❀❀ توجہ فرمائیں! ❀❀❀

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب............

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

❀❀❀ تنبیہ ❀❀❀

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

کتاب الہند

ابُوریحان البیرونی

2656
ب ا ر ـ ک

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

www.KitaboSunnat.com

ناشر ——— بک ٹاک، لاہور
اشاعت ——— 2011ء
طابع ——— پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور
قیمت ——— -/300 روپے

بک ٹاک ——— میاں چیمبرز، 3- ٹمپل روڈ لاہور
فون ——— 042-36374044-36370656-36303321

فہرست

1- ہندوؤں کے عام حالات 9

2- خدا کی نسبت ہندوؤں کا عقیدہ 17

3- عقلی اور حسی دونوں قسم کے موجودات کے متعلق ہندوؤں کے عقائد 20

4- فعل کا سبب نیز روح اور جسم کا اتصال 28

5- روحوں کی حالت اور دنیا میں ان کا آواگون 31

6- مختلف دنیائیں اور مقامات جزا و سزا یعنی جنت اور دوزخ 34

7- دنیا سے نجات پانے اور نجات کے راستے کا بیان 39

8- مخلوقات کی قسمیں اور ان کے نام 48

9- ذاتیں جنہیں رنگ (ورن) کہا جاتا ہے اور ان سے نیچے کے طبقات 54

10- ہندوؤں کے مذہبی اور شہری قانون کے سرچشمے، رسول، نیز یہ کہ دینی احکام منسوخ ہو سکتے ہیں یا نہیں 59

11- بت پرستی کی ابتدا اور بتوں کا بیان 62

12- وید، پران اور ہندوؤں کی دوسری مذہبی کتابیں 69

13- صرف و نحو اور عروض کی کتابیں 77

14- ہندوؤں کے دوسرے علوم، نجوم وغیرہ 84

15- ہندوؤں کے اوزان اور پیمانوں کا بیان 91

16- ہندوؤں کے رسم الخط، حساب کتاب کے طریقوں اور ان کے بعض عجیب و غریب رواجوں کا بیان 96

17- ہندوؤں کے وہ علوم جو جہالت کے پروردہ ہیں 108

18- ہندوؤں کا ملک، ان کے دریا، سمندر ان کی مختلف ریاستوں کے درمیان

کی مسافت اور ان کے ملک کی حدود 112
19- ستاروں کے نام، بروج اور چاند کی منزلیں وغیرہ 125
20- برہمانڈ 129
21- ہندوؤں کے مذہبی نظریات کے مطابق زمین اور آسمان کی شکل 131
22- قطب کے بارے میں روایات 136
23- میرو پہاڑ کی بابت پران کے مصنفوں اور دوسروں کا عقیدہ 138
24- سات دویپوں میں سے ہر ایک کے بارے میں پرانوں کی روایات 141
25- ہندوستان کے دریا، ان کے سرچشمے اور راستے 145
26- ہندو منجموں کے خیال کے مطابق زمین اور آسمان کی شکل 149
27- ہندو منجمین اور پران کے مصنّفین کے مطابق کائنات کی دو اولین حرکتیں 155
28- دس سمتیں 157
29- ہندوؤں کے مطابق آباد زمین کی تعریف 159
30- لنکا یعنی زمین کا گنبد 165
31- ملکوں کے درمیان کا فاصلہ جس کو ہم دو طول البلد کا درمیانی فاصلہ کہتے ہیں 168
32- مدت اور زمانے، نیز دنیا کے پیدا اور فنا ہونے کی بابت ہندوؤں کے نظریات 171
33- یوم کی قسمیں اور دن رات 178
34- یوم کی تقسیم وقت کے چھوٹے چھوٹے اجزاء میں 183
35- مہینوں اور سالوں کی قسمیں 188
36- وقت کے چار ناپ جنھیں مان کہتے ہیں 192
37- مہینے اور سال کے حصے 194
38- وقت کی وہ مقداریں جو ایام سے بنتی ہیں اور جن میں برہما کی عمر بھی شامل ہے 196

39- ایسی مدتیں جو برہما کی عمر سے زیادہ ہیں 198

40- سمدھی یعنی دو مدتوں کا وقفہ 199

41- کلپ اور چتریگ 200

42- چتریگ کی یگوں میں تقسیم اور یگوں کے متعلق مختلف نظریات 202

43- چاروں یگوں اور چوتھے یگ کے آخر میں ظاہر ہونے والے حالات کا بیان 204

44- منونتر 208

45- بنات النعش 209

46- نارائن‘ اس کے نام اور مختلف زمانو میں اس کا ظہور 211

47- واسو دیو اور بھارت کی لڑائیاں 213

48- اکشوہنی سے کیا مراد ہے؟ 217

49- تاریخی ادوار کا مختصر بیان 219

50- ایک کلپ اور ایک چتریگ میں ستاروں کی گردشیں 226

51- ادھی ماس‘ انراتر اور اہرگن وغیرہ اصطلاحوں کی توضیح 228

52- اہرگن یعنی سالوں اور مہینوں کے دن بنانے اور مہینوں کو سالوں میں تبدیل کرنے کا طریقہ 231

53- اہرگن یعنی سالوں کو مہینوں اور دنوں میں تبدیل کرنے کے طریقے جو مختلف اوقات کے لئے مخصوص ہیں 233

54- سیاروں کا وسط معلوم کرنا 234

55- سیاروں کی ترتیب ان کے فاصلے اور جسامت 236

56- چاند کی منزلیں 239

57- تحت الشعاع سے ستاروں کا طلوع اور اس وقت ادا کی جانے والی رسمیں 242

58- سمندر میں مدوجزر کس طرح آتا ہے 244

59- سورج اور چاند گرہن 247

60- پرو 250

61- وقت کی مختلف مقداروں کے مذہبی اور نجومی احکام
اور ان سے متعلقہ امور 251
62- ساٹھ سال یعنی سموتسر جسے ششت یا بد کہتے ہیں 252
63- وہ باتیں جو برہمنوں کے لئے مخصوص ہیں
اور جن کا عمر بھر کرنا ان پر فرض ہے 254
64- دوسرے طبقے پر زندگی میں جن رسومات کی پابندی واجب ہے 260
65- قربانیاں 262
66- یاترا اور مقدس مقامات کی زیارت 264
67- صدقات نیز یہ کہ آمدنی کو کس طرح خرچ کرنا چاہیے 268
68- کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں 270
69- شادی، حیض، جنین اور نفاس 272
70- مقدمے 277
71- سزائیں اور کفارے 279
72- میراث اور اس میں میت کا حق 282
73- مردوں اور زندوں کے جسم کے حقوق 285
74- روزہ اور اس کی قسمیں 289
75- روزے کے دنوں کا تعین 291
76- تہوار اور جشن کے دن 293
77- متبرک ایام، مبارک اور منحوس ساعتیں
اور ثواب حاصل کرنے کے اوقات 299
78- کرن 302
79- یوگ 304
80- ہندوؤں کے علم نجوم کے مبادی اصول اور نجومی حساب کے طریقے 305
81- منتخب حوالے 310
82- حواشی 313

باب 1

ہندووں کے عام حالات

ہندووں کے حالات کو ٹھیک طرح سے سمجھنے کی مشکلات اور ہندووں اور مسلمانوں کے درمیان بے تعلقی کی وجوہات

ہم اس کتاب میں جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں اسے شروع کرنے سے پہلے ان باتوں کو بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں جن کی وجہ سے ہندوؤں کے احوال و اقوال کو اچھی طرح سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ ان باتوں کو جان لینے سے ایک طرف تو ان کے احوال کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور اگر کہیں انہیں سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے تو اس کا سبب بھی یہی باتیں ہیں۔ قاری کو یہ بات اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ ہندو ہر اعتبار سے ہم سے بالکل مختلف ہیں اور ان کی بہت سی باتیں ہم کو بہت پیچیدہ اور مبہم معلوم ہوتی ہیں لیکن اگر ہمارے اور ان کے درمیان زیادہ قریبی روابط قائم ہو جائیں تو ان کو سمجھنا آسان ہو جائے گا اور وہ باتیں جو اس وقت فہم سے بالاتر معلوم ہوتی ہیں، صاف اور واضح ہو جائیں گی۔

ہمارے اور ہندوؤں کے درمیان مغائرت یعنی دوری ہے اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ اس دوری کا پہلا سبب زبان کا اختلاف ہے۔

اگرچہ لسانی اختلاف دوسری قوموں کے درمیان بھی پایا جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص اس مغائرت کو دور کرنے کے لیے یہ زبان (سنسکرت) سیکھنا بھی چاہے تو آسانی

سے نہیں سیکھ سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زبان کا دائرہ بہت وسیع ہے اور عربی کی طرح اس زبان میں ایک ہی مفہوم کے لیے بے شمار اصل اور مشتق الفاظ ہیں اور ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہیں اور ان کے معنی کو اچھی طرح سے سمجھنے کے لیے ان الفاظ کے ساتھ استعمال ہونے والی صفات کو سمجھنا ضروری ہے۔ ان صفات کو اچھی طرح جان لینے کے بعد ہی ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ الفاظ مختلف موقعوں پر کس مفہوم میں استعمال کیے گئے ہیں۔ پھر ان الفاظ کے سیاق و سباق کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ ہندو، دوسری قوموں کی طرح، اپنی زبان کی اس وسعت پر بہت فخر کرتے ہیں جب کہ حقیقت میں یہ زبان کا ایک عیب ہے۔

پھر اس زبان کی ایک قسم وہ ہے جو صرف عوام میں مروج ہے اور خواص اس سے مطلق کام نہیں لیتے۔ اس کی دوسری قسم جو فصیح سمجھی جاتی ہے اور صرف ماہرین اور علماء ہی استعمال کرتے ہیں نہایت مشکل ہے اور نحو و بلاغت کے پیچیدہ نظام میں جکڑی ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ زبان ایسے حروف و اصوات سے مرکب ہے جو عربی اور فارسی میں موجود نہیں۔ اس لیے کسی ہندوستانی لفظ کا ہمارے رسم خط میں لکھا جانا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ اس کے صحیح تلفظ کو ظاہر کرنے کے لیے لفظوں اور علامات میں تبدیلی کرنا پڑتی ہے اور ان پر اعراب لگانا پڑتے ہیں خواہ یہ وہی معروف اعراب ہوں یا خاص طور پر وضع کیے گئے ہوں۔

اس میں یہ مشکل اور شامل کر لیجئے کہ ہندوستانی کاتب نہایت بے پروا اور غیرمحتاط ہوتے ہیں اور کبھی اس بات کی کوشش نہیں کرتے کہ ان کی لکھی ہوئی عبارت صحیح اور خوش خط ہو۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات کاتبوں کی لاپروائی سے مصنف کی ساری محنت اکارت ہو جاتی ہے اور ایک دو نقل کے بعد کتاب میں غلطیوں کی بھرمار ہو جاتی ہے اور وہ اصل سے بالکل مختلف ہو جاتی ہے اور کسی بھی پڑھنے والے کی سمجھ میں نہیں آتی خواہ پڑھنے والا ہندو ہو یا مسلمان۔ یہ بات اس مثال سے واضح ہو جائے گی کہ ہم نے بارہا ہندوؤں کے الفاظ کو نہایت احتیاط کے ساتھ اس کے صحیح تلفظ کے

مطابق قلم بند کیا لیکن جب یہی الفاظ ان کو دوسری بار سنائے تو وہ انہیں بہت مشکل سے سمجھ سکے۔

اس کے علاوہ ہندوؤں کی علمی کتابیں پسندیدہ اوزان شعر میں نظم کی گئی ہیں۔ اس کی دو وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ کتاب اپنی اصلی حالت پر قائم رہے اور اس میں کمی بیشی یا تحریف نہ کی جا سکے۔ دوسرے یہ کہ کتاب آسانی سے یاد ہو جائے اس لیے کہ ہندوؤں کو حافظہ پر جو اعتماد ہے وہ تحریر پر نہیں۔

سب ہی جانتے ہیں کہ نظم میں بحر کے پیش نظر شعری اوزان کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری شعری ضرورتوں کے نقطہ نظر سے بھی الفاظ اور عبارت کو بڑھانا پڑ سکتا ہے۔ اس سے شعر میں الفاظ کی خواہ مخواہ کی بھرمار ہو جاتی ہے اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی شعر میں ایک لفظ ایک جگہ ایک معنی میں اور دوسری جگہ دوسرے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنسکرت کتابوں کو سمجھنے میں سب سے بڑی دقت ان کے شعری اسلوب کی وجہ سے پیش آتی ہے۔

دوسرا سبب' ہندوؤں کا مذہبی تعصب

بے تعلقی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ ہندو دین میں ہم سے بالکل مختلف ہیں۔ نہ تو ہم کسی ایسی چیز کا اقرار کرتے ہیں جو ان کے یہاں پائی جاتی ہے اور نہ وہ ہمارے دین کی کسی بات کو مانتے ہیں۔ ہندو آپس میں مذہبی باتوں پر جھگڑا نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں تو وہ لفظی نزاع تک محدود رہتا ہے اور مذہبی تنازع میں کوئی بھی جان اور مال کی بازی نہیں لگاتا۔ اس کے مذہبی جنون کا رخ دوسرے مذہب کے ماننے والوں یا بدیسیوں کی طرف ہوتا ہے۔ وہ ان کو ملیچھ یعنی ناپاک سمجھتے ہیں اور ان سے ملنا جلنا' شادی بیاہ کرنا' ان کے قریب جانا یا ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا حرام سمجھتے ہیں۔ ہر اس چیز کو جو ان باہر سے آنے والوں کی آگ یا پانی سے چھو گئی ہو ناپاک سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے بغیر کوئی گھر قائم نہیں رہ سکتا۔ پھر وہ اس بات کے بھی قائل نہیں ہیں کہ اگر کوئی چیز ناپاک ہو جائے تو اسے پاک کرکے دوبارہ استعمال کے قابل بنا دیں حالانکہ عام

قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی چیز یا کوئی شخص ناپاک ہو جائے تو اسے پاک کرلیا جاتا ہے۔ انہیں غیرمذہب والوں سے ملنے جلنے یا انہیں گھر پر بلانے کی بھی اجازت نہیں ہے' چاہے وہ ان کے مذہب کی طرف میلان اور رغبت رکھتا ہو۔ اس بات نے ہمارے اور ان کے درمیان ایسی خلیج پیدا کردی ہے جس نے ان کے ساتھ کسی بھی قسم کا رابطہ قائم کرنا ناممکن بنا دیا ہے۔

تیسرا سبب' رسم و عادت اور طرز معاشرت کا بنیادی اختلاف

بے تعلقی کا تیسرا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ' اپنے طور طریقوں میں ہم سے اس درجہ مختلف ہیں کہ اپنے بچوں کو ہم سے' ہمارے لباس اور طور طریقوں سے ڈراتے اور ہم کو شیاطین (راکشسوں) کی نسل میں شمار کرتے اور ہمارے اعمال کو نیکی کا الٹ تصور کرتے ہیں۔ بہرحال ہندوؤں کا یہ تعصب صرف ہمارے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دوسری قوموں کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے۔ اور میرے خیال میں تمام قوموں کا ایک دوسرے کے تئیں یہی رویہ ہے۔ چوتھا مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کا تعصب اس وقت سے اور بھی بڑھ گیا ہے جب مسلمانوں نے ان کے ملک پر حملہ کیا اور محمد ابن قاسم ابن منبہ سجستان کی طرف سے سندھ میں داخل ہوا اور بہ ہمنوا اور مول استھان کو فتح کرے ان کا نام علی الترتیب منصورہ اور معمورہ رکھا۔ وہ ہندوستان کے شہروں میں گھستا ہوا قنوج تک پہنچ گیا اور واپسی میں قندھار اور حدود کشمیر تک جا پہنچا۔ کہیں جنگ کی اور کہیں صلح سے کام لیا۔ سوائے ان لوگوں کے جو اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے اس نے کسی سے تعرض نہیں کیا اور انہیں اپنے آبائی دین پر قائم رہنے دیا۔ ان تمام واقعات نے مسلمانوں کے خلاف ان کے بغض و عناد کو اور بھی مستحکم کردیا۔

اگرچہ اس کے بعد سے ترکوں کے زمانے تک کوئی مسلمان فاتح' حدود کابل اور دریائے سندھ سے آگے نہیں بڑھا۔ لیکن جب سامانیوں کے زمانے میں ترک غزنی کی حکومت پر قابض ہوگئے اور ناصرالدولہ سبکتگین اس کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا تو اس

نے جہاد کو اپنا مشغلہ بنایا اور غازی (خدا کی راہ میں جنگ کرنے والا) کا لقب اختیار کیا اور اپنے جانشینوں کے لیے ہندوستان کی سرحدوں کو قابل تسخیر بنانے کے لیے وہ سڑکیں تعمیر کرائیں جن پر سے گزر کر اس کا بیٹا یمین الدولہ محمود تیس سال کے عرصے میں کئی بار ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ محمود نے اپنے ان حملوں سے ہندوؤں کی سرسبز زمین کو تہس نہس کر دیا اور وہاں ایسے عجیب کارنامے انجام دیے جن سے ہندو غبار کی طرح منتشر ہوگئے اور داستان پارینہ بن کر رہ گئے۔ جو لوگ بھاگ کر بچ نکلے ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف سخت نفرت اور عناد پیدا ہوگیا بلکہ اسی سبب سے ان کے علوم کو مسلمانوں کے مقبوضہ علاقوں سے ہٹا کر کشمیر' بنارس اور ان دوسرے مقامات پر منتقل کردیا گیا جہاں اب تک ہماری (مسلمانوں) رسائی نہیں ہوئی ہے اور جہاں دینی اور سیاسی مصالح کی بنا پر تمام غیرملکیوں کے ساتھ بہت سخت بے تعلقی اور عناد برتا جاتا ہے۔

پانچواں سبب' ہندوؤں کی خودپسندی اور ہر غیرملکی چیز کی تحقیر کرنے کی عادت

ان کے علاوہ کچھ اسباب ایسے ہیں جن کو بیان کرنا گویا ہندوؤں کی ہجو کرنا ہے لیکن یہ ان کے قومی کردار کی وہ خصوصیات ہیں جن میں وہ جکڑے ہوئے ہیں اور یہ خصوصیات کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ دراصل یہ ان کی ایک ایسی جہالت ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے ملک کے علاوہ روئے زمین پر اور کوئی ملک نہیں ہے اور نہ ان کی قوم کے علاوہ کوئی دوسری قوم ہے' نہ کہیں ان کے بادشاہوں جیسے بادشاہ ہیں' نہ ان کا جیسا مذہب ہے اور نہ ان کا جیسا علم و فن ہے۔ اس خام خیالی نے انہیں' ہٹ دھرمی اور حماقت میں مبتلا کردیا ہے۔ جو کچھ یہ جانتے ہیں اس کو بتانے میں بخل کرنا اور دوسری قوم کے افراد تو درکنار خود اپنی قوم کی ذاتوں کے لوگوں سے اسے بچانا اور چھپانا ان کی فطرت میں داخل ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اس زمین پر ان کے ملک کے علاوہ کوئی اور ملک نہیں ہے اور ان کے ملک کے علاوہ کسی

کے پاس کوئی علم و فن نہیں ہے۔ یہ خام خیالی ان میں اس حد تک گھر کر چکی ہے کہ اگر ان کے سامنے خراسان و ایران سے کسی علم اور اہل علم کا ذکر کیا جائے تو وہ کہنے والے کو احمق ہی نہیں دروغ گو بھی سمجھیں گے۔ اگر یہ لوگ دوسرے ملکوں کا سفر کریں اور وہاں کے لوگوں سے ملیں جلیں تو اس خیال سے باز آجائیں، کیونکہ ان کے اسلاف اتنے تنگ نظر نہیں تھے جتنی ان کی موجود نسل ہے۔

مصنف کے ذاتی تعلقات

ہندوستان کا احوال یہ ہے۔ مجھے اس زبان کو سیکھنے میں بہت زحمت اٹھانا پڑی حالانکہ مجھے یہ زبان بہت پسند ہے اور شاید اس معاملے میں، میں اپنے معاصرین میں تنہا ہوں۔ میں نے ہر اس جگہ سے جہاں میرے خیال میں سنسکرت کی کتابیں مل سکتی تھیں بہت کوشش اور کثیر سرمایہ خرچ کر کے یہ کتابیں منگوائیں۔ پھر بہت دور دراز سے ایسے ہندو علماء بلوائے جو ان کتابوں کو سمجھتے تھے اور مجھے ان کا درس دے سکتے تھے۔ اب آپ ہی بتایئے کہ مجھ سے زیادہ اس زبان کا مطالعہ کرنے کی سہولتیں اور کس کو حاصل ہوں گی۔ وہ کوئی ایسا خوش قسمت شخص ہی ہو سکتا ہے جس کو اللہ نے مجھ سے زیادہ اپنے فضل سے نوازا ہو اور مجھ سے زیادہ کام کرنے اور سفر کرنے کی آزادی اور طاقت بخشی ہو۔ بدقسمتی سے مجھے کام کرنے اور حسب خواہش سفر کرنے کی اتنی آزادی کبھی نہیں ملی اور نہ یہ قدرت اور استطاعت رہی کہ جس سے جو کام چاہوں لے سکوں پھر بھی مجھے اللہ نے اپنی جن نعمتوں سے نوازا ہے ان کے لیے اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کیوں کہ میرے مقاصد کے حصول کے لیے اللہ کا اتنا کرم بھی کافی و شافی ہے۔

عیسائیت کے ظہور سے پہلے یونانی کفار کے بھی وہی عقائد و افکار تھے جو ہندوؤں کے ہیں۔ ان کے طبقہ علماء کا طریقہ فکر بھی ہندو علماء جیسا تھا اور یونانی عوام ہندو عوام کی طرح بت پرستانہ عقائد رکھتے تھے۔ لیکن یونانیوں میں کچھ ایسے حکماء پیدا ہوئے

جنھوں نے اپنی کوششوں سے حقیقت کو عوامی خرافات سے پاک کیا۔ اس سلسلے میں سقراط کا نام قابل ذکر ہے جس نے اپنی قوم کے عوام کی مخالفت کی اور حق پر قائم رہنے کی پاداش میں جان دے دی۔

ہندوؤں میں اس درجے کے حکماء اور مصلحین پیدا نہیں ہوئے جو علوم کی اصلاح و تکمیل کے خواہاں اور اہل ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں کے تمام علوم ابہام و انتشار سے پر ہیں۔ ان میں کوئی منطقی ربط و تسلسل نہیں اور ان میں کوئی علم ایسا نہیں جو عوامی خرافات کی آمیزش سے پاک ہو۔

میرے نزدیک ہندوؤں کا ہندسہ و نجوم ایسا ہی ہے جیساکہ موتیوں، سپوں اور سڑی ہوئی کھجوروں کا آمیزہ یا پھر گوبر میں لپٹا ہوا موتی یا سنگ ریزوں میں پڑا ہوا نگینہ! ان کی نظروں میں دو باتیں ایک جیسی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سائنسی طریق استنباط کو اختیار کرنے کے اہل نہیں ہیں۔

ہم اس کتاب میں ہندوؤں کے بارے میں جو کچھ بیان کریں گے بغیر تبصرہ و تنقید کے بیان کردیں گے اور تنقید و تبصرہ اسی وقت کریں گے جب اس کی صریح ضرورت ہوگی۔ سنسکرت اسماء و اصطلاحات صرف انہیں مقامات پر استعمال کیے گئے ہیں جہاں ان کا لانا متعلقہ احوال و اقوال کی شرح و تفسیر کے لیے ضروری تھا۔ لیکن ایسا صرف ایک ایک بار کیا گیا ہے۔ عام طور پر میں نے سنسکرت الفاظ کے عربی مرادفات دینے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ اگر کہیں پر کسی سنسکرت لفظ یا اصطلاح کا لکھنا ضروری سمجھا گیا ہے تو اس اصطلاح کے ساتھ اس کا قریب ترین عربی مترادف بھی لکھ دیا گیا ہے۔ ایسے الفاظ کے معاملے میں، جن کی اصل سنسکرت نہیں، بلکہ وہ کسی دوسری زبان سے ماخوذ ہیں لیکن اب سنسکرت زبان میں جذب ہوکر عام استعمال میں ہیں، عربی مرادف لکھنے کے ساتھ ان کی معنویت پر بھی مختصر طور پر روشنی ڈال دی گئی ہے۔ یہ اس لیے کیا گیا ہے تاکہ اصطلاحات کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ اس تصنیف میں تسلسل سے چلنا ممکن نہیں یعنی ایسا کرنا ممکن نہیں کہ حوالہ صرف اس مضمون کا دیا جائے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور

اس کا نہ دیا جائے جس کا ذکر ابھی نہیں ہوا ہے۔ اس لیے بعض ابواب میں اکثر بعض نئی اور نامعلوم باتوں کا ذکر آسکتا ہے جن کی تشریح کتاب کے کسی آئندہ باب میں کی گئی ہے۔ اللہ توفیق دینے والا ہے۔

باب 2

خدا کی نسبت ہندوؤں کا عقیدہ

خدا کی ماہیت

ہر قوم میں خواص اور عوام کے معتقدات مختلف ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے خواص کا رجحان معقول کی طرف ہوتا ہے اور وہ اصول کی تحقیق کے خواہشمند ہوتے ہیں اس کے برخلاف عوام محسوسات سے آگے نہیں بڑھتے اور نہ کسی مسئلے کی تحقیق کے طالب ہوتے ہیں۔ مذہب کے معاملے اور خاص طور پر ان مذہبی امور میں، جن کے بارے میں اختلاف ہے، وہ تحقیق و جستجو کو مطلق روا نہیں رکھتے۔

خدا کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ واحد ہے، ابدی ہے، یعنی اس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا وہ مختار ہے، قدیر ہے، حکیم ہے۔ زندہ ہے، زندگی دینے والا ہے، کائنات کا بادشاہ ہے اور اپنی بادشاہت میں یگانہ ہے، ہر مشابہت اور عدم مشابہت سے بالاتر ہے، نہ وہ کسی چیز سے مشابہ ہے اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ اپنے اس بیان کی تائید میں ہم ان کی کتابوں سے اقتباسات پیش کرتے ہیں تاکہ اس کو محض سنی سنائی بات نہ سمجھ لیا جائے۔

(اس کے بعد پاتن جلی، گیتا یعنی کتاب بھارت کے چند اجزا (جو ارجن اور واسو دیو کے درمیان مکالمے کی صورت میں ہیں، نقل کیے ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب سا نکھیہ کے اقتباسات بھی پیش کیے ہیں ---------- البیرونی نے آئندہ ابواب میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ پہلے کسی موضوع یا مسئلہ پر ہندوستانی علماء کے خیالات کا خلاصہ بیان

کرتا ہے اور اس کے بعد متعلقہ علمی اور مذہبی کتابوں کے اقتباسات نقل کرتا ہے۔' کبھی کبھی وہ ہندوؤں کے معتقدات کا موازنہ یونانی مفکرین اور صوفیوں کے عقیدوں سے کرتا ہے اور ان کی کتابوں کے اقتباسات بھی پیش کرتا ہے۔)

فعل اور فاعل کے متعلق ہندوؤں کے نظریات

ہندوؤں میں فعل کے مفہوم کے متعلق بہت اختلاف رائے ہے۔ وہ لوگ جو فعل کا سرچشمہ خدا کو قرار دیتے ہیں' اسی کو علت کلی تصور کرتے ہیں چونکہ موجودات (فاعل) کا وجود خدا سے ہے اس لیے وہی ان کے افعال کا سبب ہے اور اس لیے ہر فاعل سے جو فعل سرزد ہوتا ہے وہ درحقیقت خدا کا فعل ہے جو فاعل کے وسیلے سے ظاہر ہوتا ہے۔ بعض لوگ فعل کا سبب خدا کو نہیں بلکہ دوسری چیزوں کو قرار دیتے ہیں اور ان چیزوں کو اس عمل کے' جو خارجی مشاہدہ میں آتا ہے' خصوصی اسباب تصور کرتے ہیں۔

خدا کے متعلق ہندو عوام اور خواص کے عقائد

یہ ہیں خدا کے متعلق ہندو خواص کے عقائد۔ یہ لوگ خدا کو ایشور کہتے ہیں یعنی بے نیاز اور بخشنے والا' جو دیتا ہے اور لیتا نہیں۔ وہ خدا کو واحد مطلق سمجھتے ہیں اور اس کی وحدت کے علاوہ ظاہر میں نظر آنے والی ہر وحدت حقیقت میں کثرت ہے۔ خدا کے وجود کو ہی وہ حقیقی وجود مانتے ہیں اس لیے کہ دوسرے موجودات کے وجود کا سبب وہ ہے۔ اس بات کا تصور کرنا ممکن ہے کہ صرف وہ موجود ہے اور باقی تمام موجودات معدوم ہیں لیکن یہ تصور کرنا قطعی ناممکن ہے کہ وہ ناموجود اور باقی سب موجود ہیں۔ جب ہم ہندوؤں کے خواص سے گزر کر عوام کی جانب آتے ہیں تو ان کے عقائد میں بہت اختلاف نظر آتا ہے۔ ان میں سے بعض عقائد تو نہایت مکروہ ہیں لیکن اس قسم کی خرافات دوسرے مذاہب میں بھی ہیں بلکہ اسلام میں بہت سی غلط چیزیں داخل ہوگئی ہیں مثلاً تشبیہ کے متعلق عقائد یا جبریہ فرقے کی تعلیمات یا مذہبی امور میں غور و فکر کی حرمت وغیرہ۔ وہ تمام مذہبی احکام جو عوام اور خواص دونوں سے متعلق ہیں نہایت

واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بیان کیے جانے چاہئیں ورنہ ان کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے جیساکہ اس مثال سے واضح ہو جائے گا۔ کوئی ہندو عالم خدا کو جسمانی خصوصیات سے ماورا ظاہر کرنے کے لیے اس کو نقطہ کہے لیکن جاہل نقطے کا اصل مفہوم نہ سمجھ سکے اور اس کی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے یہ کہے کہ خدا تو بارہ انگل لمبا اور دس انگل چوڑا ہے، جو ایک انتہائی ناشائستہ بات ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس کی ذات حد اور شمار سے برتر ہے۔ اور ہمارے اس کہنے کا کہ خدا ہر شے پر اس طرح محیط ہے کہ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، کوئی جاہل اس سے یہ سمجھ لے کہ دیکھنے کے لیے آنکھ ضروری ہے اور ہر چیز کو دیکھنے کے لیے بہت سی آنکھوں کی ضرورت ہے اور یہ قیاس کرکے یہ کہے کہ خدا کے ایک ہزار آنکھیں ہوتی ہیں۔ اس قسم کی خلاف عقل اور مکروہ باتیں ہندوؤں کے یہاں موجود ہیں۔ خصوصاً ان طبقوں میں جنہیں علم حاصل کرنے کی اجازت نہیں۔ ان کا بیان مناسب موقع پر آئے گا۔

باب 3

عقلی اور حسی، دونوں قسم کے موجودات کے متعلق ہندوؤں کے عقائد

جب تک یونان میں فلسفے کے ارکان سبعہ، یعنی ہولون آف ایتھنز، بیاس پارینی، پے ریانڈر قرطی، تالیس ملیوسی، کیلون لقاذومونی، فیطیقوس لیسوی، اور فیلپوس لندوسی، اور ان کے جانشینوں کے ہاتھوں علم فلسفہ کو فروغ نہیں ہوا تھا۔ اس معاملے میں قدیم یونانیوں کے عقائد ہندوؤں جیسے ہی تھے۔ ان میں سے کچھ کا خیال یہ تھا کہ تمام اشیاء دراصل ایک ہی ہیں یعنی تمام اشیاء کی ماہیت ایک ہے۔ بعض کا خیال یہ تھا کہ تمام چیزیں اپنے اجزاء کے اعتبار سے ایک ہیں اور بعض یہ بھی کہتے تھے کہ تمام چیزیں اپنے جوہر اور ذات کے اعتبار سے بھی ایک ہیں، مثال کے طور پر انسان کو پتھروں کے مقابلے میں جو فضیلت حاصل ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ جمادات کے مقابلے میں علت اولیٰ سے ایک درجہ زیادہ قریب ہے۔ لیکن اس قرب سے اسے جمادات پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہوتی۔

بعض کا خیال ہے کہ حقیقی وجود صرف علت اولیٰ کا ہے اس لیے کہ وہ اپنے وجود کے لیے کسی اور کا محتاج نہیں جبکہ دوسری تمام اشیاء اس کی محتاج ہیں اور جو چیز اپنے وجود کے لیے دوسرے کی محتاج ہے اس کا وجود خواب کی طرح غیر حقیقی ہے اور موجود حقیقی صرف واحد اول ہے۔

لفظ صوفی کی ابتدا

یہی رائے صوفیوں یعنی حکیموں کی بھی تھی کیونکہ یونانی زبان میں صوف، حکمت و دانائی کو کہتے ہیں اور اسی لفظ سے فلسفی (فیلاسوفوئی) بنا ہے جس کے معنی ہیں، عقل دوست یا محب حکمت۔ جب بعض مسلمانوں نے ان فلسفیوں کے نظریات سے ملتے جلتے نظریات کو اپنایا تو ساتھ میں ان کے نام کو اختیار کرلیا۔ بعض لوگ جو اس لفظ کے صحیح معنی سے واقف نہیں تھے، سے غلطی سے عربی لفظ صفہ کا مترادف سمجھ بیٹھے اور ان صوفیوں کو حضرت محمد صلعم کے اصحاب صفہ تصور کرلیا۔ پھر بعد کے زمانے میں اس میں تحریف ہوئی اس کی وجہ سے اسے صوف (بھیڑوں کا اون) کا مشتق سمجھا جانے لگا۔ ابوالفتح البوسطی نے اس غلطی کا ازالہ کرنے کی قابل تعریف کوشش کی۔ وہ کہتا ہے سلف سے لوگوں میں لفظ صوفی کے معنوں کے بارے میں اختلاف چلا آتا ہے اور اسے صوف (اون) کا مشتق سمجھا جاتا رہا۔ لیکن میرے نزدیک اس کا مطلب پاکباز نوجوان، ہے۔ (صافی نوجوان) یہی لفظ صافی بگڑ کر صوفی ہوگیا اور اپنے موجودہ معنی میں اس کا اطلاق مفکرین کے ایک مخصوص طبقے یعنی صوفیوں پر ہونے لگا۔ مزیدبراں، یونانیوں کا یہ بھی خیال تھا کہ تمام موجودات، ایک ہی چیز یا شے ہے اور یہ درحقیقت وہ مختلف شکلیں ہیں جن میں علت اولیٰ ظاہر ہوتی ہے اور یہ کہ علت اولیٰ کی قوت موجودات کے مختلف اجزاء میں مختلف احوال کے ساتھ موجود ہے۔ اسی لیے دنیا کے مظاہر اپنی حقیقت میں ایک ہونے کے باوجود اتنے متنوع اور گوناگوں ہیں۔

بعض یونانیوں کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص پوری طرح علت اولیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور یہ کوشش کرے کہ وہ اس کے مماثل ہو جائے تو درمیانی مراحل سے گزر کر، جن کے دوران تمام رکاوٹیں اور کثافتیں دور ہو جاتی ہیں، وہ پوری طرح علت اولیٰ سے ہم آہنگ و ہم کنار ہو جاتا ہے۔

اس امر میں صوفیا کے خیالات بھی یہی ہیں۔

نفوس و ارواح کے بارے میں یونانیوں کا خیال یہ ہے کہ وہ بدن میں داخل ہونے سے پہلے بھی موجود ہوتے ہیں۔ ان کا شمار کیا جا سکتا ہے۔ وہ جماعتوں کی صورت میں

ہوتے ہیں اور ان کو باہم ایک دوسرے سے نسبت ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کو جانتے ہوئے بھی انجان بنے رہتے ہیں اور اجسام کے اندر قیام کے دوران وہ اپنے اعمال سے وہ مقام حاصل کرلیتے ہیں جس پر بدن سے جدا ہونے کے بعد انہیں فائز ہونا اور دنیا پر مختلف انداز سے حکمرانی کرنا ہے۔ اسی لیے یونانی، ارواح کو دیوتا کہتے تھے اور ان کے نام پر عبادت گاہیں بنواتے اور قربانی دیتے تھے۔

یونانی ہر مقتدر اور قابل احترام چیز کو دیوتا کہتے تھے اور یونانیوں پر ہی موقوف نہیں بہت سی دوسری قوموں کا بھی یہی حال ہے اور بعض قومیں تو اس معاملے میں یہاں تک بڑھ گئی ہیں کہ پہاڑوں و سمندروں وغیرہ کو بھی دیوتا یا خدا کے نام سے پکارتی ہیں۔ لیکن اپنے مخصوص مفہوم میں یونانی اس لفظ کو علت اولیٰ، فرشتوں اور روحوں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

اس لفظ کو ایک اور شے کے حق میں، جس کو افلاطون نے سیکینات سے تعبیر کیا ہے، بھی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن مترجمین کی عبارت سے اس لفظ کا مطلب واضح نہیں ہوسکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں یہ نام تو معلوم ہے اس کے معنی معلوم نہیں ہیں۔

عربی، عبرانی اور سریانی زبانوں میں "خدا" کے نام مختلف ہیں

ان الفاظ میں سے بعض ایسے ہیں جو ایک مذہب کے ماننے والوں کے مکروہ اور ناپسندیدہ ہیں اور دوسرے مذہب والوں کے لیے محترم اور پسندیدہ ہیں چنانچہ یہ الفاظ ایک زبان میں جائز ہیں لیکن دوسری زبان میں متروک ہیں۔ مثلاً "تالہ" کا لفظ ان الفاظ میں سے ہے جو مسلمانوں کے کانوں پر گراں گزرتے ہیں۔ اگر ہم عربی زبان میں لفظ خدا کے استعمال پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ تمام نام جن سے حق محض کو موسوم کیا جاتا ہے غیرحق کے لیے بھی استعمال کیے جاتے ہیں سوائے لفظ اللہ کے جو صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کا اسم اعظم کہلاتا ہے۔

عبرانی اور سریانی زبانوں میں، جن میں قرآن سے قبل کے صحیفے نازل ہوئے تھے۔ نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تورات اور اس میں شامل دوسری کتابوں میں اللہ کے

معنوں میں "رب" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ کو اضافت کے ساتھ کسی اور چیز کے ساتھ دوسرے معنوں میں استعمال نہیں کیا جاتا ہے اور ہم رب البیت یا رب المال (یعنی کان کا رب اور مال کا رب) نہیں کہہ سکتے جو عربی زبان میں جائز ہے۔ اسی طرح "باپ" اور "بیٹا" کے الفاظ ہیں۔ اسلام ان الفاظ کا استعمال خدا کے معنوں میں جائز نہیں رکھتا کیونکہ عربی میں ولد (بیٹا) ہمیشہ ابن کے معنی دیتا ہے اور ولد کے متعلقات یعنی والدین اور ولادت، جو اس کے وجود میں آنے کے لیے ضروری ہیں اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ولد خود ایک مخلوق ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا لفظ خلاق عالم کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا۔ عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں اس کے لیے بڑی گنجائش ہے۔ اسی طرح ان زبانوں میں لفظ اب (باپ) کہہ کر کسی کو مخاطب کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کو "جناب" کہہ کر مخاطب کیا جارہا ہے۔ عیسائیوں کے یہاں "باپ" اور "بیٹے" کے الفاظ جزوایمان بن گئے ہیں اور جو شخص "باپ" اور "بیٹے" کا قائل نہیں وہ عیسائیت سے خارج ہے۔ بیٹا ان کے ہاں خصوصیت کے ساتھ عیسیٰؑ کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن اسے عام معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔

(اس کے بعد البیرونی نے فرقہ منانیہ کے خیالات اور فلسفے سے بحث کی ہے اور اس کے بعد ہندوؤں کے خیالات کو بیان کیا ہے۔)

پڑھے لکھے ہندو تمام موجودات کو ایک شے مانتے ہیں

پڑھے لکھے ہندو خدا سے انسانی صفات منسوب نہیں کرتے۔ لیکن ہندو عوام اور وہ لوگ جو فروعات میں زیادہ الجھے ہوئے ہیں اس معاملے میں بہت زیادہ غلو سے کام لیتے ہیں اور ہم نے اب تک جو کچھ بیان کیا ہے اس سے آگے بڑھ کر بیوی، بیٹا، بیٹی، حمل رہنا، بچہ جننا اور اسی قسم کے دوسرے فطری اعمال کو بھی خدا سے منسوب کرتے ہیں اور ان کے ذکر میں نامعقول اور بے ہودہ الفاظ کے استعمال سے گریز نہیں کرتے۔ بہرحال ان عوام اور ان کے نظریات کا کوئی اعتبار نہیں حالانکہ یہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ ہندو مذہب کا اصل طریقہ وہ ہے جس پر برہمن ایمان رکھتے اور عمل کرتے ہیں۔

دین کی حفاظت اور اس کو قائم رکھنے کی خدمت ان کے ہی سپرد ہے۔ اس لیے ہم برہمنوں کے معتقدات کو ہی بیان کرتے ہیں۔

پرش

وہ ہندو جو رموز کی جگہ واضح تعریفات کے قائل ہیں نفس کو پرش کہتے ہیں جس کے معنی مرد ہیں اس لیے کہ موجودات میں زندہ عنصر صرف نفس ہے اور یہ لوگ نفس کو صرف ایک ہی وصف یعنی زندگی سے متصف کرتے ہیں وہ اسے بیک وقت عالم اور بے خبری کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بالفعل بے خبر اور بالقوہ عالم ہے اور علم کا اکتساب کرتا ہے۔ اس کی لاعلمی فعل کے واقع ہونے کا سبب ہے اور علم فعل کے ختم ہونے کا سبب ہے۔

او یکت

نفس کے بعد مطلق مادہ یعنی مجرد ہیولی ہے۔ جسے ہند او یکت یعنی بے صورت کہتے ہیں۔ یہ بے جان ہے اور اس میں بالقوہ تین قوتیں موجود ہیں جن کو ستو، رج اور تم کہتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ بدھوؤں نے اپنے تمینہ پیروں کے لیے ان کو بدھ دھرم اور سنگھ سے تعبیر کیا ہے جن کے معنی عقل، دین اور جہل ہیں۔ پہلی طاقت راحت اور خیر ہے اور اس کا اثر پیدا ہونا اور بڑھنا ہے۔ دوسری قوت محنت اور تھکن ہے۔ اس سے ثبات و بقا کا ظہور ہوتا ہے۔ تیسری قوت کمزوری اور تذبذب ہے جس سے انتشار اور فنا کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لیے پہلی قوت فرشتوں سے، دوسری انسانوں سے اور تیسری بہائم سے منسوب ہے۔ قبل، بعد اور پھر کے الفاظ ان کے سیاق کو ظاہر کرتے ہیں کیونکہ ان کے زمانے کو ظاہر کرنے کے لیے مناسب الفاظ موجود نہیں ہیں۔

ویکتی اور پرکرتی

مادہ جو مختلف صورتوں اور تین ابتدائی قوتوں کے ساتھ موجود ہے، ویکتی، یعنی صورت دار، کہلاتا ہے اور مجرد ہیولی اور صورت دار مادے کے مجموعے کو "پرکرتی"

کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح یعنی پرکرت ہمارے لیے بیکار ہے کیونکہ ہم' مادہ محض' کا ذکر کرنا نہیں چاہتے لفظ 'مادہ' ادائے مطلب کے لیے کافی ہے کیوں کہ ایک کا وجود دوسرے کے بغیر نہیں پایا جاتا۔

اہنکار

اسکے بعد مزاج یا طبیعت ہے جسے ہندو "اہنکار" کہتے ہیں۔ یہ لفظ غالب' آنا' ارتقا پذیر ہونا اور خودنمائی کے مفہوم کو ادا کرتا ہے کیوں کہ مادہ جب صورت پذیر ہوتا ہے تو اشیاء کی نئی شکلیں پیدا ہونے کا سبب ہوتا ہے اور بڑھنا یا اگنا سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ دوسری چیز بدل کر اگنے والی چیز میں جذب ہو جائے۔ گویا یہ تبدیلی ایک طرح سے مزاج یا طبیعت کا بدلنے والی چیز پر غلبہ پالینا ہے۔

مہابھوت

ہر مرکب ایسے مفردات سے ترکیب پاکر بنتا ہے جو تحلیل ہوکر پھر اپنی مفرد حالت پر عود کر آتے ہیں۔ کائنات میں موجودات کلیہ پانچ ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک یہ عناصر آسمان' ہوا' آگ' پانی اور مٹی ہیں۔ انہیں وہ مہابھوت یا بڑی طبیعتیں کہتے ہیں۔ ہندو آگ کو دوسرے لوگوں کی طرح ایتھر ETHER کی تہ کے پاس' ایک گرم خشک جسم تصور نہیں کرتے بلکہ وہ آگ سے وہ عام آگ مراد لیتے ہیں جو دھوئیں کے جل اٹھنے سے پیدا ہوتی ہے۔

پنچ ماتر

یہ عناصر جن مفردات سے مرکب ہیں انہیں پنچ ماتر یعنی امہات خمسہ کہتے ہیں۔ وہ ان کو افعال حواس کہتے ہیں۔ آسمان کا مفرد جز شید ہے' یعنی وہ جسے سنا جا سکے۔ ہوا کا مفرد جزو "سپرش" ہے' یعنی وہ چیز جسے چھوا جا سکے۔ آگ کا مفرد جز "روپ" ہے' یعنی وہ جو دکھائی دے۔ پانی کا مفرد جز "رس" ہے یعنی جو چکھا جا سکے' اور زمین کا مفرد جز گندھ' ہے یعنی جو سونگھا جا سکے۔ مہابھوت عناصر (یعنی زمین' پانی وغیرہ) میں سے

ایک میں اس سے منسوب پنچ ماتر کے خواص کے علاوہ مہابھوت عناصر کے اپنے خواص بھی، جن کا ذکر اس سے قبل کیا جا چکا ہے، موجود ہوتے ہیں۔ یعنی مٹی میں پانچوں خواص ہوتے ہیں۔ پانی میں بو کے علاوہ سب خواص موجود ہیں۔ آگ میں بو اور مزہ دو کی کمی ہے۔ ہوا میں بو، مزہ اور رنگ موجود نہیں اور آسمان میں بو، مزہ، گندھ اور لمس کی کمی ہے۔ یعنی وہ پانچ میں سے صرف ایک کیفیت یا خاصیت کا حامل ہے۔ ان تمام چیزوں کا، جن کا ہم یہاں تک ذکر کر چکے ہیں، کا مرکب یا مجموعہ حیوان ہے۔ ہندو نباتات کو بھی حیوانات کی ہی ایک قسم سمجھتے ہیں جیساکہ افلاطون کا خیال ہے کہ پودوں میں حس ہے جس سے وہ مفید اور مضر کے درمیان تمیز کرتے ہیں اور حیوان اس حس کی وجہ سے ہی حیوان ہے اور حس ہی حیوان و جماد کے درمیان مابہ الامتیاز ہے۔

اندریاں

حواس پانچ ہیں اور ان کا نام اندریاں ہے۔ حواس یہ ہیں: کان سے سننا، آنکھ سے دیکھنا، ناک سے سونگھنا، زبان سے چکھنا اور جلد سے چھونا۔

من

ان کے بعد ارادہ ہے جو حواس سے مختلف کام لیتا ہے۔ ارادے کا مسکن دل ہے اسی لیے اس کو من کہا جاتا ہے۔

کرمیندریاں

حیوانی طبیعت کی تکمیل پانچ افعال ضروریہ سے ہوتی ہے جنہیں کرمیندریاں (کرم اندریاں) یعنی حواس فعلی کہتے ہیں۔ ابتدائی حواس سے علم و عرفان حاصل ہوتا ہے اور ثانوی سے افعال و اعمال۔ ہم نے ان کا نام "ضرورت" رکھ دیا ہے۔ یہ حسب ذیل ہیں۔

1- انسان کو جو مختلف حاجتیں پیش آتی ہیں ان کے لیے آواز نکالنا۔

2- کھینچنے یا دھکیلنے لیے طاقت سے ہاتھ بڑھانا۔

3- کسی چیز سے ملنے یا دور بھاگنے کے لیے پیروں سے چلنا۔

4‘ 5- غذا کے فضلے کو دو مقررہ راستوں سے باہر نکالنا۔

ان کی مجموعی تعداد پچیس ہے اور ان کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

1- نفس کلیہ

2- مجرد ہیولی

3- مشکل مادہ

4- غلبہ پانے والی طبیعت

5-9- امہات مفردہ

10-14- ابتدائی عناصر

15-19- حواس مدرکہ

20- رہنما ارادہ

21-25- ضروریات لازمیہ

ان سب کے مجموعے کو "تو" کہتے ہیں اور تمام علوم ان میں ہی محدود ہیں۔

باب 4

فعل کا سبب نیز روح اور جسم کا اتصال

جسم سے مل جانے کی متمنی روح

دوسری روحوں کے واسطے سے' بدن سے مل جاتی ہے

ارادی افعال کسی حیوان کے بدن سے اس وقت تک ظہور میں نہیں آتے جب تک بدن زندہ نہ ہو اور ذی حیات روح کے ساتھ متصل نہ ہو۔ ہندوؤں کا کہنا ہے کہ نفس نہ صرف اپنی ذات سے بلکہ اس ذات کے نیچے جو مادی سطح ہے اس سے بھی ناواقف ہے اور وہ جو کچھ نہیں جانتا اس کو جاننے کا متمنی ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ مادے کے بغیر اس کا وجود ممکن نہیں۔ اس لیے وہ خیر یعنی بقا کا متمنی ہو کر اپنے سے پوشیدہ باتوں کو جاننے کی خواہش میں مادے کے ساتھ مل جانے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ لیکن کثافت اور لطافت کا' خصوصاً اس حالت میں جب دونوں اپنی اپنی انتہا پر ہوں' ایسے واسطوں کے بغیر جو دونوں سے مناسبت رکھتے ہوں' ایک دوسرے سے مل جانا محال ہے۔ مثال کے طور پر آگ اور پانی کے درمیان' جو اپنی کیفیات کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں' ہوا ایک واسطہ ہے' کیونکہ ہوا آگ سے لطافت میں اور پانی سے کثافت میں مناسبت رکھتی ہے اور اس واسطے سے دونوں کے اختلاط کو ممکن بنا دیتی ہے۔ لیکن جسم اور ناجسم کے درمیان جو مغائرت ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی مغائرت نہیں ہے۔ اس لیے نفس کی خواہش اس قسم کے واسطوں کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔

اسیطے وہ روحیں ہیں جو بھورلوک' بھوور لوک اور سورلوک کی دنیاؤں میں امہات

بسیط سے پیدا ہوتی ہیں۔ ہندوؤں نے ان ارواح کا نام اجسام لطیفہ رکھا ہے تاکہ انہیں کثیف بدنوں سے، جو پانچ عناصر سے حیات حاصل کرتے ہیں، ممیز رکھا جا سکے جب کہ روح ان اجسام پر بلندی سے اس طرح طلوع ہوتی ہے جیسے آفتاب زمین پر۔ روح ان اجسام کو ایک واسطے یا ہیولے کے طور پر استعمال کرتی ہے جس طرح سورج، ایک ہی صورت اپنے مقابل رکھے ہوئے آئینوں یا پانیوں میں ایک ہی کی طرح منعکس اور جلوہ گر ہوتی ہے اور اگر اس کی گرمی اور روشنی کا اثر سب پر یکساں ہوتا ہے۔ اسی طرح روح بھی ان واسطوں کو جن سے وہ متحد ہو جاتی ہے، متاثر کرتی ہے اور ان کو اپنی سواری کے بطور استعمال کرتی ہے یعنی ان میں وہی اوصاف و شمائل پیدا کر دیتی ہے جس کی وہ خود حامل ہے۔ اس طرح نفس کے افعال کا سبب یہی ہے جو سطور بالا میں مذکور ہوا۔

مادہ روح سے مل جانے کا مشتاق ہوتا ہے

اس کے برعکس، سبب اسفل، جو مادے سے ظہور پذیر ہوتا ہے یہ ہے کہ مادہ کمال کا طلب گار ہوتا ہے اور ہر نسبتاً کم اچھی چیز پر بہتر سے بہتر کو اپناتا ہوا کمال کی منزل کی طرف گامزن رہتا ہے۔ مادے کی طبیعت میں جو خودنمائی اور کمال کی امنگ ہے، یہ اس شخص پر جسے یہ تعلیم دیتا ہے، امکانات کی تمام انواع کو ظاہر کر دیتی اور نفس کو نباتات اور حیوانات کی تمام انواع میں گردش کراتی رہتی ہے۔

سانکھیا مکتب فکر کے مفکرین مادے کو فعل کا سبب متصور کرتے ہیں

سانکھیا کی کتاب میں فعل کا سبب مادے کو بتایا گیا ہے کیونکہ جن اشکال میں مادہ ظہور پذیر ہوتا ہے، ان کا فرق تین ابتدائی قوتوں پر منحصر ہے اور ان میں سے ایک یا دو کے غلبے کی وجہ سے رونما ہوتا ہے۔ یہ تین قوتیں ملکوتی، بشری اور حیوانی ہیں اور ان قوتوں کا تعلق مادے سے ہے روح سے نہیں۔ روح کا کام ایک تماشائی کی طرح مادے کے افعال کو معلوم کرنا ہے۔ ایک ایسے مسافر کی طرح جو تھوڑی دیر کو دم لینے کے لیے کسی گاؤں میں ٹھہر گیا ہو۔ گاؤں کے لوگ اپنے اپنے کام میں لگے ہیں۔ مسافر ان کو

دیکھتا ہے اور گاؤں والوں کے کام میں شریک نہ ہونے کے باوجود ان کاموں میں سے بعض کو پسند اور بعض کو ناپسند کرتا ہے اور ان سے سبق حاصل کرتا ہے۔ اس طرح وہ کام نہ کرتے ہوئے بھی مصروف رہتا ہے اور دریافت حال کا سبب نہ ہونے کے باوجود دریافت حال میں مصروف رہتا ہے۔

ہندوؤں کا کہنا ہے کہ روح کی کیفیت بارش کے پانی جیسی ہے جو آسمان سے، ہمیشہ ایک ہی انداز میں، زمین پر برستا ہے۔ لیکن اگر اسے سونے، چاندی، شیشے، مٹی اور پتھروں کی مختلف اقسام سے بنے ہوئے برتنوں میں جمع کرلیا جائے تو اس کی شکل، مزہ اور خوشبو میں فرق آجاتا ہے۔ اسی طرح روح بھی مادہ سے مل کر اس میں زندگی پیدا کرنے کے علاوہ اس پر اور کچھ اثر نہیں کرتی۔ پھر جب مادہ سے افعال صادر ہونے لگتے ہیں، تو ان افعال میں تینوں قوتوں میں غالب قوت اور دوسری دو کمزور قوتوں کے تعاون کی نسبت اور مقدار کے مطابق فرق ہوتا ہے۔ یہ تعاون مختلف شکلوں میں ہوتا ہے ان کی ایک شکل روشنی کے ظہور میں تازہ تیل، خشک بتی اور دھواں دینے والی آگ کا تعاون ہے۔ مادے میں روح کی مثال گاڑی میں بیٹھے سوار کی سی ہے اور حواس اس کے خادم ہیں جو سوار کے اشارے کے مطابق گاڑی کو چلاتے ہیں۔ اس روح کی رہنمائی عقل کرتی ہے جو خدا کی طرف سے اس رہنمائی پر مامور کی گئی ہے۔ اس عقل کی تعریف ان لوگوں نے یہ کی ہے کہ عقل وہ چیز ہے جس سے اشیاء کی حقیقت کا ادراک ہوتا ہے جس کے ذریعے معرفت الٰہی تک اور ایسے افعال تک رسائی ہوتی ہے جنہیں سب پسند کرتے اور مستحسن گردانتے ہیں۔

باب 5

روحوں کی حالت اور دنیا میں ان کا آواگون

جس طرح کلمہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ، اسلام کی علامت، تثلیث، عیسائیت کی علامت اور سبت کی تقریب یہودیت کی علامت ہے، اسی طرح تناسخ کا عقیدہ ہندو مذہب کی پہچان ہے اور جو شخص تناسخ پر ایمان نہیں رکھتا وہ ہندو نہیں اور اسے ہندوؤں میں شمار نہیں کیا جاتا۔

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ روح جب تک شعور مطلق کو نہیں پا لیتی اس وقت تک اشیاء کی کلیت کو بلا توقف یا فی الفور نہیں جان سکتی اور اسکے لیے اسے جزئیات کا پتہ لگانے اور ممکنات کا کھوج کرنے کی ضرورت رہتی ہے۔ محدود ہونے کے باوجودیکہ ممکنات بہت زیادہ ہیں اور ان کی اتنی بڑی تعداد سے واقفیت بہم پہنچانے کے لیے ایک طویل مدت درکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روح کے پاس علم حاصل کرنے کا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں کہ وہ افراد و نواع اور ان کے افعال و کوائف کا مشاہدہ کرتی رہے۔ اس مشاہدے سے ہی اسے ہر ایک کے بارے میں تجربہ اور نیا علم حاصل ہوتا رہتا ہے لیکن افعال، تین بنیادی قوتوں کے تناسب کے فرق کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ دنیا تدبیر سے بالکل خالی نہیں ہے اور کوئی ہستی اس کی باگ تھامے اسے ایک واضح سمت میں لیے جا رہی ہے۔ چناں چہ ہمیشہ باقی رہنے والی ارواح، اپنے افعال کی اچھائی یا برائی کے مطابق فنا ہو جانے والے جسموں میں آتی جاتی رہتی ہیں۔ آواگون کا مقصد یہ ہے کہ اگر ان کا آنا جانا ثواب میں ہے تو وہ نیکی کی طرف متوجہ رہیں گے اور وہ اسے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی تمنائی ہوں گی اور اگر یہ آواگون عذاب کی بنا پر

ہے تو وہ برائی اور مکروہات کی طرف متوجہ رہیں گے اور ان سے دور رہنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں گی۔

روحوں کا یہ آواگون ادنیٰ درجے سے اعلیٰ درجے کی طرف ہوتا ہے، اس کے برعکس نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اعلیٰ میں ادنیٰ اور اعلیٰ دونوں شامل رہتے ہیں۔ اعلیٰ اور ادنیٰ مدارج کا اختلاف، افعال کا اختلاف اور فرق کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور اس کا انحصار ان کے مزاج اور اجزائے ترکیبی کی کمیت اور کیفیت کے مقدار کے فرق پر ہے۔

آواگون کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک روح اور مادہ دونوں پوری طرح اپنا مقصود حاصل نہیں کرلیتے۔ ادنیٰ یعنی مادے کے معاملے میں مقصد کا حصول یہ ہے کہ مادے میں جو صورت ہے وہ فنا ہو جائے اور صرف وہی تمثال یا تشکل باقی رہے جو پسندیدہ ہے۔ اعلیٰ کے معاملے میں یہ مقصود اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ روح کو وہ باتیں جاننے کا، جن کو وہ نہیں جانتی، شوق باقی نہیں رہتا کیوں کہ اب اسے اپنی ذاتی شرافت اور اپنے الگ وجود کا یقین ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مادے کی کم سوادی اور اس کی صورتوں کی ناپائیداری کا احساس ہو جانے کی وجہ سے یہ مادے سے بھی بے نیاز ہوتا ہے اور اس کی کھوکھلی اور بے حقیقت لذتوں سے بھی۔ اس کے بعد روح مادے سے منہ موڑ لیتی ہے، ان کے درمیانی رابطے ٹوٹ جاتے ہیں اور ان کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ ان کے درمیان جدائی ہو جاتی ہے اور روح اپنے ساتھ علم کی مسرت لیے اپنے منبع کی طرف واپس آجاتی ہے اور جس طرح تل کے دانے کے خواص اس سے نکلنے والے تیل میں سرایت کر جاتے ہیں اور اس سے جدا نہیں ہوتے اسی طرح عاقل، عقل اور معقول باہم متحد ہو کر ایک جان ہو جاتے ہیں۔

ہمارا اب یہ فرض ہے کہ ہم اس موضوع کے متعلق ان کی کتابوں سے ضروری اقتباسات اور دوسری قوموں کی کتابوں سے اس سے ملتے جلتے اقوال یا افکار یہاں پیش کریں۔

(یہ کہہ کر البیرونی نے گیتا اور ہندوؤں کے دوسرے صحیفوں سے چند اقتباسات پیش کیے ہیں۔ ساتھ ہی یونانیوں کے بعض مماثل افکار کی طرف بھی توجہ دلائی ہے اور

سقراط کی تصنیف "نائیڈو" کے بعض اقتباسات بھی نقل کیے ہیں)۔

صوفیوں کا قول

ان صوفیا کا بھی یہی مسلک ہے جو یہ کہتے ہیں کہ دنیا خوابیدہ روح اور آخرت بیدار روح ہے۔ وہ بعض مقامات سماوی مثلاً عرش اور کرسی (جن کا ذکر قرآن میں ہے) میں حق کا حلول کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ بعض دوسرے صوفیا ساری دنیا میں حق کو جاری و ساری سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک نہ صرف حیوانات و نباتات بلکہ جمادات تک میں حق حلول کیے ہوئے ہے اور جسے وہ نفس و آفاق میں ذات الٰہی کی جلوہ گری سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب وہ حلول الٰہی کے قائل ہیں تو ان کے نزدیک آواگون کے ذریعے روحوں کا بار بار مختلف جسموں میں آتے جاتے رہنا کوئی بڑی بات نہیں۔

باب 6

مختلف دنیائیں اور مقامات جزا و سزا

یعنی جنت اور دوزخ

ہندو، دنیا کو "لوک" کہتے ہیں۔ اس کو ابتدائی طور پر اعلیٰ، ادنیٰ اور درمیانی دنیاؤں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ عالم اعلیٰ کو "سوورلوک" کہا جاتا ہے جس کا مطلب جنت ہے۔ عالم ادنیٰ کو "ناگ لوک" یا سانپوں کی دنیا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ دوزخ ہے اور اس کا ایک نام "نر لوک" بھی ہے۔ اس کو بعض اوقات پاتال یا سب سے نیچی دنیا بھی کہا جاتا ہے۔ درمیانی دنیا، جس میں ہم رہتے ہیں، مدھیہ لوک اور منش لوک یا انسانوں کی دنیا کہلاتی ہیں۔ یہ دنیا کمانے کے لیے ہے۔ عالم اعلیٰ ثواب کے لیے اور عالم ادنیٰ عذاب کے لیے ہے۔ اعمال کی جزا یا سزا پانے کے لیے جو لوگ سوور لوک یا ناگ لوک میں آتے ہیں ایک مقررہ مدت تک، جو ان کے اعمال کی مدت کے برابر ہوتی ہے، اپنے عمل کی جزا یا سزا پاتے ہیں لیکن ان دونوں دنیاؤں میں صرف روح رہتی ہے، (جسم درمیانی دنیا یا مدھیہ لوک میں رہ جاتے ہیں۔)

ایسے لوگوں کے لیے جو نہ جنت میں جانے کے لائق ہے اور نہ دوزخ میں، ایک دوسرا لوک ہے جسے، تریگ لوک کہتے ہیں اور یہ لوک یا دنیا دراصل بے عقل حیوانات یا نباتات کی دنیا ہے جن کے جسموں میں آواگون کے عمل کے مطابق روح آتی جاتی رہتی ہے اور نباتی دنیا کی ادنیٰ ترین انواع کے مرتبے سے ترقی کرتی ہوئی حسی دنیا کے اعلیٰ ترین مرتبے تک پہنچ جاتی ہے۔ اس دنیا میں روح کا قیام ان دو وجہوں میں

سے کسی ایک کی بنا پر ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ روح جزا یا سزا کی مستحق ہے۔ وہ اسے جنت میں لے جانے یا دوزخ میں دھکیلنے کے لیے ناکافی ہے یا اس وجہ سے کہ روح دوزخ سے واپس آتی ہے کیوں کہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ جنت سے دنیا کی طرف آنے والی روح انسانی قالب اختیار کر لیتی ہے اور دوزخ سے آنے والی روح پہلے نباتات اور حیوانات میں حلول کرتی ہے اور اس کے بعد جاکر کہیں انسانی شکل میں آتی ہے۔

وشنوپران سے اقتباس

ہندوؤں نے اپنی روایات میں دوزخوں کی تعداد' صفات اور نام بہت بڑی تعداد میں بیان کیے ہیں۔ ہر ہر گناہ کے لیے الگ الگ دوزخ ہے۔ وشنوپران کے مطابق ان کی تعداد اٹھاسی ہزار ہے۔ (البیرونی نے اس کتاب سے مختلف قسم کے گناہوں اور ان کے لیے مقرر دوزخوں کے بارے میں اقتباسات پیش کیے ہیں) ایسے گناہوں میں جھوٹی گواہی' معصوم کا قتل' گائے کشی' برہمنوں کا اپنی بہن یا بہو سے زنا' ویدوں اور پرانوں کی بے حرمتی' والدین کے حقوق کی عدم ادائیگی' چاقو سازی' مرغ' بلی اور سور پالنا' درختوں کو کاٹنا اور مقررہ رسوم سے انحراف وغیرہ شامل ہیں۔ البیرونی نے آگے چل کر وضاحت کی ہے کہ اس نے ان گناہوں کی فہرست اس لیے پیش کی ہے کہ اس سے یہ اندازہ ہو جائے کہ ہندو کن افعال کو گناہ سمجھتے ہیں۔ بعض ہندوؤں کا خیال ہے کہ درمیانی دنیا' جو کمانے کے لیے ہے انسانی دنیا ہے اور ان کے خیال میں انسان کی اس دنیا میں آمدورفت کا سبب یہ ہے کہ اس کو اعمال کی جو جزا دی گئی ہے وہ اسے جنت تک رسائی نہیں دلا سکتی ہے لیکن اس طرح وہ دوزخ سے بچ جاتا ہے۔ وہ جنت کو ایک ایسا اعلیٰ مقام سمجھتے ہیں جہاں وہ اپنے نیک کاموں کے صلے میں ایک مدت کے لیے مسرت و سعادت کی حالت میں رہیں گے۔ اس کے برعکس نباتات و حیوانات کی شکلوں میں آواگون کو انسانیت سے کم مرتبہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک سزا ہے جس کے مستحق وہ اپنے برے اعمال کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ یہ عقیدہ رکھنے والے

لوگ انسانیت کے مرتبہ سے اس طرح گر جانے کے علاوہ کسی اور چیز کو دوزخ نہیں سمجھتے۔

تناسخ یا آواگون کے اخلاقی اصول

عذاب و ثواب اور آواگون کے یہ تمام مدارج طے کرنا اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ مادے کی بندشوں سے چھٹکارا پانے کے لیے اکثر اس کا سیدھا طریق جو یقینی علم تک پہنچاتا ہے، اختیار نہیں کیا جاتا بلکہ قیاسی طریقے دوسروں کی تقلید کے طور پر اپنا لیے جاتے ہیں۔ انسان کا کوئی عمل، خواہ وہ سب سے آخر کا ہو، ضائع نہیں ہوگا۔ اس کے اچھے اور برے کاموں کا حساب کتاب ہوتے وقت ہر ہر عمل کا حساب لیا جائے گا، لیکن جزا یا سزا، ان کاموں کی نسبت سے نہیں بلکہ جس نیت سے وہ کام کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کو اپنے ان کاموں کا بدلہ یا تو اسی شکل میں ملے گا جس میں وہ اس وقت ہے یا پھر ان شکلوں میں آمدورفت کی صورت میں جن میں اس کی روح اسکے انسانی جسم سے نکل کر داخل ہوگی یا پھر وہ ایک درمیانی شکل میں رہے گی یعنی موجودہ جسم سے نکلنے کے بعد اور دوسرے جسم میں داخل ہونے سے پہلے کی درمیانی حالت میں۔

ساکھیا نے عقیدہ تناسخ پر نکتہ چینی کی ہے

یہاں ثواب و عذاب کے مسئلہ میں ہندو عقلی استدلال کے راستے سے ہٹ گئے ہیں اور انہوں نے ثواب اور عذاب کے دونوں مقامات کے بیان میں روایتی حکایتوں کا سہارا لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ان دونوں مقامات میں روح بدن کے بغیر رہتا ہے اور اپنے اعمال کا پورا بدلہ پا لینے کے بعد دوبارہ انسانی شکل میں واپس آجاتا ہے تاکہ وہ آئندہ جنم کی تکمیل کے لیے تیار ہو جائے۔ ساکھیا کے مصنف نے اسی وجہ سے جنت کے ثواب کو اجر خیر نہیں سمجھا ہے کیونکہ یہ ثواب ابدی نہیں بلکہ ختم ہو جانے والا ہے۔ اس کے علاوہ وہاں کی زندگی ہماری دنیاوی زندگی سے مشابہ ہے اور شک و حسد سے خالی نہیں ہے اور مختلف مرتبوں اور درجوں میں بٹی ہوئی ہے جو ایک دوسرے پر فضیلت

رکھتے ہیں اور کینہ اور حسرت مکمل مساوات کی صورت ہی ختم ہو سکتے ہیں۔

صوفی بھی ثواب جنت کو اجر خیر نہیں سمجھتے

صوفی بھی ثواب جنت کو اجر خیر نہیں سمجھتے لیکن ان کا ایسا کرنا ایک دوسری وجہ سے ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جنت میں روح حق کو چھوڑ کر غیرحق کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور خیر کل کے مقابلے میں ماسوا میں اس کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔

روح کے بدن کو چھوڑنے کے بارے میں عام خیال

ہم پہلے ہی بیان کرچکے ہیں کہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق ان دو مقامات جزا ہیں روح غیر مجسم حالت میں قیام کرتی ہے لیکن یہ عقیدہ صرف پڑھے لکھے ہندوؤں کا ہے جو روح کو بدن سے الگ اور بے نیاز شے سمجھتے ہیں۔ لیکن عام لوگ، جو بدن کے بغیر روح کے وجود کا تصور تک نہیں کرسکتے، اس معاملے میں بالکل مختلف عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں جاں کنی (نزع) کی تکلیف اس لیے ہوتی ہے کہ روح کو ایک دوسرے قالب کے تیار ہو جانے کا انتظار رہتا ہے۔ روح بدن سے اس وقت تک نہیں نکلتی جب تک اس کے لیے ایک ایسا بدن تیار نہیں ہو جاتا جس کے افعال پیٹ کے بچے یا زمین کے اندر اگتے ہوئے بیج سے مشابہت رکھتے ہوں۔ جب یہ بدن تیار ہو جاتا ہے تو روح اس بدن کو جس کے اندر وہ اب تک تھی، چھوڑ دیتی ہے۔

کچھ لوگ اس روایتی نظریے کو مانتے ہیں کہ روح کسی دوسرے قالب کا انتظار نہیں کرتی بلکہ اپنے موجودہ بدن کو اس کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے چھوڑتی ہے۔ اس اثنا میں اسکے لیے عناصر کا ایک بدن تیار کر دیا جاتا ہے۔ اس بدن کو "آتی واہک" کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں جلدی میں تیار کیا جانے والا۔ اس بدن کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ بدن پیدائش کے معمول کے عمل سے وجود میں نہیں آتا۔ اس بدن میں روح ایک سال تک نہایت تکلیف کی حالت میں رہتی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ یہ روح ثواب کی مستحق ہے یا عذاب کی۔ یہ ایرانیوں کے عالم برزخ سے ملتی جلتی حالت کہی جا سکتی ہے۔ ایرانی عالم برزخ اس درمیانی زمانے کو کہتے ہیں جو عمل و

اکتساب اور اجر ملنے کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ اسی لیے ہندوؤں کے یہاں میت کا وارث سال بھر میت کے لیے رسمیں ادا کرتا ہے جو سال ختم ہونے تک جاری رہتی ہیں کیونکہ سال کے ختم ہونے پر میت اس مقام پر پہنچ جاتی ہے جو اس کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ (ان نظریات کے ثبوت میں وشنوپران سے اگلے ابواب میں اقتباسات پیش کیے گئے ہیں)

تناسخ کے بارے میں مسلمان مصنّفین کے خیالات

ایک متکلم جس کا تناسخ کی طرف میلان ہے کہتا ہے:

"تناسخ کے چار مرتبے ہیں:

(1) انتقال یعنی پیدائش کا وہ طریقہ جو نوع انسانی کے ساتھ مخصوص ہے اور اس میں ایک شخص سے وجود دوسرے شخص کی طرف منتقل ہوتا ہے۔"

(2) اس کی ضد مسخ ہو جانا ہے (یعنی اچھی صورت سے خراب صورت میں تبدیل ہونا) اور یہ بھی انسانوں کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ وہی بندروں، سوروں اور ہاتھیوں کی شکل میں مسخ کر دیئے جاتے ہیں۔

(3) وجود کی باقی رہنے والی حالت جیسے نباتات کی۔ لیکن یہ انتقال سے بدتر ہے۔ کیوں کہ اس میں انسان ہمیشہ ایک ہی حالت پر قائم رہتا ہے اور اس کی عمر پہاڑوں کی عمر کی طرح طویل ہے۔

(4) منتشر ہو جانا۔ یہ نمبر 3 کی ضد ہے اور ان نباتات سے تعلق رکھتی ہے جو تیار ہونے کے بعد توڑ یا کاٹ لی جاتی ہیں یا ان جانوروں سے جو ذبح کر دیے جاتے ہیں اور ان کا نسلی سلسلہ باقی نہیں رہتا۔

ابو یعقوب سجزی نے اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں دعویٰ کیا ہے کہ انواع محفوظ رہتی ہیں۔ ان کا تناسخ ایک ہی نوع میں ہوتا ہے۔ ایک نوع کا تناسخ دوسری نوع میں کبھی نہیں ہوتا۔ قدیم یونانیوں کا بھی یہی خیال تھا۔

اس کے ثبوت میں سقراط کی "فائیڈو" کے اقتباسات اور افلاطون کے بعض نظریات البیرونی نے پیش کیے ہیں۔

باب 7

دنیا سے نجات پانے اور نجات کے راستے کا بیان

نفس جب دنیا کے ساتھ وابستہ ہو اور اس وابستگی کا کوئی سبب بھی ہو تو اس بندش سے نجات صرف ایک ہی صورت میں حاصل کی جا سکتی ہے اور وہ ہے بندش کے سبب کا متضاد۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ جہالت اس بندش کا سبب ہے اور اس سے نجات کا واحد ذریعہ علم ہے اور علم کی بھی وہ منزل جب اشیاء کا مکمل علم‘ یعنی ان کی تمام جہات کا علم جن سے اشیاء کو ایک دوسرے سے الگ پہچانا جاتا ہے حاصل ہو جائے اور استقرا کی حاجت نہ رہے اور تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نفس یا روح علم کی اس منزل کو پا لیتا ہے کہ موجودات میں امتیاز کر سکے تو اسے اپنی ذات کا عرفان بھی حاصل ہو جاتا ہے اور وہ یہ بھی سمجھ لیتا ہے کہ اس کی ذات کی شرافت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور مادے کی رذالت مٹ جانے والی اور تغیر پذیر ہوتی ہے۔ اس طرح وہ مادے سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس حقیقت کو پا لیتا ہے کہ وہ جس چیز کو نیکی اور مسرت سے معمور سمجھ کر اپنائے ہوئے تھا وہ دراصل بدی اور اذیت تھی۔ اس طرح اسے حقیقی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ مادے کے سراب سے منہ موڑ لیتا ہے۔ اس طرح عمل یا افعال ختم ہو جاتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو کر آزاد ہو جاتے ہیں۔

معرفت کے بارے میں صوفیوں کے ملتے جلتے خیالات

ایسے عارف کے بارے میں جسے معرفت حاصل ہو جاتی ہے صوفیوں کے خیالات بھی اس سے ملتے جلتے ہیں۔ ان صوفیاء کا خیال ہے کہ عارف کے دو روحیں ہوتی

ہیں۔ ایک ابدی روح ہے جس میں کوئی تبدیلی یا تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ اس روح سے اسے غیب کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور اس سے کرامات صادر ہوتے ہیں۔ دوسری روح وہ بشری روح ہے جس میں تبدیلی اور ولادت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق اعضائے حسی کو کسب علم کے لیے بنایا گیا ہے اور ان سے جو حظ حاصل ہوتا ہے وہ اس لیے پیدا کیا گیا ہے تاکہ انسانوں کو تحقیق و جستجو کی تحریک ملے۔ انسانوں کو کھانے پینے سے جو لطف حاصل ہوتا ہے اس کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے قوت حاصل ہو اور وہ باقی رہے۔ اسی طرح جماع میں نوع انسانی کو باقی رکھنے کے لیے لذت پیدا کی گئی ہے۔ اگر ان دونوں کاموں میں یہ لذت نہ رکھی گئی ہوتی تو انسان ان دو اغراض کے لیے یہ دونوں کام نہ کرتے۔

مزید براں، ہندوؤں کے نزدیک کسی شخص کو مندرجہ ذیل تین طریقوں میں سے کسی ایک کے ذریعے علم حاصل ہوتا ہے۔

(1) الہام کے ذریعے، پیدائش کے بعد کسی وقت نہیں، بلکہ ایسے الہام سے جو پیدائش کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے جیساکہ کپل رشی کو جو ماں کے پیٹ سے علم و حکمت لیے پیدا ہوئے تھے۔

(2) ایسے الہام کے ذریعے جو ایک زمانہ گزرنے کے بعد ہوتا ہے جیساکہ برہما کی اولاد کو ہوا تھا کہ وہ اس وقت جوانی کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔

(3) سیکھنے سے اور کچھ وقت گزرنے کے بعد جیسے وہ سب لوگ جو سن شعور کو پہنچنے کے بعد علم سیکھتے ہیں۔

لالچ، غصہ اور جہالت موکش کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں

علم کے ذریعے نجات برائی سے بچ کر ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔ برائی کی بہت سی شاخیں ہیں لیکن ہم انہیں لالچ، غصہ اور جہالت میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ اگر جڑ کو کاٹ دیا جائے تو شاخیں خودبخود سوکھ جائیں گی۔ ہم پہلے لالچ اور غصے کو لیتے ہیں جو انسان کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ وہ انسان کو اس دھوکے میں مبتلا رکھتے ہیں کہ کھانے

پینے میں لذت اور انتقام لینے میں راحت ہے جب کہ حقیقت میں یہ دونوں چیزیں انسان کو تکلیفوں اور مصیبت میں مبتلا کر دیتی ہیں اور انسان کو درندوں اور چوپایوں بلکہ شیاطین و ابلیس کے مانند بنا دیتی ہیں۔

دوسری ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان عقل کی قوت کو اختیار کرے جس سے وہ اعلیٰ ترین فرشتوں جیسا ہوتا ہے اور تیسری ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ دنیا کے کاروبار سے منہ موڑ لے۔ دنیا کے کاروبار کو وہ اسی وقت ترک کر سکتا ہے جب وہ ان کے اسباب یعنی حرص اور غلبہ کی خواہش سے چھٹکارا حاصل کر لے۔ اگر وہ ایسا کرے تو اس سے تین ابتدائی قوتوں میں سے دوسری قوت خودبخود مغلوب ہو جاتی ہے۔ ترک عمل کی تین صورتیں ہیں۔

(1) کاہلی، تاخیر اور جہالت کے ذریعے، جو تیسری قوت ہے۔ لیکن یہ طریقہ مستحسن نہیں ہے اس لیے کہ اس کا نتیجہ خراب ہے۔

(2) عاقلانہ انتخاب کے ذریعے اور بہتر اور افضل کو اس کی اچھائی کے سبب ترجیح دے کر اختیار کرنے سے، کیوں کہ اسی طرح کا ترک عمل قابل تعریف ہے۔ ترک عمل اپنی تکمیل کو اس وقت پہنچتا ہے جب انسان ان تمام چیزوں سے علیحدہ ہو جائے جو اس کے اطمینان و سکون قلب میں فتور ڈالتی ہیں، اور گوشہ نشین ہو جائے۔ اس طرح اسے اپنے حواس پر اس درجہ قدرت حاصل ہو جائے گی کہ وہ خارجی محسوسات کی طرف قطعی مائل نہ ہوں گے اور پھر ایک ایسی منزل آئے گی جب اسے اپنے علاوہ کسی دوسری چیز کے وجود کا احساس تک نہ ہوگا اور وہ اپنی تمام حرکات یہاں تک کہ تنفس کو روکنے پر بھی قادر ہو جائے گا۔ یہ بات واضح ہے کہ حریص اپنے مقصود کو حاصل کرنے کے لیے محنت کرتا ہے اور جو محنت کرتا ہے وہ تھکتا ہے اور جو تھکتا ہے وہ ہانپتا ہے۔ اس لیے ہانپنا حرص و طمع کا نتیجہ ہے۔ حرص ختم ہو جائے تو اس کے تنفس کی حالت اس آدمی کے تنفس کی سی ہو جائے گی جو سمندر کی تہہ میں رہتا ہو اور جو سانس لینے کے لیے ہوا کا محتاج نہ ہو۔ اس وقت دل ایک ہی چیز پر ٹھہر جاتا ہے اور وہ ہے نجات کی طلب اور وحدت مطلق تک رسائی۔

ہم نے اوپر جو کچھ کہا ہے اس کے لیے دھیان میں ایسا تسلسل ہونا چاہیئے جس پر عدد کا اطلاق نہ ہوسکے۔ عدد کا اطلاق تکرار وقت کو ظاہر کرتا ہے اور تکرار کے لیے دھیان کے سلسلہ میں خلل پیدا ہونا لازم آتا ہے۔ اس سے دھیان کے تسلسل میں خلل پڑتا ہے اور جس چیز پر دھیان دیا جارہا ہے اس کے ساتھ پورا لگاؤ اور اتحاد پیدا نہیں ہو پاتا اور مطلوبہ شے بذات خود فکر یا دھیان نہیں بلکہ دھیان کا تسلسل اور اتصال ہے۔

اس مقصد تک ایک قالب میں بھی رسائی ہوسکتی ہے (یعنی تناسخ کے ایک ہی مرحلے میں یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے) اور متعدد تالبوں میں بھی لیکن اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان عمدہ خصلت پر قائم رہے اور اپنے نفس یا روح کو بھی اس کا اتنا خوگر بنادے کہ وہ اس کی فطرت اور وصف بن جائے۔

ہندو مذہب کے نو احکام

عمدہ خصلت وہ ہے جس کو مذہبی احکام میں بیان کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کے مذہب کے اصل اصول، فروعات کی کثرت کے باوجود، مندرجہ ذیل نو کلیات میں جمع ہیں۔

(1) قتل مت کرو

(2) جھوٹ مت بولو

(3) چوری مت کرو

(4) زنا مت کرو

(5) ذخیرہ اندوزی نہ کرو اور مال مت جمع کرو

(6) پاک اور صاف رہنے کا التزام کرو

(7) مسلسل روزہ رکھو اور موٹے جھوٹے کپڑے پہنو

(8) تسبیح و تشکر کے ساتھ خدا کی عبادت پر قائم رہو

(9) زبان پر لائے بغیر دل میں ہمیشہ اوم کا کلمہ دہراتے رہو جو تخلیق کا کلمہ ہے۔

جانوروں کو نہ مارنے کا حکم نمبر(1) اس عمومی حکم کا ہی ایک حصہ ہے جس میں ہر

اس عمل سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے جو ایذا رساں اور نقصان دہ ہو۔ دوسروں کا سامان چرانا (نمبر3) اور جھوٹ بولنا (نمبر2) علاوہ اس برائی اور بے حیائی کے جو ان میں ہیں' اسی حکم میں داخل ہیں۔

مال جمع کرنے سے باز رہنا (نمبر5) محنت و مشقت کو چھڑا دیتا ہے کیوں کہ جو شخص اللہ کی نعمت کے بھروسے پر رہتا ہے وہ احتیاج سے چھوٹ جاتا ہے۔ مادی غلامی سے نجات اور ابدی مسرت کا حصول دھیان کے تسلسل کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

طہارت و پاکیزگی کا اختیار کرنا (نمبر6) بدن کی نجاست اور کثافت سے واقف ہونے اور اس بدنی نجاست سے نفرت کرنے اور پاکیزگی روح سے محبت کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ موٹے جھوٹے کپڑے پہن کر بدن کو تکلیف میں مبتلا کرنا (نمبر7) بدن میں لطافت پیدا کرتا' ہوس کو کم کرتا اور حواس کو تیز کرتا ہے۔

خدا اور فرشتوں کا مسلسل اور پابندی سے دھیان کرنا دراصل ان سے ایک طرح کا ربط و تعلق پیدا کردیتا ہے۔

دوسرا حصہ: موکش کا عملی طریقہ

پاتن جلی کی کتاب میں لکھا ہے "ہم نے نجات کے راستے کو تین حصوں میں تقسیم کردیا ہے:

1- ایک قسم عملی ہے جسے کریا یوگ کہتے ہیں۔ اس میں حواس کو آہستہ آہستہ اور نرمی کے ساتھ خارجی دنیا سے علیحدہ کرکے اندرون پر اس طرح مرکوز کرتا ہے کہ خدا کے علاوہ اور کسی طرف توجہ نہ ہو۔ یہ طریقہ اس شخص کے لیے ہے جو صرف ضرورت بھر چیزوں پر (جو اسے زندہ رکھنے کے لیے کافی ہیں) قناعت کرسکے اور اس سے زیادہ کسی چیز کی خواہش نہ کرے۔

(اس کی تائید میں وشنو دھرم اور گیتا کے متعلقہ اقتباسات نقل کیے ہیں)

2- نجات کے راستے کا دوسرا حصہ ترک ہے۔ اس میں تغیر پذیر چیزوں اور فنا ہونے والی صورتوں کے نقص اور برائی کا ایسی معرفت حاصل کرلینا ہے جس سے دل

ان چیزوں سے نفرت کرنے لگے اور ان کی خواہش باقی نہ رہے اور ان تینوں ابتدائی قوتوں پر غلبہ حاصل ہو جائے جو اعمال اور ان کے اختلاف کا سبب ہیں اس لیے کہ جو شخص دنیا کے احوال کا صحیح علم رکھتا ہے اسے معلوم ہے کہ دنیا کی اچھی چیزیں حقیقت میں بری ہیں اور ان سے حاصل ہونے والا آرام مکافات میں تکلیف سے بدل جاتا ہے۔ اس لیے وہ ایسی چیزوں سے گریز کرتا ہے جو اسے جنجال میں ڈالنے والی ہوں اور جن میں پھنس کر اسے اس دنیا میں اور زیادہ لمبے عرصے تک قیام کرنا پڑے۔

عبادت بحیثیت نجات کے تیسرے طریقے کے

3- نجات کے راستے کا تیسرا حصہ پہلے دو حصوں کا آلہ سمجھا جانا چاہیے اور وہ ہے عبادت اور اس کا مقصد خدا سے حصول نجات کی توفیق طلب کرنا اور ایسے قالب کے لائق ہونے کی دعا کرنا ہے جو اسے مسرت و سعادت کی منزل تک پہنچا دے۔

کتاب گیتا کے مصنف نے عبادت کے فرائض کو بدن' آواز اور دل کے درمیان تقسیم کیا ہے۔

بدن کی عبادت روزہ' پوجا' مذہبی فرائض کی ادائیگی' دیوتاؤں اور برہمن علماء کی خدمت' بدن کی صفائی' کسی کی بھی جان لینے سے ہر حالت میں اور مکمل پرہیز اور دوسروں کی عورتوں اور مال و اسباب پر نظر نہ ڈالنے پر مشتمل ہے۔

آواز کی عبادت مقدس کتابوں کو پڑھنا' خدا کے نام کی تسبیح پڑھنا' ہمیشہ سچ بولنا' لوگوں سے نرم کلامی' ان کی رہنمائی اور اچھے کاموں کی ہدایت کرتے رہنا ہے۔

دل کی عبادت نیت کو درست اور صاف رکھنا' بڑائی نہ جتانا' ہمیشہ تحمل اور صبر سے کام لینا' حواس کو قابو میں رکھنا اور خوش دلی ہے۔

موکش کی حقیقت

ہندوؤں کے خیال میں نجات کے معنی خدا کے ساتھ ملکر ایک ہو جانا ہے یعنی خدا کی ذات میں گم ہو جانا ہے کیوں کہ ان کے خیال میں خدا وہ ہستی ہے جو جزا کی امید اور مخالفت کے خوف دونوں سے بے نیاز ہے۔ وہ ایسی ہستی ہے جو مخلوق کے خیال اور

وہم و گمان میں نہیں آسکتی۔ وہ تمام مکروہ اضداد اور پسندیدہ مماثل سے ماورا ہے اور عالم بالذات ہے۔ وہ اس طرح عالم نہیں ہوا ہے کہ اسے ان چیزوں کا جنہیں وہ پہلے سے نہ جانتا ہو، بعد میں علم ہوا ہو۔ ہندوؤں کے نزدیک نجات یافتہ شخص کی صفات بھی یہی ہیں کیونکہ وہ تمام صفات میں اللہ کے مشابہ اور برابر ہے سوائے اپنی ابتداء کے معاملے میں، کیوں کہ وہ ازل سے موجود نہیں ہے اور نجات سے پہلے وہ جھمیلوں کی دنیا میں تھا اور اس کو اشیائے موجود کا علم کوشش اور کسب سے حاصل ہوا تھا لیکن اس علم کی حیثیت وہم و گمان سے زیادہ نہیں تھی کیوں کہ علم کا مطلوب اب بھی حجاب میں تھا۔ لیکن اس کے برعکس، عالم نجات میں تمام حجاب اٹھ جاتے، پردے ہٹ جاتے اور رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں اور ذات خود عالم مطلق ہو جاتی ہے اور کسی نامعلوم چیز کو جاننے کی متمنی نہیں رہتی، وہ حواس کے کثیف محسوسات سے جدا ہوکر ابدی معقولات سے جا ملتی ہے۔

پاتن جلی کے اقتباسات

کتاب پاتن جلی کے آخر میں جب شاگرد نے نجات کی کیفیت پوچھی تو استاد نے کہا :

”اگر چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ نجات نام ہے تینوں قویٰ کے معطل ہو جانے اور اس مقام پر لوٹ جانے کا جہاں سے وہ آئے تھے۔ اور اگر چاہو تو یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ نجات نام ہے روح کا عالم ہو جانے کے بعد خود اپنی فطرت کی طرف لوٹنے کا۔“

صوفیوں کا مسلک بھی یہی ہے

صوفیوں کا مسلک بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔ کسی صوفی بزرگ سے یہ روایت منقول ہے کہ صوفیوں کی ایک جماعت ہمارے پاس آئی، وہ لوگ ہم سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے۔ پھر ان میں کا ایک اٹھا اور نماز پڑھی۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوا اور بولا ”حضرت کیا یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جو اس لائق ہو کہ ہم وہاں مریں۔“ میں نے سوچا کہ اس کی مراد شاید سونے سے ہے چنانچہ میں نے ایک طرف

اشارہ کردیا۔ وہ شخص وہاں گیا' پیٹھ کے بل گرا اور بے حس و حرکت ہوگیا۔ میں اٹھ کر اس کے پاس گیا اور اسے ہلایا ڈلایا لیکن وہ ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔

صوفیوں نے قرآن کی اس آیت کی کہ "ہم نے اسے زمین پر جگہ دی۔" (پارہ 18' آیت 83) تشریح یوں کی ہے "ایسا شخص اگر چاہے تو اس کے لیے زمین خود کو لپیٹ لے' اور اگر چاہے تو پانی پر اور ہوا میں چلے' جو اس کو چلنے میں مدد دیں گے اور اگر وہ پہاڑ کے درمیان سے گزرنا چاہے تو پہاڑ اس کے ارادے میں مزاحم نہیں ہوں گے۔"

وہ لوگ جو سانکھیا کے مطابق موکش حاصل نہیں کرپاتے

آگے چل کر ہم ان لوگوں کا بیان کریں گے جو باوجود زبردست سعی و کوشش کے نجات کی منزل تک نہیں پہنچ پاتے۔ ایسے لوگوں کے مختلف طبقے ہیں۔

(یہاں سانکھیا کے وہ اقتباسات پیش کیے گئے ہیں جن کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو نجات کی منزل تک نہیں پہنچے۔ بعض یونانی حکماء مثلاً امونیوس' افلاطون اور انباذقلس کا مسلک بھی نقل کیا ہے۔ پاتن جلی کا نظریہ صوفیا کے تلاش حق (خدا) میں انجذاب کے مسلک سے مشابہ ہے۔ صوفیا کا قول ہے کہ : "جب تک دوئی کا اشارہ کے طور پر بھی حوالہ دیا جائے گا تو وحدت کی منزل نہ ملے گی۔ جب حق اس شے کو اپنی گرفت میں لے کر اسے مٹا دیتا ہے تو یہ حجاب یا دوئی ختم ہو جاتی ہے۔"

صوفیاء کے سلسلوں میں ایسے حوالے پائے جاتے ہیں جن سے وصل بالحق کی تصدیق ہوتی ہے مثلاً جب ایک سے پوچھا گیا کہ حق کیا ہے تو اس نے کہا "میں اس ہستی سے کیسے ناواقف رہ سکتا ہوں جو خود میں ہوں قطع نظر اس سے کہ یہ "میں" صرف ذاتی ہے جہاتی نہیں۔ اگر میں اپنی ہستی کی طرف مراجعت کروں تو میں اس سے جدا ہو جاؤں گا اور اگر مجھ سے صرف نظر کیا جائے (یعنی مجھ کو پیدا کرکے دنیا میں نہ بھیجا جائے) تو میں نور بن جاؤں گا اور وصل کا خوگر ہو جاؤں گا ......" ابو یزید البستامی سے جب استفسار کیا گیا کہ وہ سلوک کی اس منزل پر کیسے پہنچے تو انہوں نے کہا "میں نے اپنی ذات کو اپنے وجود سے الگ کر دیا جیسے سانپ کیچلی کو۔ اس کے بعد جب میں

نے خود کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ میں تو وہ (حق) ہوں۔"

البیرونی نے اس باب کو صوفیا کے اس قول پر ختم کیا ہے: "انسان اور خدا کے درمیان اندھیرے اور اجالے کی ہزاروں منزلیں ہیں۔ جب کوئی اندھیروں کو پار کر جاتا ہے اور نور کے مقامات کو پا لیتا ہے تو اس کے لیے اپنے اصل حال کی طرف واپس آنا ناممکن ہو جاتا ہے۔"

باب 8

مخلوقات کی قسمیں اور ان کے نام

اس باب کا مضمون ایسا ہے کہ اس کو صحیح طور پر سمجھنا مشکل ہے کیوں کہ ہم مسلمان اس کا مطالعہ باہر سے کرتے ہیں اور ہندو اس کو وضاحت کے ساتھ ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کرتے چونکہ اس رسالے کے بعد کے ابواب کے لیے ہمیں اس کی ضرورت ہے اس لیے اس بارے میں تادم تحریر ہم نے جو کچھ سنا ہے وہ بیان کرتے ہیں لیکن پہلے ہم کتاب سانکھیا کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں۔

کتاب سانکھیا کے حوالے سے مخلوقات کی مختلف قسمیں

سادھو نے کہا ”زندہ بدنوں کی کتنی انواع و اقسام ہیں؟“

رشی نے جواب دیا ”ان کی تین قسمیں ہیں (1) سب سے اوپر روحانی مخلوقات (2) درمیان میں انسان اور (3) نیچے حیوانات۔ ان کی چودہ انواع ہیں جن میں سے آٹھ روحانی مخلوقات سے تعلق رکھتی ہیں: اندر، پرجاپتی، سومیہ، گاندھرو، یکش، راکشس اور پشاچ ---- پھر پانچ انواع جانوروں کی ہیں۔ چوپائے، جنگلی جانور، پرندے، رینگنے والے اور اگنے والے یعنی پیڑ پودے۔ انسان کی صرف ایک نوع ہے۔“

اسی کتاب کے مصنف نے ان کو دوسرے ناموں سے اس طرح شمار کیا ہے ”برہما، اندر، پرجاپتی، گاندھرو، یکش، راکشس، پتارس، پشاچ۔“ ہندو لوگ ترتیب کا بہت کم خیال رکھتے ہیں اور تعداد بیان کرنے اور ظن و تخمین سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ ان کے یہاں ناموں کی بہتات ہے اور کیوں نہ ہو، کوئی ان کی گرفت کرنے والا ہے نہیں، اس

لیے وہ جتنے نام چاہیں اختراع کرلیں۔

مصنف روحانی مخلوقات کی آٹھ قسمیں گناتا ہے

ہندوؤں کی اکثرت کا اس باب میں اجماع ہے کہ روحانی مخلوقات کی مندرجہ ذیل آٹھ قسمیں ہیں۔

(1) دیویا فرشتے۔ شمالی علاقہ ان کا ہے اور ان کو ہندوؤں کے ساتھ خصوصیت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زرتشت نے شیطانوں کو دیو کہہ کر شمینہ یا بدھوں کو اپنا دشمن بنا لیا تھا کیونکہ بدھوں کے نزدیک دیو اعلیٰ ترین اور محترم ترین ہستیاں تھیں۔ فارسی میں مجوسیوں کے زمانے سے اب تک یہ لفظ اسی معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔

د۔ لیبہ' دانو' یعنی وہ جنات جو جنوب میں رہتے ہیں۔ وہ تمام لوگ جو ہندو دھرم کی مخالفت کرتے اور گائے کو ستاتے ہیں اسی دھرم میں آتے ہیں۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ آپس میں قریبی رشتہ ہونے کے باوجود ان کا باہمی جھگڑا طے نہیں ہوتا اور لڑائیاں ختم نہیں ہوتیں۔

(3) گاندھرو : فرشتوں کے سامنے راگ اور گانا پیش کرنے والے موسیقار اور گویے۔ ان کی رنڈیوں کو اپسرائیں کہتے ہیں۔

(4) یکش : فرشتوں کے خزانچی۔

(5) راکشس : بدہیئت اور کریہہ المنظر شیاطین۔

(6) کنر : انسانی شکل اور گھوڑے کا سر رکھنے والی مخلوق یونانیوں کے CENTAURS سے مختلف جس کا نچلا دھڑ گھوڑے کا اور اوپری دھڑ انسان کا ہوتا ہے۔ برج قوس کا نشان اسی کی صورت سے لیا گیا ہے۔

(7) ناگ : سانپ کی سی شکل و صورت والی مخلوق۔

(8) ودیا دھر : جادوگر جنات جو جادو کرتے ہیں لیکن ان کے جادو کا اثر دیرپا نہیں ہوتا۔ ان تمام مخلوقات کے سلسلہ پر نظر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے اوپر ملکوتی قوت ہے اور سب سے نیچے کے سرے پر شیاطین ہیں اور دونوں کناروں کے درمیان

خاصی آمیزش ہے۔ ان جنوں کی صفات میں جو اختلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب اپنے موجودہ مرتبے پر اپنے عمل کے ذریعے پہنچے ہیں اور اعمال میں تینوں بنیادی قوتوں کی کمی بیشی کے مطابق فرق ہوتا ہے۔ اس کی عمر بہت طویل ہوتی ہے جس کا راز یہ ہے کہ وہ بدن سے چھٹکارا پا چکے ہیں، تھکن اور تکلیف سے مبرا ہوگئے ہیں اور ان چیزوں کو کرنے پر قادر ہیں جن سے انسان عاجز ہے۔ وہ انسانوں کی حاجت پوری کرنے اور ضرورت کے وقت ان کی مدد کے لیے ان کے پاس موجود رہتے ہیں۔

لیکن ہم نے سانکھیا کا جو اقتباس نقل کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نظریہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ برہما، اندر اور پرجاپتی انواع کے نام نہیں افراد کے نام ہیں۔ برہما اور پرجاپتی کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں اور ان کے ناموں کا یہ اختلاف ان کی کسی صفت کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ اور اندر تمام جہانوں کا حکمران ہے۔ اس کے علاوہ واسو دیو نے یکش اور راکشسوں کو شیاطین کے ایک ہی طبقے میں شمار کیا ہے جب کہ پرانوں کے مطابق یکش خزانچی فرشتے اور خزانچی فرشتوں کے خادم ہیں۔

ان تمام اقوال کے مطالعے کے بعد ہمارا خیال یہ ہے کہ جن روحانی مخلوقات کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ سب ایک ہی طبقے کی ہیں اور اپنے موجودہ مرتبے پر ان اعمال سے پہنچتی ہیں جو انہوں نے انسان ہونے کی حالت میں کیے تھے۔ انہوں نے اپنے جسموں کو اس لیے پیچھے چھوڑ دیا کہ وہ ایک ایسا بوجھ ہیں جو قوت کو کم اور عرصہ حیات کو مختصر کر دیتے ہیں۔ ان کے حالات اور صفات کا موجودہ اختلاف اس تناسب کے مطابق ہے جس تناسب میں تین ابتدائی قوتوں میں سے کسی قوت کا ان پر غلبہ اور اثر ہوا ہے۔

دیووں کا بیان

پہلی قوت (ابتدائی تین قوتوں میں سے پہلی قوت) دیووں یا فرشتوں کے لیے مخصوص ہے اور ان کو سکون اور مسرت حاصل ہے۔ کسی چیز کو اس کے مادی ہیولٰی سے الگ تصور کر لینے کی صلاحیت ان میں بہت بڑھی ہوئی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح انسان میں مادی محسوسات کے تصور کی صلاحیت وافر طور پر موجود ہے۔

دوسری قوت پشاچ اور بھوتوں کے لیے مخصوص ہے۔ جب کہ تیسری قوت درمیانی طبقے کے لیے مخصوص ہے۔

ہندوؤں کے مطابق دیوں کی تعداد 33 کوٹی (کروڑ) ہے۔ ان میں گیارہ کروڑ مہا دیو کے لیے ہیں۔ اس لیے یہ عدد مہادیو کے القاب میں سے ایک بن گیا ہے۔ خود لفظ مہادیو ان کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ فرشتوں کی مجموعی تعداد' اس حساب سے 33,00,00,000 ہے۔

ہندو' فرشتوں کے لیے کھانا پینا' مباشرت کرنا' زندہ رہنا اور مرنا' جائز سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں وہ مادے کی حدوں کے اندر ہیں' اگرچہ یہ مادہ نہایت لطیف ہے۔ نیز یہ کہ انہوں نے اپنا موجودہ مرتبہ عمل سے پایا ہے علم سے نہیں۔ پاتن جلی میں لکھا ہے کہ نندی کیسور نے مہادیو کے حضور بہت قربانیاں پیش کیں اس لیے ان کی برکت سے اپنے جسمانی قالب کے ساتھ جنت میں بھیج دیا گیا۔ لیکن اندر نے نہوشا کی بیوی سے زنا کیا اس لیے اسے سزا کے طور پر سانپ بنا دیا گیا۔

دیوں کے بعد پتارسوں یعنی مرے ہوئے آباؤاجداد کا مرتبہ ہے اور ان کے بعد بھوتوں کا یعنی وہ انسان جو روحانی ہستیوں' (دیوں) کے ساتھ لگ گئے اور اس لیے مرتبوں میں دیوں اور انسانوں کے درمیان میں ہیں۔ جو لوگ بدن سے چھٹکارا پائے بغیر اس مرتبہ پر پہنچ جاتے ہیں' انہیں رشی' سدھ یا منی کہتے ہیں۔ صفات کے اعتبار سے ان میں اختلاف ہے۔ سدھ وہ ہے جس نے اپنے عمل سے دنیا کی ہر چیز پر قدرت حاصل کرلی ہے اور اسی پر قانع ہوگیا ہے اور نجات کے راستے پر آگے نہیں بڑھتا۔ اس کی ترقی رشی کے مرتبے تک ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی برہمن ترقی کرکے اس مرتبے کو پہنچتا ہے تو اسے برہم رشی کہتے ہیں اور اگر کھتری اس درجے تک پہنچتا ہے تو راج رشی کہلاتا ہے۔ ان سے نیچے طبقے کے لوگ اس مرتبے پر نہیں پہنچ سکتے۔ رشی وہ عاقل ہیں جو انسان ہونے کے باوجود اپنے علم کے سبب' فرشتوں پر فوقیت رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے فرشتے ان سے علم حاصل کرتے ہیں۔ برہما کے علاوہ کسی اور کو رشیوں پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

برہم رشی اور راج رشی کے بعد دوسری ذاتوں کے لوگ ہیں --- جو ہمارے درمیان رہتے ہیں اور جن کی تفصیل ہم ایک علیحدہ باب میں بیان کریں گے۔

برہما' نارائن اور ردر کا مجموعہ وشنو

یہ موخرالذکر تمام انواع مادہ کے نیچے ہیں۔ مادے سے اوپر کے تصور کے بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ مادے اور مادے سے اوپر کے روحانی اور الوہی حقائق کے درمیان ہیولیٰ ایک واسطہ ہے اور تینوں ابتدائی قوتیں اسی میں ہیں۔ اس طرح ہیولیٰ' ان تمام قوتوں سمیت جو اس میں موجود ہیں' اوپر سے نیچے کی طرف گویا ایک پل ہے۔

ہیولیٰ کے اندر پہلی قوت کے زیراثر جو حیات گردش کررہی ہے۔ اس کو برہما' پرجاپتی کے علاوہ بعض دوسرے ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے جن کا روایتوں اور ہندو دھرم میں ذکر موجود ہے۔ نتیجے کے اعتبار سے برہما اور فطرت ایک ہی ہیں کیوں کہ تمام تخلیق یہاں تک کہ تخلیق کائنات بھی برہما کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔

دوسری قوت کے زیراثر جو حیات ہیولیٰ میں گردش کررہی ہے اس کو ہندو روایات کے مطابق نارائن کہتے ہیں۔ نتیجے کے اعتبار سے نارائن کا مفہوم فطرت کی وہ حالت ہے جو فعل کی انتہا کے وقت ہوتی ہے اور جس وقت وہ اس چیز کو جو پیدا ہوئی ہے باقی رکھنے کے لیے کوشش کرتی ہے بالکل اسی طرح نارائن دنیا کو باقی رکھنے کی کدوکاوش کرتا ہے۔

تیسری قوت کے زیراثر جو حیات ہیولیٰ میں سمائی ہوئی ہے اس کا نام مہادیو اور شنکر ہے لیکن زیادہ مشہور نام ردر ہے۔ اس کا کام بگاڑنا اور فنا کرنا ہے۔ یہی کام فطرت اس وقت کرتی ہے جب فعل کے آخر میں اس کی قوت کم ہو جاتی ہے۔

ان کے ناموں میں اختلاف اس کے بعد ہوتا ہے جب وہ مختلف درجوں میں ہوتے ہوئے اوپر اور نیچے پہنچتے ہیں اور ان کے افعال میں اختلاف ہو جاتا ہے لیکن ان سب سے قبل صرف ایک سرچشمہ ہے جہاں سے ہر چیز نکلتی ہے اور اس سرچشمہ میں وہ ان تینوں کو جمع رکھتے ہیں اور پھر ان میں جدائی اور تفرقہ نہیں ہوتا۔ اس وحدت کا

نام وشنو ہے۔ یہ نام درمیانی قوت کے لیے زیادہ مناسب تھا لیکن یہ لوگ درمیانی قوت اور علت اولی میں فرق نہیں کرتے۔

یہاں ہندوؤں اور عیسائیوں میں ایک بات مشترک معلوم ہوتی ہے وہ بھی تین ہستیوں کو باپ' بیٹا اور روح القدس کا نام دے کر ایک دوسرے سے فرق کرنے کے باوجود سب کو ایک مجموعی ذات قرار دیتے ہیں اور ہندو دھرم کا مطالعہ کرنے کے بعد یہی باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ ان کی روایات کے بارے میں' جو بہت کچھ خلاف عقل باتوں سے پر ہیں' ہم آگے بتائیں گے۔ ہمیں اس بات پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ ہندوؤں نے دیوں کے بارے میں اپنی کہانیوں میں' جنہیں ہم نے فرشتوں سے تعبیر کیا ہے' ایسی باتوں کو جائز رکھا ہے' جنہیں عقل تسلیم نہیں کرتی اور جن سے مسلم علماء نے ان کو پاک قرار دیا ہے۔ جب ہندوؤں کے ان اقوال کو یونانیوں کے اقوال سے ملاؤ گے تو تعجب ختم ہو جائے گا۔

(اس کے بعد زیوس کے قصوں کا ذکر ہے۔ البیرونی کا کہنا ہے کہ یونانی اقوال کے مقابلے میں ہندوؤں کے اقوال نسبتاً کم حیرت انگیز ہیں۔)

باب 9

ذاتیں جنہیں رنگ (ورن) کہا جاتا ہے اور ان سے نیچے کے طبقات

تخت سلطنت اور قربان گاہ

اگر کوئی شخص جو طبعا” جہاں بانی کامیلان اور ملکہ رکھتا ہے اور اپنی لیاقت اور کردار کی وجہ سے ریاست کا مستحق ہے اور جس کی رائے اور عزم میں استقلال ہے اور جس کو خوش قسمتی سے مشکلات کے وقت عوام کی تائید حاصل رہتی ہے' سیاسی اور سماجی زندگی کا نیا نظام قائم کرتا ہے تو یہ نظام ان لوگوں میں جن کے واسطے یہ قائم کیا گیا تھا مضبوط سے مضبوط تر ہوگا اور اس کی مضبوطی آئندہ بھی قائم رہے گی جس طرح کہ پہاڑ مضبوط بنیادوں پر قائم ہیں اور ایک نسل کے بعد دوسری نسل ابدالاباد تک اس نظام کو مضبوطی سے تھامے رہے گی پھر اگر اس ریاستی اور سماجی نظام کو مذہب کی بھی کسی قدر تائید حاصل ہو جائے تو مذہب اور ریاست میں مکمل ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے اور ان کی یہ ہم آہنگی اور وحدت سماج کی وہ مثالی ارتقائی صورت ہے جس سے بڑھ کر انسان کسی اور چیز کی تمنا نہیں کرسکتے۔

پرانے زمانے کے بادشاہ اپنے منصب کے فرائض یعنی کاروبار سلطنت کی طرف پوری توجہ دیتے اور اسے بڑے اہتمام سے انجام دیتے تھے۔ وہ اپنی رعایا کو مختلف طبقات و مراتب میں تقسیم ہونے اور ان طبقات کو ایک ایک دوسرے میں مدغم ہونے

دیتے تھے اور نہ اس نظام طبقات میں کوئی خلل پڑنے دیتے تھے۔ اس لیے وہ مختلف طبقات کو آپس میں ملنے یا میل جول قائم نہ کرنے دیتے تھے اور ہر طبقے کے لیے خاص کام اور پیشے مقرر کر دیتے تھے۔ وہ کسی کو اپنے مرتبے یا اوقات سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور اگر کوئی شخص اپنے مرتبے پر قناعت نہ کرتا تو اس کو سزا دی جاتی تھی۔

قدیم ایرانیوں میں طبقات کا نظام

قدیم ایران کے بادشاہوں (خسرواں) کی تاریخ کے مطالعے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے بھی طبقاتی نظام قائم کیا تھا اور انہوں نے اس سلسلے میں ایسے مضبوط انتظامات کیے تھے جو نہ کسی فرد کی خصوصی کارگزاری کے صلے میں ٹوٹ سکتے تھے اور نہ رشوت سے۔ یہاں تک کہ جب اردشیر ابن بابک نے سلطنت فارس کو دوبارہ قائم کیا تو ان طبقات کو بھی از سرنو بحال کیا۔ یہ طبقات اس طرح تھے:

(1) پہلا طبقہ رئیسوں اور شاہی خاندان پر مشتمل تھا۔

(2) دوسرا طبقہ عابدوں، آگ کے خادموں اور وکلاء کا تھا۔

(3) تیسرا طبقہ اطباء، نجومیوں اور عالموں کا

(4) چوتھے طبقے میں کسان اور دوسرے اہل حرفہ تھے۔

ان میں سے ہر طبقے کے اندر متعدد ذیلی طبقات اور مراتب تھے جو ایک دوسرے سے اس طرح علیحدہ اور ممتاز تھے جیسے انواع اپنی جنسوں کے اندر۔ اس قسم کے نظام کی حیثیت شجرہ نسب کی سی ہوتی ہے۔ لیکن صرف اس وقت تک جب تک اس کی ابتدا کے اسباب یاد رہتے ہیں۔ لیکن جب ایک بار یہ فراموش ہو جاتے ہیں تو یہ ایک قومی ورثہ بن جاتے ہیں اور کوئی شخص ان کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتا اور یہ ایک لازمی امر ہے کہ طویل مدت اور نسلیں گزر جانے کے بعد ہر چیز فراموش ہو ہی جاتی ہے۔ ہندوؤں میں پائے جانے والے طبقات اور ذاتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس معاملے میں ہم میں اور ہندوؤں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہم آپس میں سب کو برابر

سمجھتے ہیں اور فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ یہ اختلاف ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مفاہمت اور قرب میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

چار ذاتیں

ہندو اپنے طبقوں اور ذاتوں کو ورن یا رنگ کہتے ہیں اور نسب کی حیثیت جاتکا یا پیدائش۔ ابتداء سے ہی ان طبقوں کی تعداد صرف چار ہے۔

1- سب سے اونچی ذات برہمنوں کی ہے' جن کے بارے میں ہندوؤں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ برہما کے سر سے پیدا ہوئے تھے اور برہما سے مراد وہ قوت ہے جسے فطرت کہتے ہیں۔ سر حیوانی جسم کا سب سے بلند حصہ ہے اس لیے برہمن اس نوع کا جوہر اور منتخب حصہ ہیں اور اسی لیے ہندو ان کو افضل ترین انسان سمجھتے ہیں۔

(2) ان کے بعد کشتری (چھتری یا کھتری) طبقہ ہے۔ ہندوؤں کے خیال کے مطابق ان کی پیدائش برہما کے کندھوں اور ہاتھوں سے ہوئی ہے۔ ان کا مرتبہ برہمنوں کے مرتبے سے بہت زیادہ کم نہیں ہے۔

(3) ان کے نیچے ویش ہیں جو برہما کی ران سے پیدا ہوئے تھے۔

(4) شودر برہما کے پیروں سے پیدا ہوئے تھے۔

آخرالذکر دونوں ذاتوں میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ یہ چاروں طبقے فرق رکھنے کے باوجود شہروں اور دیہاتوں میں مخلوط محلوں اور مکانوں میں رہتے ہیں۔

شودروں کے بعد اور ان سے نیچے وہ لوگ ہیں جو انتیاج کہلاتے ہیں اور جو مختلف قسم کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ ان کا شمار کسی ذات میں نہیں ہوتا بلکہ ایک خاص پیشہ سے وابستہ افراد کے طور پر ہوتا ہے۔ پیشے کے اعتبار سے ان کے آٹھ فرقے ہیں۔ یہ لوگ اپنے درجے کے دوسرے پیشے والوں سے آزادانہ شادی بیاہ کرتے ہیں۔ سوائے دھوبی' موچی اور جلاہے کے جن سے کوئی بھی تعلق رکھنا پسند نہیں کرتا۔ پیشے کی بنیاد پر بنے ہوئے آٹھ طبقے یا فرقے یہ ہیں: دھوبی' موچی' مداری' ٹوکریاں اور ڈھال بنانے والے' ملاح' مچھیرے' چڑی مار یا شکاری اور جلاہے۔ چاروں ذات والے ان آٹھ

فرقوں کے لوگوں کو اپنے ساتھ یا اپنی آبادیوں میں رہنے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ ان کو بستی کے قریب لیکن بستی سے باہر آباد کرتے ہیں۔

ہاڈی، ڈوم، چنڈال اور بدھاتو کسی فرقے یا ذات میں شامل نہیں ہیں۔ یہ لوگ گندے کاموں مثلاً گاؤں کو صاف کرنے اور اسی قسم کے دوسرے کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ یہ سب مل کر ایک واحد فرقہ شمار ہوتے ہیں اور ان میں باہمی امتیاز ان کے کاموں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی حیثیت ناجائز اولاد کی سی ہے کیونکہ عام خیال کے مطابق ان کا باپ شودر اور ماں برہمن تھی اور ان کے ناجائز تعلق سے ان کی پیدائش ہوئی اسی لیے یہ برادری سے باہر کیے ہوئے ذلیل ہیں۔

مختلف طبقات کے لوگوں کے پیشے

ہندوؤں نے چاروں ذاتوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو ان کے پیشے اور طرز زندگی کے اعتبار سے الگ الگ نام دیے ہیں۔ مثال کے طور پر جب تک کوئی برہمن پنے گھر میں رہ کر کام کرتا ہے برہمن کہلاتا ہے۔ جب وہ ایک آگ کی خدمت کرنے لگتا ہے تو اسے اشتی کہا جاتا ہے اور اگر تین آگوں کی خدمت کرتا ہے تو اگنی ہوتری کہلاتا ہے اور اگر آگ کے لیے قربانی بھی کرتا ہو تو دیکشت کہلاتا ہے۔ نیچی ذات والوں میں ہاڈی سب سے بہتر سمجھے جاتے ہیں کیونکہ وہ ہر گندی چیز سے خود کو پاک رکھتے ہیں۔ ان کے بعد ڈوم ہیں جو بانسری یا بین بجاتے اور گاتے ہیں۔ ان کے بعد جو دوسری نیچی ذاتیں ہیں ان کا کام جان لینا یا سزائیں دینا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ نیچی ذات بدھاتو ہے۔ اس طبقے کے لوگ، مردار جانوروں کے علاوہ کتے وغیرہ بھی کھاتے ہیں۔

برہمنوں کے رسم و رواج

جب چاروں ذات والے لوگ ساتھ ساتھ کھانے بیٹھتے ہیں تو ہر ذات کی صف علیحدہ ہوتی ہے اور مختلف ذات کے لوگ ایک صف میں شامل نہیں ہو سکتے۔ مثال کے طور پر اگر ایسے دو برہمنوں کو جن کی آپس میں دشمنی ہو ساتھ ساتھ بیٹھنا پڑ جائے تو

وہ درمیان میں تختہ یا کوئی دوسری چیز آڑ کے لیے رکھ دیتے ہیں اور اگر کچھ نہ ہو تو پھر دونوں کے درمیان ایک لکیر کھینچ کر کام چلا لیا جاتا ہے۔ چونکہ کسی کو بچا ہوا کھانا کھانے کی اجازت نہیں اس لیے ہر شخص کے لیے کھانے کی چیز کا علیحدہ ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی ایک کے کھانے میں سے کوئی دوسرا شخص کوئی نوالہ کھا لے تو پھر اس شخص کے لیے جس کا یہ کھانا تھا اس جھوٹے کھانے کو کھانا منع ہے۔ گویا ان چار ذاتوں کا یہ حال ہے۔

موکش اور مختلف ذاتیں

ہندوؤں میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ چاروں ذاتوں میں سے کون سی ذات نجات حاصل کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ صرف برہمن اور کھشتری ہی نجات حاصل کرسکتے ہیں اور ان کے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ برہمن اور کھشتری کے علاوہ کوئی اور ویدوں کو نہیں پڑھ سکتا۔ لیکن ہندو مفکرین کا کہنا ہے کہ نہ صرف چاروں ذات والے بلکہ تمام نسل انسانی نجات حاصل کرسکتی ہے بشرطیکہ وہ صدق دل سے نجات حاصل کرنا چاہے۔ یہ نظریہ ویاسا کے اس قول کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے کہ "پچیس چیزوں کو اچھی طرح ازبر کرلو۔ اس کے بعد جس مذہب کی چاہو پیروی کرو، تم بلاشبہ نجات حاصل کرلو گے۔" اس نظریہ کی بنیاد یہ حقیقت بھی ہے کہ واسو دیو شودر خاندان میں پیدا ہوا تھا اور انہوں نے ارجن سے کہا تھا: خدا اجر دینے میں ناانصافی اور جانبداری سے کام نہیں لیتا۔ لیکن اگر کوئی شخص نیکی کرتے وقت خدا کو فراموش کردے تو وہ اس کی نیکیوں کو بدی میں شمار کرتا ہے لیکن اگر کوئی برائی کرتے وقت خدا کو نہ بھولے اور اسے یاد رکھے تو وہ ان بدیوں کو نیکیاں شمار کرتا ہے، چاہے کرنے والا ویش ہو یا شودر یا عورت ہو۔ اگر وہ برہمن یا چھتری ہو تو کہنا ہی کیا ہے۔

باب 10

ہندوؤں کے مذہبی اور شہری قانون کے سرچشمے رسول ' نیز یہ کہ دینی احکام منسوخ ہو سکتے ہیں یا نہیں

یونانیوں کا مذہب اور قوانین جن کی بنیاد ان کے حکماء نے ڈالی تھی

قدیم یونانی مذہبی اور عائلی ضوابط کے لیے ان حکماء سے رجوع کرتے تھے جن کا کام ہی ان قوانین و ضوابط کو بنانا تھا اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان حکما کو اس کام میں خدا کی نصرت حاصل ہے۔ یہ حکماء سولن ' ڈریکو ' فیثا غورث ' مائی ناس وغیرہ تھے۔ یونان کے بادشاہ بھی یہی کام انجام دیتے تھے۔ شاہ میانوس نے ' موسیٰؑ سے تقریباً دو سو سال قبل ' سمندر کے جزیروں اور اہل کریٹ پر اپنی حکمرانی کے زمانے میں قوانین بنائے تھے اور یہ کہا تھا کہ یہ قوانین اسے زیوس سے ملے تھے۔ اسی زمانے میں مائی ناس نے بھی قوانین وضع کیے تھے۔ قانون کے معاملے میں ہندوؤں کا حال بھی یونانیوں جیسا ہی ہے۔

ہندوؤں کے قوانین و ضوابط رشیوں نے وضع کیے تھے

ہندو اپنے قوانین اور ضابطوں کا سرچشمہ رشیوں کو مانتے ہیں اور انہیں کو اپنے دین کے ارکان و ستون سمجھتے ہیں۔ وہ رسول یعنی نارائن کو ' جو دنیا میں آتے وقت انسان کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ہندو دھرم کا حوالہ تسلیم نہیں کرتے پھر ' نارائن دنیا میں اس لیے آتا ہے کہ اس شر کو ' جو دنیا پر چھا جانا چاہتی ہے ' ختم کر دے ' یا گمراہ دنیا کو پھر سے صحیح راستے پر ڈال دے۔ ہندوؤں کے یہاں قوانین میں ردوبدل یا ترمیم و تنسیخ کی کوئی

گنجائش نہیں ہے بلکہ جس حالت میں بھی انہیں وہ قوانین ملے تھے اسی پر عمل کرتے ہیں اس لیے دھرم کے معاملے میں انہیں کسی رہبر کی ضرورت نہیں، اگر رہبر کی ضرورت ہے تو دنیا کے خراب ہوتے ہوئے حالات کو ٹھیک کرنے کے لیے اور بس!

جہاں تک قوانین ہندو دھرم کی منسوخی کا تعلق ہے تو ہندو اس کو ناممکن نہیں سمجھتے۔ ان کا خیال ہے کہ بعض وہ چیزیں جو اب حرام ہیں واسو دیو کی آمد سے قبل حلال اور جائز تھیں مثلاً گائے کا گوشت۔ قوانین میں ترمیم و تنسیخ کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ انسان کا مزاج بدلتا رہتا ہے اور ان میں فرائض دینی کے ادا کرنے کی طاقت نہیں رہتی۔ جن قوانین میں تبدیلی ہوئی ہے ان میں شادی بیاہ نسب کے ضوابط شامل ہیں۔ قدیم زمانے میں نسب کا یقین تین طرح سے ہوتا تھا۔

(1) منکوحہ بیوی سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ اپنے باپ کے نسب پر جاتا ہے جیسا کہ ہم لوگوں اور ہندوؤں میں ہوتا ہے۔

(2) جب کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرے اور اس سے بچی پیدا ہو اور یہ شرط کرلی جائے کہ اولاد لڑکی کے باپ کی ہوگی تو اولاد اپنے نانا کی ہوگی جس نے یہ شرط لگائی تھی، اس شخص کی نہیں جس کے نطفے سے پیدا ہوئی تھی۔

(3) اگر کسی اجنبی کے نطفے سے کسی شادی شدہ عورت کے اولاد پیدا ہو تو اولاد عورت کے اصل شوہر کی متصور ہوگی کیونکہ جس زمین (عورت) کے بطن سے یہ اولاد پیدا ہوئی ہے اس کا مالک اس کا اصل شوہر ہے اور اور یہ فرض کرلیا جائے گا کہ عورت نے اپنے شوہر کی اجازت پر اجنبی سے تخم ریزی کرائی تھی۔

اب یہ تمام رسوم منسوخ ہوکر ختم ہوگئی ہیں اور اس نظیر کی بنا پر ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ہندوؤں کے یہاں قوانین کی تنسیخ جائز ہے۔

اس قسم کی غیرفطری شادیاں ابھی ہوتی ہیں جیسی کہ زمانہ جاہلیت میں ہوتی تھیں۔ اور بنجر اور شہر کے درمیان پھیلے ہوئے کوہستانی علاقے میں ایک بھائی کی بیوی تمام بھائیوں کی مشترکہ بیوی ہوتی ہے۔

جاہلیت کے زمانے کے عربوں اور تبت کے باشندوں میں شادی کی مختلف صورتیں

مشرکین عرب میں بھی شادی کی مختلف صورتیں رائج تھیں۔

(1) ایک صورت یہ تھی کہ کوئی عرب اپنی بیوی کو عالی خاندان میں اولاد پیدا کرنے کی غرض سے کسی شخص کے پاس جانے اور اس سے مباشرت کرنے کا حکم دیتا تھا اور اس شوق میں کہ بچہ نجیب پیدا ہو' حمل کے زمانے میں اس سے الگ رہتا تھا۔ یہ شادی ہندوؤں میں رائج تیسری قسم کی شادی سے ملتی جلتی ہے۔

(2) ایک قسم یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا تھا کہ تو اپنی بیوی کو میرے لیے چھوڑ دے اور میں اپنی بیوی کو تیرے لیے چھوڑتا ہوں اور اس طرح وہ آپس میں بیوی بدل لیتے تھے۔

(3) شادی کی تیسری قسم یہ تھی کہ چند مرد ایک ہی بیوی سے مباشرت کرتے تھے اور جب اس کے بچہ پیدا ہوتا تھا تو وہ بتا دیتی تھی کہ بچہ کا باپ ان میں سے کون ہے۔ اگر وہ خود نہ بتا سکتی تو نجومیوں سے پوچھا جاتا کہ بچہ کس کے نطفے سے ہے۔

(4) نکاح المقت بھی شادی کی ایک قسم تھا۔ یہ نکاح اپنے باپ یا بیٹے کی بیوہ سے کیا جاتا تھا۔ اس نکاح سے پیدا ہونے والا بچہ DAIZAN .... کہلاتا تھا۔ نکاح کا یہ طریقہ یہودیوں کے طریقے سے ملتا جلتا تھا۔ یہودیوں پر یہ فرض ہے کہ اگر کسی شخص کا بھائی مر جائے اور کوئی اولاد نہ چھوڑے تو یہ شخص اپنی بھاوج سے شادی کرے اور مرحوم بھائی کی نسل کو قائم رکھے۔ اس کی اولاد اسکے مرحوم بھائی کی طرف منسوب ہوگی تاکہ اس کی یاد قائم رہے۔ جو شخص اس طرح کا نکاح کرتا ہے تو اسے عبرانی میں لبم کہتے ہیں۔ (مجوسیوں میں اس قسم کی شادی کا رواج ہے)

ہم نے ان حالات کو اس لیے بیان کیا ہے تاکہ ان کے ساتھ موازنہ و مقابلے سے اسلام کے اصول و ضوابط کی برتری معلوم ہو جائے۔ اس موازنے سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام کے مقابلے میں یہ ضوابط اور رسوم کس درجہ ناقص اور مکروہ ہیں۔

باب 11

بت پرستی کی ابتدا اور بتوں کا بیان

بت پرستی کی ابتدا

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ عوام کا میلان معقول کے بجائے محسوس کی طرف ہوتا ہے اور معقولات کو صرف علماء ہی جانتے ہیں جو ہر جگہ اور ہر زمانے میں بہت کم ہوتے ہیں۔ چونکہ عوام کو تصویروں اور عکسوں سے سکون قلب حاصل ہوتا ہے اس لیے اکثر مذاہب کے رہنما راہ حق سے ہٹ کر، کتابوں اور عبادت گاہوں میں تصویریں بنانے کی طرف مائل ہو گئے مثلاً یہودی اور عیسائی اور سب سے بڑھ کر منانیہ۔ میری اس بات کی صداقت اس وقت ثابت ہو جائے گی جب کسی بے پڑھے لکھے آدمی یا عورت کو نبیؐ یا مکہ اور کعبہ کی تصویر دکھائی جائے۔ اس تصویر کو دیکھتے ہی خوشی اور فرط عقیدت سے وہ اسے اس طرح بوسہ دیں گے، اپنی آنکھوں سے لگائیں گے اور اس کے سامنے خاک پر اس طرح لوٹنے لگیں گے گویا وہ تصویر کے بجائے اصل کے سامنے کھڑے ہوں اور حج و عمرے کے مناسک ادا کر رہے ہوں۔

یہی چیز اس بات کا باعث ہوئی کہ جن لوگوں کی تعظیم کی جاتی تھی مثلاً انبیا، اولیا اور فرشتے، ان کے نام کا بت بنا لیا گیا تاکہ ان کی موت کے بعد بھی ان کی یاد کو باقی رکھا جا سکے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی تعظیم کا اثر باقی رہے۔ لیکن جب اس بت یا یادگار کو بنے بہت زمانہ اور نسلیں بیت جاتی ہیں تو وہ اسباب و محرکات فراموش ہو جاتے ہیں مگر ان کی تعظیم کی رسم باقی رہ جاتی ہے۔ انسان کی اس فطری کمزوری سے

قدیم زمانے کے اہل قانون یعنی حکمرانوں نے فائدہ اٹھایا اور بتوں کے نام پر اپنی حکومت قائم کی۔ انہوں نے عوام پر تصویروں اور بتوں کی پوجا کو فرض کردیا۔ جیساکہ طوفان نوحؑ سے قبل اور بعد کی قوموں کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ انبیاء کی آمد سے پہلے تمام انسانوں کو ایک قوم کہنے سے یہی مراد تھی کہ بت پرستی میں یہ سب ایک قوم یا جماعت تھے۔

پہلے بت پرستی انسانوں کے نچلے طبقے تک محدود تھی

چونکہ ہمارا مقصد ہندوؤں میں رائج‘ بت پرستی کے نظام اور اس کے متعلق ان کے نظریات کو بیان کرنا ہے۔ اس لیے ہم ان کے یہاں رائج خرافات کو بیان کرتے ہیں اور جو لوگ نجات کے حصول کی کوشش کرتے ہیں یا جنہوں نے فلسفہ و دینیات کا مطالعہ کیا اور حقیقت یعنی‘ سارا کی معرفت حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ خدا کے سوا کسی اور چیز کی بالکل عبادت نہیں کرتے اور کسی بت کی پرستش کا تصور نہیں کرسکتے۔ (اس کے بعد راجا امبریش کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو ایک عرصہ تک کامیابی سے راج کرنے کے بعد گوشہ نشین ہوکر پوجا پاٹ میں لگ گیا تھا پھر اس کے سامنے اندر نے جلوہ گر ہوکر اس کے ایک سوال کے جواب میں اس سے کہا کہ ”اگر کسی وقت تم پر انسانی بھول غالب آجائے تو جس صورت میں تم نے مجھے دیکھا ہے اس کا ایک بت بنا لو اس کے سامنے خوشبو اور پھولوں کی نذر پیش کرو۔ اس طرح تم مجھے کبھی نہ بھولو گے۔“

ہندوؤں کے مطابق بت سازی‘ اسی وقت سے شروع ہوئی ان میں سے بعض چار ہاتھ کے ہوتے ہیں‘ جیساکہ ہم نے ابھی بتایا ہے‘ اور بعض دو ہاتھ کے۔ بت کی شکل و شباہت کا انحصار اس ہستی کی شکل و شباہت پر ہے جس کی پرستش مقصود ہے اور جس کی تمثال کے طور پر بت بنایا گیا ہے۔

ملتان کا آدتیہ نامی بت

ہندوؤں کا ایک مشہور بت ملتان کا بت تھا جو سورج کے نام پر بنایا گیا تھا اور اسی نسبت سے اس کا نام آدتیہ تھا۔ یہ بت لکڑی کا بنا ہوا تھا اور اس پر سرخ رنگ کا قرطبی

چمڑا منڈھا ہوا تھا اور آنکھوں کی جگہ دو سرخ یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ ہندوؤں کے کہنے کے مطابق یہ پچھلے کرتا یگ میں بنایا گیا تھا۔ اگر یہ کرتا یگ کے آخر میں بھی بنا ہو تب بھی اسے بنے ہوئے دو لاکھ سولہ ہزار چار سو بتیس سال گزر چکے ہیں۔ جب محمد بن قاسم نے ملتان فتح کیا اور وہاں کی رونق اور دولت کے اسباب پر غور کیا تو اسی بت کو اس کا سبب پایا جس کی زیارت کے لیے لوگ ہر طرف سے کثیر تعداد میں وہاں آتے تھے۔ اس لیے اس نے اس بت کو اسی طرح رہنے دینا مناسب سمجھا لیکن اس کی توہین کے لیے اس کی گردن میں گائے کے گوشت کا ایک ٹکڑا لٹکا دیا۔ اور وہاں پر ایک مسجد تعمیر کرا دی بعد میں جب ملتان پر قرامطہ کا قبضہ ہوگیا تو جلم ابن شیبان نے جو ملتان پر بزور قابض ہوگیا تھا اس بت کو توڑ ڈالا اور اس کے پجاریوں کو مار ڈالا اور اپنے محل کو جو ایک بلند جگہ پر اینٹوں سے بنایا گیا تھا پرانی مسجد کی جگہ مسجد بنا دیا۔ اس نے پرانی مسجد کو بند کردیا جس کی وجہ بنو امیہ سے اس کا کینہ اور اس کی بنائی ہوئی ہر چیز سے اس کی بے پناہ نفرت تھی۔ لیکن جب امیر محمود رحمتہ اللہ علیہ نے ان ملکوں کو قرامطہ سے بے دخل کر دیا تو پرانی مسجد میں ازسرنو جمعہ کی نماز کا آغاز کیا اور دوسری مسجد کو بند کرا دیا۔ اب اس جگہ مہندی کا کھلیان قائم ہے۔

تھانیسر کا بت چکر سوامی

تھانیسر شہر کو ہندو نہایت مقدس اور قابل احترام جانتے ہیں۔ یہاں کے بت کا نام چکر سوامی ہے یعنی بت کا مالک۔ چکر ایک ہتھیار ہوتا ہے۔ یہ قد آدم بت پیتل کا بنا ہوا ہے۔ اب وہ غزنی کے میدان میں سومنات کے سر کے ساتھ پڑا ہوا ہے جو مہادیو کے عضو تناسل کی شبیہہ ہے جسے لنگ کہتے ہیں۔ سومنات کا حال ہم مناسب جگہ بیان کریں گے۔ ہندوؤں کے مطابق چکر سوامی کا بت بھارت کے زمانے میں اس کے نام سے منسوب لڑائیوں کی یادگار کے طور پر بنایا گیا تھا۔

کشمیر کا شرد نامی بت

کشمیر کے اندرونی علاقے میں پایہ تخت سے دو یا تین کوس کی مسافت پر بولور

پہاڑیوں میں لکڑی کا بنا ہوا بت شرد لوگوں کی عقیدت اور زیارت کا مرکز ہے۔

ورہ میہر کی کتاب سم ہت سے اقتباسات

اب ہم کتاب سم ہت کا وہ باب نقل کرتے ہیں جو بت سازی کے متعلق ہے جس سے قاری کو اس مضمون کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ورہ میہر نے کہا ہے کہ "اگر دشرتھ کے بیٹے رام یا وروچن کے بیٹے بالی کا بت بنانا ہے تو اس بت کا قد ایک سو بیس انگل کا بنایا جائے اور دوسروں کے بت، اس سے دسواں حصہ کم کرکے، ایک سو آٹھ انگل کے بنائے جائیں۔

وشنو کے بت کے آٹھ یا چار یا دو ہاتھ بنائے جائیں اور اس کے سینے سے بائیں حصہ پر پری نام کی عورت کی صورت بنائی جائے۔ اگر اس کے آٹھ ہاتھ بنائے گئے ہیں تو بائیں طرف کے ہاتھوں میں سے ایک میں تلوار، دوسرے میں سونے یا لوہے کا عصا، تیسرے میں تیر پکڑے ہوئے اور چوتھے ہاتھ کو چلو کی حالت میں دکھایا جائے۔ ائیں طرف کے ہاتھوں میں ڈھال، کمان، چکر اور سنکھ دکھائے جائیں۔

اگر دو ہاتھ کے ساتھ بنایا ہے تو دایاں ہاتھ چلو کی حالت میں دکھایا جائے اور بایاں ہاتھ سنکھ پکڑے ہوئے دکھایا جائے۔

اگر نارائن اور بلدیو دونوں کی مورتی بنانا ہو تو ان کے ساتھ ان کی بہن بھگوتی کو بھی شامل کرلیا جائے اور اسے اس حالت میں بنایا جائے کہ اس کا داہنا ہاتھ پہلو سے کچھ ہٹا ہوا کولہے پر رکھا ہو اور بائیں ہاتھ میں کنول کا پھول ہو۔ اگر بھگوتی کو چار ہاتھوں کے ساتھ بنایا جائے تو اس کے دائیں ہاتھ میں تسبیح ہو اور ایک ہاتھ چلو کی شکل میں پانی لے رہا ہو اور بائیں طرف کے ہاتھوں میں سے ایک میں کتاب اور ایک میں کنول کا پھول ہو۔ اور اگر اسکے آٹھ ہاتھ بنائے گئے ہیں تو بائیں طرف کے ہاتھوں میں کمنڈل، کنول کا پھول، کمان اور کتاب دکھائی جائیں اور دائیں طرف کے ہاتھوں میں تسبیح، آئینہ، تیر ہو اور ایک ہاتھ چلو کی حالت میں ہو۔

برہما کے بت میں چاروں طرف ایک ایک منہ ہوتا ہے اور کنول پر بیٹھی ہوئی

حالت میں دکھایا جاتا ہے۔

مہادیو کے بیٹے سکند کا بت نو عمر لڑکے کی شکل کا بنایا جاتا ہے اور اس کو مور پر سوار ہاتھوں میں سکتی (دودھاری تلوار کی شکل کا ہتھیار) تھامے دکھایا جاتا ہے۔

اندر کے بت کے ہاتھ میں ہیرے کا وجر ہوتا ہے جس کا دستہ سکتی کا ہوتا ہے لیکن اس میں اور سکتی میں یہ فرق ہوتا ہے کہ اس کا قبضہ درمیان میں ہوتا ہے اور اسکے دونوں طرف تلوار ہوتی ہے۔ اندر کی پیشانی پر تیسری آنکھ دکھائی جانی چاہیے اور ان کو ایک ایسے سفید ہاتھی پر سواری کرتے ہوئے دکھایا جائے جس کے چار دانت ہوں۔

اسی طرح مہادیو کے بت کی پیشانی میں تیسری آنکھ بناؤ جو سیدھی کھڑی ہو، سر پر پہلی رات کا چاند دکھاؤ۔ ہاتھ میں شول (ترشول) جو لاٹھی کی طرح ہوتا ہے لیکن اس میں تین شاخیں ہوتی ہیں، اور تلوار ہو۔ بایاں ہاتھ اپنی بیوی گوری (جو ہماونت کی بیٹی ہے) کو تھامے ہو اور اس کو پہلو کی طرف سے سینے سے لگائے ہو۔

جینا یا بدھ کا بت بناتے ہوئے اس کا چہرہ اور اعضاء کو امکانی حد تک خوبصورت بنایا جائے اس کی ہتھیلیوں اور تلووں کی لکیروں کو کنول کی شکل کا دکھایا جائے۔ اس کے بال سفید بنائے جائیں اور چہرے پر خوشی دکھائی جائے۔ اس طرح گویا وہ خلق کا باپ ہو۔

کبیر خزانچی کا بت، سر پر تاج پہنے، پیٹ بڑا، پہلو پھیلے ہوئے اور انسان پر سواری کرتے ہوئے دکھایا جائے۔

سورج کے بت کا چہرہ کنول کے گودے کی طرح سرخ رنگ کا ہو اور ہیرے کی طرح چمکتا ہوا، اعضاء نمایاں، کانوں میں بالے پہنے، گردن میں موتیوں کے ہار جو سینے تک لٹکے ہوئے ہوں، سر پر کئی درجے کا تاج پہنے اور بدن پر شمال میں رہنے والے لوگوں کا ٹخنوں تک لٹکا ہوا لباس پہنے ہوئے بنانا چاہیے۔

سات ماؤں کا بت ایک ہی بنایا جائے۔ برہمانی کے چار منہ چاروں طرف ہوں، کوماری کے چھ منہ، ویشنوی کے چار ہاتھ، واراہی کا سور کا سر اور انسان کا دھڑ، اندرانی کی

کئی آنکھیں اور لاٹھی تھامے ہوئے ہاتھ۔ بھگوتی (درگا) بیٹھی ہوئی حالت میں، کامندا کریہہ صورت، دانت آگے کو نکلے ہوئے اور پتلی کمر، ان کے ساتھ مہادیو کے دونوں بیٹے چھیرپال کھڑے بال، چہرے پر شکنیں، بدھ صورت لیکن دوسرے بیٹے ونائک کو ہاتھی کے سر اور انسان کے بدن اور چار ہاتھوں والا بنایا جائے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ ان بتوں کے آگے ان کی پوجا کرنے والے بکریوں اور بھینسوں کو کٹاروں سے ذبح کر دیتے ہیں تاکہ یہ بت ان جانوروں کے خون سے غذا حاصل کریں۔ ہر بت کے مختلف اعضاء کی ناپ مقرر ہے جو بت کی انگلی کے پیمانے سے مقرر کی جاتی ہے لیکن بعض اوقات ان میں تھوڑا بہت فرق ہو جاتا ہے۔ بت بنانے والا اگر اس ناپ کو قائم رکھتا ہے اور اس میں کمی بیشی نہیں کرتا تو گناہ سے بچا رہتا ہے اور جس کا بت ہے اس کے عتاب سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

بت کی تکریم کا پیمانہ یہ ہے کہ وہ کس کی طرف منسوب ہے، یہ نہیں کہ اس میں کتنے ہیرے جواہرات لگے ہیں یا وہ کس چیز کا بنا ہوا ہے۔ ملتان کا بت جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں لکڑی کا تھا۔ اسی طرح وہ لنگ، جس کو رام نے راکشسوں سے اپنی لڑائی کے بعد خود اپنے ہاتھ سے نصب کیا تھا، مٹی کا تھا۔ لیکن وہ اس وجہ سے پتھر میں تبدیل ہو گیا کہ اسے نصب کرنے کی مناسب گھڑی گزری جا رہی تھی اور پتھر کا جو لنگ رام نے بنانے کا حکم دیا تھا وہ ابھی تک تیار نہیں ہوا تھا۔

بت خانہ یا مندر اور اس کے گرد سائبان بنانے، ان کے لیے چار قسم کے درخت کاٹنے، بت کو نصب کرنے کی صحیح ساعت نکلوانے، اور اس کی تنصیب کے وقت جو رسمیں ادا کرنی ہیں ان کے بارے میں رام نے طویل ہدایات دی ہیں جن کا ذکر بے مزہ اور بے لطف ہے۔ انہوں نے یہ بھی ہدایات دی ہیں کہ بت کے خدام اور مجاور مختلف فرقوں سے منتخب کیے جائیں مثلاً وشنو کے بت کے لیے بھاگوت فرقے سے، سورج کے بت کے لیے آگ یعنی مجوس فرقہ سے، مہادیو کے بت کے لیے بھبھوت ملے ہوئے لمبی جٹاؤں والے، مردوں کی ہڈیوں کی مالا پہننے والے اور تالابوں میں تیرنے والے سادھوؤں میں سے مجاور مقرر کیے جائیں۔ اسی طرح آٹھ ماؤں کے بت کے

برہمن، بدھ کے بت کے لیے شمانیہ اور اریہانت کے بت کے لیے نگن فرقے سے خدام مقرر کیے جائیں۔ الغرض ہر بت کے واسطے اسی قوم کے خدام مقرر ہیں جو اس بت کو بناتی ہے ایسا اس لیے ہے کہ یہ لوگ ہی اس بت کی اچھی طرح خدمت کرسکیں گے۔

گیتا کا اقتباس جس کے مطابق خدا کا بت نہیں بنایا جا سکتا

ان خرافات کے نقل کرنے کا مقصد قاری کو مختلف بتوں کی پہچان بتانا تھا کہ وہ جب کسی بت کو دیکھے تو پہچان جائے۔ اس سے یہ واضح کرنا بھی مقصود تھا یہ بت بے پڑھے لکھے عوام کے لیے نصب کیے جاتے ہیں۔ کبھی کوئی بت کسی ایسی ہستی کا نہیں بنایا جاتا جو مادے سے برتر ہو چہ جائے کہ خدا کا۔ اس گفتگو کا مقصد یہ بتانا بھی تھا کہ بے پڑھے لکھے معتقدین کے ہجوم کو خدام اور مجاور کس کس طرح فریب دے کر ان کے اعتقاد کو قائم رکھتے ہیں۔

(اس کے بعد گیتا کا وہ اقتباس پیش کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ خدا کا بت نہیں بنایا جا سکتا)۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بت پرستی کی ابتدائی وجہ مرے ہوئے لوگوں کی یادگار قائم کرنا اور زندہ لوگوں کو تسلی دینا تھا لیکن رفتہ رفتہ وہ بڑھ کر اس فاسد اور مفسد درجے تک پہنچ گئی۔

مقلیہ (سسلی) کے بتوں کے بارے میں امیر معاویہ نے پہلے ہی سبب کا لحاظ رکھا یعنی یہ کہ محض یادگاریں ہیں۔ جب 53 ہجری کے موسم گرما میں مقلیہ فتح ہوا اور وہاں سے جواہرات کا جڑاؤ تاج پہنے، سونے کے بت جب ان کے پاس لائے گئے تو حضرت معاویہ نے انہیں سندھ بھجوا دیا تاکہ انہیں وہاں کے راجاؤں کے ہاتھ فروخت کردیا جائے کیوں کہ انہوں نے یہ سوچا کہ اس طرح ایک دینار وزنی سونے کی قیمت ایک دینار سکے سے زیادہ ملے گی اور انہوں نے دینی مصلحت کے برخلاف انتظامی اور سیاسی مصلحت کی بنیاد پر ان بتوں کی فروخت کا حکم دیا اور ان سے پیدا ہونے والے شرک سے اغماض کیا۔

باب 12

وید‘ پران اور ہندوؤں کی دوسری مذہبی کتابیں

لفظ وید کے معنی اس چیز کو جان لینا ہے جو پہلے معلوم نہ تھی۔ ہندوؤں کے نزدیک وید خدا کا کلام ہے جو برہما کے منہ سے نکلا ہے۔ برہمن اس کا مطلب سمجھے بغیر اس کو پڑھتے ہیں اور اسے زبانی یاد کرلیتے ہیں اور اسی طرح یہ ایک سے دوسرے کو منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ان میں سے بہت کم لوگ اس کی تفسیر جانتے ہیں اور ایسے لوگ تو بہت ہی کم ہیں جن کو ویدوں کے مطالب و مفاہیم اس طرح ازبر ہوں کہ وہ مناظرہ میں حصہ لے سکیں۔

برہمن چھتریوں کو وید کی تعلیم دیتے ہیں لیکن چھتریوں کو یہ اجازت نہیں کہ وہ کسی کو بھی‘ خواہ وہ برہمن ہی ہو‘ وید پڑھائیں‘ ویش اور شودروں کو وید سننے تک کی ممانعت ہے‘ اس کا پڑھنا اور قرات کرنا تو درکنار۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کسی ویش یا شودر نے وید پڑھا ہے تو اسے حاکم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور سزا کے طور پر اس کی زبان کاٹ دی جاتی ہے۔

ویدوں میں اوامر ونواہی کے علاوہ جزا اور سزا کا بھی بیان ہے تاکہ لوگوں کو اچھے کاموں کی رغبت اور برے کاموں سے پرہیز ہو۔ لیکن ان کا بڑا حصہ جگوں اور مختلف قسم کی آگ کی قربانیوں پر مشتمل ہے جن کی تعداد اتنی زیادہ اور وہ اتنی پیچیدہ ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔

وید حافظے کے ذریعے ایک نسل سے دوسری کو پہنچتے ہیں

ہندو ویدوں کو تحریر میں لانا جائز نہیں سمجھتے اس لیے کہ ان کی قرات ایک خاص

لحن کے ساتھ کی جاتی ہے اور تحریر میں لحن کو برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کے علاوہ ویدوں کو تحریر میں نہ لانے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مبادا تحریر میں عبارت میں کوئی کمی بیشی ہو جائے یا کوئی غلطی راہ پا جائے۔ اسی طرح بارہا ایسا ہوا ہے کہ وید لوگوں کے حافظہ سے محو ہو کر ضائع ہو گئے تھے۔

ہندوؤں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ گزشتہ دواپر یگ (زمانے) میں جب تمام دینی اور دنیاوی رسوم مٹیں تو ان کے ساتھ وید بھی مٹ گئے تھے۔ دواپر یگ کا ذکر ہم مناسب مقام پر کریں گے۔ پراشر کے بیٹے ویاس نے از سرنو وید کی تجدید کی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے زمانے سے کچھ قبل' کشمیر کے ایک ممتاز برہمن واسکرا نے ویدوں کو تحریر میں لانے اور ان کی تفسیر قلم بند کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا' اس ڈر سے کہ کہیں لوگ وید کو بھول نہ جائیں اور یہ ان کے حافظہ سے پوری طرح محو نہ ہو جائے اس نے ایک ایسا کام اپنے ذمے لیا جس سے اب تک ہر شخص کتراتا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ چونکہ لوگوں کے اخلاق دن بہ دن بد تر ہوتے رہے ہیں اور لوگوں کو نیک کام تو درکنار فرائض کی ادائیگی کی بھی توفیق نہیں ہوتی اس لیے ویدوں کو ضبط تحریر میں لانا ضروری ہو گیا ہے۔

ہندوؤں کا یہ بھی خیال ہے کہ وید کے بعض اجزا ایسے بھی ہیں جن کو عمارتوں کے اندر نہیں پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ اگر ایسا کیا گیا تو ڈر ہے کہ عورتوں اور جانوروں کے حمل گر جائیں گے۔ اس لیے وہ ان کو پڑھنے کے لیے کھلے میدان میں چلے جاتے ہیں۔ ویدوں کا شاید ہی کوئی اشلوک ایسا ہو جو اس قسم کی ہیبت ناکی سے خالی ہو۔

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں ہندوؤں کی کتابیں نظم میں ہیں جو عربی کے رجز سے مشابہ ہے۔ ان میں اکثر اس بحر (وزن) میں ہیں جسے اشلوک کہا جاتا ہے اس کا سبب ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں۔

لیکن وید اس مروجہ وزن میں نہیں ہیں۔ ان کا وزن اشلوک سے مختلف ہے۔ ہندوؤں کا کہنا ہے کہ اس طرح کی نظم کوئی اور نہیں لکھ سکتا لیکن ان کے علماء کہتے ہیں کہ ایسی نظم لکھی جا سکتی ہے لیکن ادب کے خیال سے ایسا نہیں کرتے۔

ویاس کے چار شاگرد اور چار وید

ایک روایت کے مطابق ویاس نے وید کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ رگ وید، یجروید، سام وید اور اتھرونا وید۔ ان چاروں کی قرات الگ الگ ہے۔ پہلا حصہ رگ وید، ایسے وزن میں ہے جس کو رگ کہا جاتا ہے جس کے ارکان غیر مساوی ہیں۔ اس کا نام رگ وید اس لیے رکھا گیا کہ یہ پورا کا پورا رگ وزن میں ہے۔ اس میں آگ کی قربانیوں کے احکامات ہیں اور اسے تین طرح سے پڑھا جاتا ہے۔ اس کی ایک پڑھائی تو وہ سیدھی سادی پڑھائی ہے جس طرح عام کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ اس کو پڑھنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہر ہر لفظ کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے۔ اس کو پڑھنے کا تیسرا طریقہ سب سے افضل مانا گیا ہے اور اسے اس طرح پڑھنے پر بہت ثواب ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا پڑھا جائے اس طرح کہ ہر لفظ صحیح طرح سے ادا ہو۔ پھر اس جملے کو اس طرح دہرایا جائے کہ اس کے ساتھ آگے کا بغیر پڑھا ہوا جملہ بھی ملا لیا جائے۔ اس کے بعد ملائے گئے جملے کو تنہا پڑھا جائے اور پھر اس جملے کو دہرایا جائے اور آگے کا ایک اور جملہ اس میں شامل کرلیا جائے اور اسی طرح خاتمے تک پڑھا جائے تا کہ ختم ہونے تک دو پڑھائیاں ہو جائیں۔

یجروید

یجروید کانڈن قسم کی نظم میں ہے۔ یہ ایک مشتق لفظ ہے جس کے معنی کانڈن کا مجموعہ ہے۔ اس کے (یجروید) اور رگ وید کے درمیان یہ فرق ہے کہ اسے اتصال اور روانی کے ساتھ سدھی کے اصولوں کے مطابق پڑھنا ممکن ہے۔ جب کہ رگ وید کو اس طرح پڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ آگ اور قربانی کے اعمال رگ وید کی طرح اس میں بھی بیان کیے گئے ہیں۔

سام وید اور اتھرونا وید

سام وید میں قربانیوں کے احکام کے علاوہ اوامر و نواہی کا بیان ہے اور اس کو گانے

یا ۰ مجھوں کے انداز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کا نام اسی لیے رکھا گیا ہے کیونکہ سام کے معنی ہیں خوش الحانی۔

اتھروید میں سمرتی کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ اس کی نظم پہلی دونوں ویدوں کی نظم سے مختلف ہے اور اس قسم کی نظم کو بھار کہتے ہیں۔ یہ ناک سے آواز نکالنے کے سے انداز میں پڑھی جاتی ہے۔ دوسرے ویدوں کے مقابلے اس کی طرف ہندوؤں کی توجہ کم ہے۔ لیکن اس میں بھی آگ کی قربانیوں کے علاوہ میت اور میت کے لیے جو احکام ہیں ان کو بیان کیا گیا ہے۔

پرانوں کی فہرست

پرانوں کے متعلق سب سے پہلے یہ بتا دینا چاہیے کہ لفظ پران کے معنی قدیم یا ابدی ہیں۔ پرانوں کی تعداد اٹھارہ ہے اور ان میں اکثر کے نام انسانوں' جانوروں اور فرشتوں کے نام پر رکھے گئے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں یا تو ان ہی انواع کے حالات بیان کیے گئے ہیں یا کتاب کے مضمون کا اس نوع سے کوئی تعلق ہے یا پھر ان کا دیا ہوا کسی سوال کا جواب اس میں موجود ہے۔

پران ان انسانوں کی تصانیف ہیں جو رشی کہلاتے ہیں۔ نیچے پرانوں کی ایک فہرست دی جاتی ہے۔ پرانوں کے ان ناموں کو میں نے معلوم کر کے لکھ لیا تھا۔

1- آدی پران یعنی سب سے پہلی
2- متیا پران یعنی مچھلی
3- کرما پران یعنی کچھوا
4- وراہا پران یعنی سور
5- نرسمہا پران یعنی شیر کے سر والا انسان
6- وامن پران یعنی بونا (پستہ قد)
7- وایو پران یعنی ہوا
8- نندا پران یعنی مہادیو کا خادم

9- سکند پران یعنی مہادیو کا بیٹا

10- آدتیہ پران یعنی سورج

11- سوما پران یعنی چاند

12- سامبا پران یعنی وشنو کا بیٹا

13- برہمانڈ پران یعنی آسمان

14- مارکنڈیہ پران یعنی ایک بڑا رشی

15- تارکشیہ پران یعنی ہما پرندہ

16- وشنو پران یعنی نارائن

17- برہما پران یعنی فطرت جو دنیا کی بقاء کی ذمے دار ہے

18- بھوشیہ پران یعنی مستقبل

ان تمام پرانوں میں سے میں نے متیا' آدتیہ اور وایو کے اجزاء کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا ہے۔

سمرتی کتب کی فہرست

سمرتی کتاب وید سے ماخوذ ہے۔ اس میں وید سے ماخوذ اوامر و نواہی درج کیے گئے ہیں۔ اس کو برہما کے مندرجہ بیس بیٹوں نے لکھا ہے:

1- ا-سمب 2- پراشر 3- ساتاتپ 4- سم ورت 5- دکش 6- وشنہ 7- انگی رس 8- یم 9-
وشنو 10- منو 11- بجنا والکیہ 12- اتری 13- ہارت 14- لکھیا 15- سانکھ 16- گوتم 17-
ورہسپتی 18- کاتیاین 19- ویاس 20- اسانس۔

ہندوؤں کے پاس' ان کتابوں کے علاوہ' اپنے مذہب کے فقہ' کلام' عبادات' الہیات اور دنیا سے نجات حاصل کرنے کی بہت سی اور بھی کتابیں ہیں۔ مثال کے طور پر تپسیا کرنے والے سادھو گوڑ کی کتاب جو انہیں کے نام سے مشہور ہے۔ یا الہیات کے موضوع پر کپل کی تصنیف سانکھیا یا نجات حاصل کرنے کے موضوع پر کتاب پاتن جلی جس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ روح معقولات کے ساتھ کس طرح ہم آہنگ اور

متحد ہو سکتی ہے۔ یا کپل ہی کی دوسری تصنیف نیائے بھاشا جو وید کی تفسیر ہے اور جس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وید مخلوق ہے۔ نیز وید کے مطابق فرائض و واجبات کے مختلف مدارج بھی بیان کیے گئے ہیں۔ یا جے منی کی تصنیف' ممامسا جو اسی موضوع پر ہے۔ یا برہسپتی کی لکھی ہوئی کتاب لوکایت جس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مباحث میں استدلال حواس سے کیا جانا چاہیے۔ اگستیا کی لکھی ہوئی کتاب اگستیامت جس میں مرقوم ہے کہ ہمیں مباحث میں حواس اور روایت دونوں سے کام لینا چاہیے۔ کتاب وشنو دھرم: اس میں لفظ دھرم سے مراد اجر یا جزا ہے لیکن جو عرف عام میں دین کے معنوں میں مستعمل ہے۔ کتاب کے معنی ہوئے خدا یعنی نارائن کا دین۔ پھر ویاس کے چھ شاگردوں کی کتابیں ہیں۔ ان چھ شاگردوں کے نام یہ ہیں۔

دیول' سکرا۔ بھاگو' ور ہسپتی' یگناوا لکیہ اور منو۔

ہندوؤں کے پاس ان کے علاوہ تمام علوم و فنون کی کتابیں ہیں۔ ان سب کے نام یاد رکھنا' خصوصاً ایسے شخص کے لیے جو اجنبی ہو' ناممکن ہے۔

مہابھارت

ہندوؤں کے پاس ایک کتاب اور ہے جس کی عزت و عظمت ان لوگوں کے دلوں میں اس درجہ ہے کہ وہ دعوا کرتے ہیں کہ جو کچھ دوسری کتابوں میں ہے وہ سب اس میں موجود ہے لیکن اس کتاب میں جو کچھ موجود ہے وہ کسی دوسری کتاب میں موجود نہیں۔ اس کتاب کا نام مہا بھارت ہے جس کو پراشر کے بیٹے ویاس نے پانڈو اور کورو کی اولاد کے درمیان ہونے والی عظیم جنگ کے زمانے میں لکھا تھا۔ اس کتاب کا نام خود اس زمانے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کتاب کے اٹھارہ حصوں میں ایک لاکھ اشلوک ہیں۔ اس کا ہر حصہ پرو کہلاتا ہے۔ ذیل میں ان پروؤں کی فہرست درج کی جاتی ہے۔

1- سبھا پرو یعنی بادشاہ کی قیام گاہ

2- آرانیہ یعنی پانڈو کی اولاد کی جلا وطنی

3- وراٹ۔ اس راجا کا نام جس کے ملک میں پانڈو روپوش تھے۔

4- ادیوگ یعنی لڑائی کی تیاری

5- بھیشم

6- درونا برہمن

7- کرن' سورج کا بیٹا۔

8- سالیہ دریودھن کا بھائی۔ یہ بڑے بہادر لوگ تھے جو یکے بعد دیگرے فوج کی قیادت سنبھالنے کے بعد مارے گئے۔

9- گدا یعنی گرز

10- سوپتک۔ یعنی سوتے ہوئے شخص کا قتل۔ جب درون کے بیٹے اشو تھاما نے پنچال شہر پر شب خوں مار کر وہاں کے باشندوں کو قتل کر دیا تھا۔

11- جل پردا تیکا یعنی مردے کو چھونے سے لگنے والی نجاست سے غسل کے ذریعے پاک ہونے کے بعد مردے کے نام پر ایک ایک چلو پانی ڈالنا۔

12- استری یعنی عورتوں کا رونا پیٹنا۔

13- شانتی۔ جو چوبیس ہزار اشلوکوں پر مشتمل ہے۔ یہ اشلوک دلوں کی کدورت کو دور کرنے کے بارے میں چار حصوں میں ہیں۔

(1) راج دھرم۔ بادشاہوں کا دھرم یا ثواب۔

(2) دان دھرم۔ یعنی صدقات کا ثواب

(3) پاد دھرم۔ ضرورت مند اور مصیبت زدہ لوگوں کا ثواب

(4) موکش دھرم۔ نجات یافتہ کا ثواب۔

14- اشومیدھ۔ اس گھوڑے کی قربانی جو فوج کے ساتھ دنیا میں گھمایا جاتا ہے۔ اس کے بعد اعلان کیا جاتا ہے کہ یہ تمام دیش ان کے بادشاہ کی ملکیت ہیں اور جو شخص اس کو ماننے سے انکار کرے وہ مقابلے کے لیے آئے۔ اس کے لید کرنے کی جگہ پر آگ کی قربانی دینے کے لیے برہمن اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔

15- موسال۔ یعنی واسو دیو کے قبیلے جادو کی باہمی خانہ جنگی۔

16- آشرم واس یعنی ترک وطن۔

17- پرستھان۔ نجات کی طلب میں ملک چھوڑنا۔

18- سورگا روہن۔ جنت کی طرف مراجعت

ان اٹھارہ حصوں کے بعد ہری ومس پرو کے عنوان سے ایک اور حصہ ہے جس میں واسو دیو کے حالات ہیں۔

اس کتاب میں بہت سے مقامات معمول کی طرح کے ہیں جن کے بہت سے مطلب لگائے جا سکتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے' اس بارے میں ہندو مندرجہ ذیل روایت بیان کرتے ہیں۔

"ویاس نے برہما سے ایک ایسا شخص مانگا جو مہا بھارت کو لکھتا جائے اور ویاس لکھواتا جائے۔ برہما نے ونایک کو یہ کام سونپا' جس کے بت کا سر ہاتھی کے سر کی شکل کا بنایا جاتا ہے اور یہ شرط کی کہ وہ بولنے میں رکے نہیں اور ویاس نے یہ شرط لگائی کہ وہی لکھے جسے وہ سمجھتا ہو۔ کتابت کے دوران ویاس ایسی عبارت درمیان میں بولتا گیا جس کو سمجھنے کے لیے کاتب غور کرنے پر مجبور ہوتا اور اس طرح ویاس کو تھوڑی دیر ستانے کا موقع مل جاتا۔

باب 13

صرف و نحو اور عروض کی کتابیں

صرف و نحو اور اوزان و بحور کا علم دوسرے علوم میں معاون ہوتا ہے۔ ہندو، ان دونوں علوم میں سے قواعد کو فضیلت دیتے ہیں۔ وہ اسے ویاکرن کہتے ہیں۔ یعنی کلام کو صحیح رکھنے اور تحریر و تقریر میں فصاحت و بلاغت پیدا کرنے کے اصول و قواعد۔ ہم مسلمان اس کو نہیں سیکھ سکتے کیونکہ یہ اس اصل (میری مراد زبان سے ہے) کی فرع یا شاخ ہے جو ہماری گرفت سے باہر ہے۔ اس فن کی جن کتابوں کے نام میں نے سنے ہیں وہ یہ ہیں:

آئندر: یہ کتاب فرشتوں کے سردار اندر کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔

چندر: چندر کی تصنیف ہے جو بدھوں کے سرخ لباس پہننے والے طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔

سکت: اس کتاب کا نام اس کے مصنف کے نام پر ہے جو قبیلہ ساکتائن کا تھا۔ لفظ ساکتائن اصل میں سکت سے ہی مشتق ہے۔

پانٹی: اس کتاب کا نام بھی مصنف کے نام پر ہے۔

کاتنتر: سرداورمن کی تصنیف ہے۔

سسی دیواورتی: اس کو سسی دیو نے لکھا ہے۔

درگاوی درتی

ششیاہتاورتی: اگر بھوتی نے تصنیف کی۔

راجا آنند پال اور اس کا اتالیق اگر بھوتی

مجھے معلوم ہوا ہے کہ اگر بھوتی' ہمارے زمانے کے راجا آنند پال (جو راجا جے پال کا بیٹا ہے) کا اتالیق اور معلم تھا۔ اس نے یہ کتاب لکھ کر کشمیر بھیجی لیکن وہاں کے لوگوں نے اپنی قدامت پسندی کی وجہ سے اس کی طرف اعتنا نہیں کیا۔ اگر بھوتی نے راجا سے اس کی شکایت کی۔ راجا نے شاگردی کا حق ادا کرنے کے لیے استاد کی خواہش پوری کرنے کا وعدہ کیا اور دو لاکھ درہم نقد اور اتنی ہی قیمت کے تحفے کشمیر بھیجے تاکہ اس کتاب کو پڑھنے والوں میں تقسیم کیے جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب لوگ اس کتاب کی طرف دوڑ پڑے اور اس کتاب کی نقل کرنے لگے جس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ یہ لوگ کتنے لالچی ہیں۔ بہرحال اس طریقے سے کتاب کی شہرت اور قدر بڑھ گئی۔

قواعد کے آغاز کے بارے میں روایت

علم صرف و نحو کے آغاز کے متعلق یہ لوگ یہ قصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک راجا جس کا نام سمل واہن تھا' جسے فصیح زبان میں ستواہن کہتے ہیں' ایک دن ایک تالاب میں اپنی رانیوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اس نے اپنی ایک رانی سے کہا "موداکم دیہی" یعنی مجھ پر پانی کی چھینٹیں نہ اڑاؤ۔ رانی سمجھی راجا نے "مودکم دیہی" کہا ہے یعنی میرے لیے مٹھائی لے آؤ۔ چنانچہ وہ گئی اور اس کے لیے مٹھائی لے آئی۔ جب راجا نے اس کی اس بات پر اعتراض کیا تو وہ غصہ میں راجا سے بدکلامی کرنے لگی۔ راجا کو بہت صدمہ پہنچا اور اس نے ہندوؤں کے رواج کے مطابق کھانا پینا ترک کر دیا اور گھر کے ایک کونے میں روپوش ہوگیا یہاں تک کہ ایک پنڈت اس کے پاس گیا اور اسے یہ کہہ کر منایا کہ میں لوگوں کو قواعد سکھاؤں گا۔ راجا سے رخصت ہوکر یہ پنڈت مہادیو کی خدمت میں دعا کرتا اور تسبیح پڑھتا حاضر ہوا۔ مہادیو اس کے سامنے ظاہر ہوئے اور اس کو صرف و نحو کے چند قواعد تعلیم کیے جیسے کہ ابوالاسواد الدولی نے عربی کے لیے بنائے تھے۔ دیوتا نے پنڈت سے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ اس علم کو مزید فروغ دینے میں بھی اس کی مدد کریں گے۔ پنڈت نے راجا کے پاس واپس آکر یہ قواعد اسے سکھائے اور اس طرح علم صرف و نحو کی ابتدا ہوئی۔

ہندوؤں میں نظم نگاری کا میلان

صرف و نحو کے بعد چھند کا فن ہے جو شعر کو موزوں کرنے کا علم ہے اور ہمارے عروض سے مشابہ ہے۔ ہندوؤں کے لیے یہ ایسا ضروری علم ہے جس سے وہ بے نیاز نہیں ہوسکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے ان کی تمام کتابیں نظم میں ہیں۔ نظم میں کتابیں لکھنے کا سبب یہ ہے کہ منظوم کتابیں آسانی سے یاد ہو جاتی ہیں اور بحث و مباحثہ کے وقت کتاب کو دیکھنے کی ضرورت شاذونادر ہی پڑتی ہے اور بیشتر حافظہ سے کام چل جاتا ہے۔ ہندوؤں کے مطابق انسان کا ذہن ان چیزوں کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہے جن میں نظم و آہنگ ہو اور ایسی چیزوں سے اجتناب کرتا ہے جن میں نظم و ترتیب نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ہندو اپنی نظم کے گرویدہ و شیدا ہوتے ہیں اور ہر وقت انہیں سنانے کے خواہش مند رہتے ہیں حالانکہ ان کا مطلب نہیں سمجھتے اور حاضرین بھی تالیاں اور چٹکیاں بجا بجا کر خوب داد دیتے ہیں۔ انہیں نثر کی طرف بالکل رغبت نہیں حالانکہ اس کو سمجھنا کہیں زیادہ آسان ہے۔

ان کی اکثر کتابیں اشلوکوں کے انداز میں ہیں' اور جن کی ہم آج مشق کررہے ہیں اور اقلیدس اور مجسطی کا ترجمہ ہندوؤں کے لیے نظم کررہے ہیں اور اسطرلاب کی تیاری کے بارے میں ایک رسالہ لکھوا رہے ہیں تاکہ یہ لوگ ان علوم سے واقف ہو جائیں۔ جب ہندوؤں کو کوئی ایسی کتاب ملتی ہے تو وہ اس کی عبارت کو فوراً اشلوکوں میں تبدیل کردیتے ہیں۔ ان اشلوکوں کا مطلب آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا کیوں کہ ضرورت شعری کی وجہ سے اس میں تکلف اور تصنع پیدا ہو جاتا ہے۔ اسکو ہم ان کے اعداد کے ذکر کے موقع پر زیادہ وضاحت سے بیان کریں گے۔ جب وہ ان مطالب کو اچھی طرح نظم نہیں کرسکتے تو لوگ ان کو قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہیں کہ یہ کیا نثر نما نظم گھڑ کر رکھ دی ہے اور بے چارہ مصنف اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا ہے۔ میں ان کے بارے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اللہ اس میں میرے ساتھ انصاف کرے گا۔

فن عروض کی کتابیں

اس فن کو پنگل اور چلت نے ایجاد کیا۔ اس مضمون پر متعدد کتابیں موجود ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور کتاب "گے ست" ہے جو اپنے مصنف کے نام پر ہے۔ یہ کتاب اتنی مشہور ہوئی کہ علم عروض کا نام بھی یہی پڑ گیا۔ دوسری کتابوں میں پنگل کی "مرگا لنچنا" اور اولیاند کی کتاب بھی بہت مشہور ہیں۔ میں نے ان میں سے کسی کتاب کو نہیں دیکھا ہے اور نہ "برہما سدھانت" کے اس باب سے واقف ہوں جو اس فن سے متعلق ہے۔ اس لیے میں ان کے عروض کے قوانین سے واقف ہونے کا دعوا نہیں کرسکتک۔ بایں ہمہ جو تھوڑا بہت علم اس مضمون کا ہم کو ہے اس سے کام لے کر ہم اس پر گفتگو کرتے ہیں اور پورا علم حاصل کرنے کے انتظار میں اس مضمون کو آگے کے لیے نہیں اٹھا رکھیں گے۔

ارکان (گن چند) کے شمار کرنے میں یہ لوگ بھی ساکن اور متحرک کی وہی صورتیں استعمال کرتے ہیں جو خلیل ابن احمد اور ہمارے دوسرے عروضیوں نے بتائی ہیں اور یہ علامتیں ہیں 1- اور او۔ اول الذکر لگھو یعنی خفیف ہے اور آخرالذکر ’گرو‘ یا ثقیل ہے۔ گرو کو لگھو کا دو چند شمار کیا جاتا ہے یعنی ایک ثقیل کی جگہ دو خفیف سے بھرتی ہے۔

اس کے علاوہ ایک رکن طویل یا لانبا ہے جس کو درگھا کہتے ہیں اور جو ایک گرو کے برابر ہیں۔ اس رکن میں ایک طویل حرکت ہے جیسے کا‘ کی‘ کو۔

ہم اب تک خفیف اور ثقیل کا حال ایسے یقین کے ساتھ نہیں سمجھ سکے ہیں کہ عربی میں اس کی مثال بتلا سکیں لیکن ظن غالب یہ ہے کہ پہلا یعنی خفیف ساکن نہیں ہے اور دوسرا متحرک اور ساکن کا مجموعہ ہے جیساکہ ہمارے عروض میں سبب ہے۔ یہ لوگ کئی خفیف کو ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں جب کہ عرب دو ساکن کو ایک جگہ جمع نہیں کرتے جب کہ دوسری زبانوں میں ایسا ممکن ہے۔

اگرچہ ابتدا میں ساکن حرف کا تلفظ مشکل ہے لیکن ہندوؤں کے زیادہ تر اسماء کی ابتدا ایسے حروف سے ہوتی ہے جو اگر ساکن نہیں تو خفیف ضرور ہیں۔ اگر شعر کا پہلا

لفظ ایسا ہوتا ہے تو وہ اس کو شمار نہیں کرتے کیوں کہ گروہ کی شرط یہ ہے کہ اس کا ساکن پہلے نہ آئے بلکہ بعد میں آئے۔

پھر، جس طرح ہمارے وہاں افاعیل سے مختلف بحریں مرتب کرلی گئی ہیں جن کے مطابق شعر کہا جاتا ہے اور ان کے ساکن اور متحرک کے لیے نشانات مقرر کر لیے ہیں اسی لیے ہندوؤں نے بھی ارکان بحر کے لیے کچھ نام مقرر کرلیے ہیں جن کی بنیاد لگھو اور گرد کی تقدیم و تاخیر پر رکھی گئی ہے لیکن ان کے ہاں ارکان کی تعداد کی کمی بیشی کے باوجود وزن ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے۔ یعنی ہر وزن کے لیے ایک مقررہ ناپ یا پیمائش ہے جس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہوتی البتہ حروف کی تعداد میں کم بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اس ناپ کے مطابق لگھوایک ماتر اور گرو دو ماتر کے برابر ہے۔ لکھے ہوئے حروف کی تعداد نہیں بلکہ ان کے پیمانے یا ناپ کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ جس طرح عربی میں تشدید یا تنوین میں دو دو حرف شمار ہوتے ہیں جب کہ لکھا ایک ہی جاتا ہے۔

لگھو اور گروہ کے الگ الگ متعدد نام ہیں۔ لگھو کا نام لا، کلی، روپ، کامر اور گرہ بھی ہے۔ اسی طرح گرو کو گا، نیورا، اور اردھ امسک بھی کہتے ہیں۔ اردھ امسک کا مطلب یہ ہے کہ پورن امسک دو گرو کے مساوی ہوتا ہے۔ یہ نام عروض کی کتابوں میں نظم کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ ان ناموں کی اتنی زیادہ تعداد اسی لیے رکھی گئی ہے کہ اگر ایک نام بحر میں نہ آتا ہو تو اس کی جگہ دوسرا نام نظم کردیا جائے۔

(اس کے بعد رکن کی تعریف بیان کی ہے اور ہری بھٹ کی لغت کی کتاب سے متعلقہ اقتباسات پیش کیے ہیں)

پد

جس طرح عربی اشعار دو نصف میں منقسم ہوتے یعنی عروض اور ضرب اسی طرح ہندی اشعار بھی دو حصوں میں ہوتے ہیں اور ہر حصے کو پد کہا جاتا ہے۔ ہر شعر کو تین یا چار پد میں تقسیم کیا جاتا ہے لیکن بعض اوقات درمیان میں پانچواں پد بھی بڑھا دیا جاتا ہے۔ پدوں میں قافیہ کا التزام نہیں ہوتا لیکن پہلے پد اور دوسرے پد کا آخری لفظ ایک ہی حرف ہوتا ہے اسی طرح تیسرے اور چوتھے کا بھی اور یہ ایک طرح کا قافیہ ہی معلوم

ہوتا ہے اور اسے آریہ کہتے ہیں۔ پد کے آخر میں گھو کو رگھو میں بدلا جا سکتا ہے اگرچہ عام طور پر پد کا خاتمہ گھو پر ہی ہوتا ہے۔

ہندوؤں کی منظوم کتابوں میں متعدد بحریں ملتی ہیں جس بحر میں پانچ پد ہوتے ہیں اس میں پانچواں پد تیسرے اور چوتھے پدوں کے درمیان رکھا جاتا ہے۔ بحروں کے نام ارکان کی تعداد کے مطابق مختلف ہوتے ہیں اس لیے کہ ہندو اس کو پسند نہیں کرتے کہ نظم کے تمام اشعار ایک ہی بحر میں ہوں۔ وہ ایک ہی نظم میں مختلف بحریں لاتے ہیں تاکہ ان کی نظمیں ایک مرصع ریشمی پارچے کی طرح رنگارنگ نقش و نگار سے آراستہ نظر آئیں۔

(اس کے بعد پدوں کی رکن شماری کا جو فرق عربوں اور ہندوؤں میں ہے اس کو بیان کیا ہے۔)

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب دوبارہ کہتا ہوں کہ میں اس فن کو اس حد تک نہیں جانتا کہ اس کو پوری طرح بیان کر سکوں لیکن بہرحال اس کو بیان کرنے کی امکانی کوشش کرتا ہوں۔

ورت کے بیان میں جس میں چار پد ہوتے ہیں

ایسی چار پد کی نظم جس کے حروف کی تعداد اور نشانات باہم مشابہ ہوں اور پدوں میں بھی یک گونہ مشابہت ہو، اس طرح کہ اگر ایک پد معلوم ہو جائے تو دوسرے تمام پد بھی معلوم ہو جائیں، ورت کہلاتی ہے۔ اس نظم میں یہ جائز نہیں کہ کسی پد کے حروف چار سے کم ہوں کیوں کہ وید میں کوئی پد اس سے کم یا چھوٹا نہیں آیا ہے۔ اس وجہ سے پد کے حروف کی تعداد کم سے کم چار اور زیادہ سے زیادہ چھبیس رکھی گئی ہے۔ نتیجہ میں ورت بحر کی 23 اقسام موجود ہیں جن کی تفصیل یہاں بیان کی جاتی ہے۔

(اس کے بعد البیرونی نے ورت کی 23 قسموں کو بیان کیا ہے)

ہم نے اس قدر محنت اس لیے کی ہے کہ اشلوک کے قواعد و ضوابط کی تفہیم ہو جائے کیونکہ ہندوؤں کی بیشتر کتابیں اشلوکوں کے طرز پر ہی ہیں۔

اشلوک کا نظریہ

اشلوک چار پد کی نظم ہے جس کے ہر پد میں آٹھ حروف ہوتے ہیں جو ہر پد میں مختلف ہوتے ہیں۔ ہر پد کا آخری حرف ایک ہی سا یعنی گرو ہوتا ہے۔ ہر پد کا پانچواں حرف لگھو اور چھٹا گرو ہوتا ہے۔ باقی حروف مصنف کی صواب دید یا ضرورت شعری کے مطابق ہوتے ہیں۔

(اس کے بعد برہم گیتا سے اقتباس پیش کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو اپنے شعری نظام میں حساب سے کس طرح کام لیتے ہیں۔ اقتباس کے آخر میں البیرونی نے اس بات پر اظہار افسوس کیا ہے کہ اسے مذکورہ بالا رسالے کا صرف ایک ہی صفحہ ل سکا۔ حاشیہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ "میرے خیال کے مطابق یونانیوں کا نظام شعر بھی ہندوؤں سے ملتا جلتا ہے۔")

باب 14

ہندوؤں کے دوسرے علوم' نجوم وغیرہ کی کتابیں

ہندوؤں کے علوم کی تعداد بہت زیادہ ہے اور جب ان علوم کی ترقی کے زمانے میں عوام الناس کی توجہ ان علوم کی طرف ہوتی ہے تو اس میں اور اضافہ اور ترقی ہوتی ہے۔ لوگ ان علوم اور ان کے عالموں کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور ان میں سب سے زیادہ حصہ ارباب حکومت کا ہے کیوں کہ یہی وہ لوگ ہیں جو عالموں کو ضروریات زندگی کی فکر سے چھٹکارا دے سکتے ہیں اور عالموں کو ان علوم کی ترقی اور فروغ کی کوششوں میں یکسوئی سے لگ جانے کی سہولتیں فراہم کرتے ہیں کیوں کہ علم کا حصول انسان کی سرشت میں داخل ہے۔

ہمارا زمانہ علم کی ترقی کا زمانہ نہیں ہے بلکہ ایک طرح سے اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہ زمانہ ایسا نہیں کہ کوئی نیا علم پیدا ہو یا کوئی نئی تحقیق سامنے آئے اور اس وقت جو تھوڑا بہت علم موجود ہے وہ گزرے ہوئے زمانے کی بچی کھچی یادگار ہے۔

جب دنیا میں کوئی علم یا نظریہ عام ہوتا ہے تو ہر قوم اس سے فائدہ اٹھاتی ہے اور اس میں اپنا حصہ پاتی ہے۔ ہندوؤں کو بھی ان علوم میں حصہ ملا ہے۔ زمانے کی الٹ پھیر کا ان کا نظریہ کوئی بہت بڑی بات نہیں بلکہ مشاہدے کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔

سدھانت کا بیان

علم نجوم ہندوؤں میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوؤں کے مذہبی معاملات کا علم نجوم سے متعلق ہے۔ ان میں جو شخص منجم بننا چاہتا ہے اس

ے لیے صرف نجوم جان لینا کافی نہیں، رمل سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ مسلمانوں ں جو کتاب سدھند کے نام سے مشہور ہے اس کا اصلی نام سدھانت ہے جس کے ی ہیں مستقیم یعنی جو کجی اور تغیر سے پاک ہو۔ وہ علم نجوم کی ہر معیاری کتاب کو دھانت کے نام سے ہی پکارتے ہیں۔ ان میں ایسی بعض کتابیں بھی شامل ہیں جن کا رتبہ ہمارے زیچ سے کم ہے۔ ان کے نزدیک سدھانت پانچ ہیں :

1- سوریہ سدھانت : یعنی سورج کا سدھانت جو لتا کا تیار کردہ ہے۔

2- وشسٹھ سدھانت : یہ بنات النعش کے ایک ستارے کی طرف منسوب ہے اور شنو چندر کا تیار کیا ہوا ہے۔

3- پلسا سدھانت : اس کا نام پولس نامی یونانی کے نام پر ہے جو سین ترا شہر کا رہنے والا تھا۔ میرے خیال میں سین ترا، اسکندریہ کا نام تھا۔ یہ سدھانت پولس کا صنیف کردہ ہے۔

4- رومکا سدھانت : اس کا نام روم کے نام پر ہے جس سے مراد سلطنت روم کے اشندے ہیں۔ اس کو سری شن نے تیار کیا ہے۔

5- برہما سدھانت : اس کا نام برہما کے نام پر ہے اور اسے جشنو کے بیٹے برہم گپتا نے بھلا مالا کے مقام پر تیار کیا تھا۔ یہ مقام ملتان اور انہلواڑہ کے درمیان آخرالذکر سے 16 یوجنا کی مسافت پر ہے۔

درہ میر نے چھوٹے حجم کی ایک زیچ مرتب کی ہے۔ اس کا نام پنچ سدھانت ہے س کا مطلب یہ ہے کہ اس میں مذکورہ بالا پانچوں سدھانتوں کا نچوڑ شامل ہے لیکن ایسا یں ہے۔ اور نہ یہ ان پانچوں سے بہتر اور صحیح تر ہے۔ اس لیے اس نام کا صحیح مطلب س کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ سدھانت کی تعداد پانچ ہے۔ مجھے اب تک پولسا اور برہما پتا کی کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں میں سے کوئی بھی نہیں ملی ہے۔ میں نے ان کا رجمہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ میں یہاں برہما سدھانت کے ابواب کی فہرست درج کرتا وں کیونکہ یہ مفید اور معلوماتی ہے۔

برہما سدھانت کے 24 ابواب کی فہرست :

1- زمین کی ماہیت اور آسمان و زمین کی شکل

2- ستاروں کی گردش، وقت کا حساب یعنی مختلف طول البلد اور عرض البلد کے اوقات کا حساب لگانا، سیاروں کے وسطی مقامات اور قوسوں کے جیوب معلوم کرنا۔

3- سیاروں کے مقامات کی تصحیح۔

4- تین مسائل کا بیان یعنی سایے کو معلوم کرنا، دن کے گزرے ہوئے حصے کا پتہ چلانا اور طالع کو دریافت کرنا اور ایک کی بنیاد پر دوسرے کا پتہ چلانا

5- سورج کی کرنوں سے دور ہو کر ستاروں کا ظاہر ہونا اور سورج کی روشنی میں نظروں سے اوجھل ہو جانا۔

6- رویت ہلال اور اس کے دونوں قرن

7- چاند گرہن

8- سورج گرہن

9- چاند کے سائے کا بیان

10- ستاروں کا اجتماع اور ملاپ

11- ستاروں کا عرض البلد

12- کتابوں اور زائچوں کے مضامین کو جانچنا اور ان کے صحیح اور غلط ہونے کا اندازہ لگانا

13- حساب کتاب اور پیمائش میں حساب سے کام لینا

14- سیاروں کے وسطی مقامات کا تعین

15- سیاروں کے مقام کا صحیح تعین

16- تین سوالوں (باب 4) کا صحیح تعین

17- گرہن کے انحرافات

18- رویت ہلال اور اس کے دو قرنوں کی علمی توجیہہ۔

19- کٹ ٹکا یعنی پیسنا کسی چیز کی صحت کے بارے میں یقین حاصل کرنے کو تلوں کو پیس کر تیل نکالنے سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی ہر کام میں انتہائی دقت نظر سے نام

لینا۔ اس باب میں الجبرا اور دوسرے متعلقہ مضامین کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ریاضی سے متعلق بھی بہت سی مفید معلومات اس باب میں موجود ہے۔

20- سایے کا بیان
21- شعر کے اوزان کا حساب
22- گردشیں اور ان کے مشاہدے کے آلات
23- وقت اور وقت کے چار پیمانے شمسی، طلوعی، قمری اور منزلی
24- اعداد کی علامتیں جو منظوم کتابوں کے ارقام میں استعمال ہوتی ہیں

مصنف کے بیان کے مطابق کتاب میں مندرجہ بالا چوبیس ابواب ہونا چاہیے تھے لیکن کتاب میں ایک پچیسواں باب بھی ہے جس کا نام دھیان گرہ ادھیائے ہے جن میں ان مسائل کو حساب کے ذریعے نہیں قیاس و فکر کے ذریعے حل کیا گیا ہے۔ میں نے اس باب کو اس فہرست میں اس لیے شامل نہیں کیا ہے کہ مصنف کے پیش کردہ مزعومات حساب سے غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔ میرے خیال میں مصنف نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ نجوم کے طریق کار کے برعکس، عقلی گدوں سے تعبیر کیے جا سکتے ہیں کیوں کہ اس فن کا کوئی مسئلہ بھی ریاضی کے بغیر حل نہیں کیا جا سکتا۔

تانتر اور کرن کی کتابیں

جو کتابیں سدھانت کے معیار پر پوری نہیں اترتیں۔ ان کو تانتر یا کرن کہا جاتا ہے۔ تانتر اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی عامل کی ماتحتی میں کام کرے۔ کرن' کے معنی اتباع کرنے والا ہے۔ یعنی یہ کتابیں سدھانت کی پیروی کرتی ہیں اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کتابوں کے مصنف جو آچاریہ یعنی عالم و زاہد لوگ ہیں، برہما کے تابع ہیں۔

آریہ بھٹ اور بل بھدر کے لکھے ہوئے دو مشہور تانتر ہیں۔ برہما گپتا کا تانتر جس کا نام "کرانا کھانڈ کھاڈیہ کا"' اس کے علاوہ ہے۔ کھانڈ ایک قسم کی شکر کو کہتے ہیں۔ اس کتاب کا یہ نام کیوں رکھا گیا۔ اس کے بارے میں، میں نے یہ سنا ہے: سگریو بدھ

نے ایک زیچ بنایا جس کا نام ددھی ساگر' یعنی دہی کا سمندر رکھا اس کے ایک شاگرد نے بھی ایک زیچ بنایا اور اس کا نام کرا بابایا' یعنی چاول کا پہاڑ رکھا۔ اس کے بعد اس نے ایک اور رسالہ تصنیف کیا اور اس کا نام "لون مشتی' یعنی مٹھی بھر نمک رکھا۔ اس لیے برہما گپتا نے اپنی کتاب کا نام مٹھائی' کے نام پر رکھا تاکہ کھانوں کی فہرست مکمل ہو جائے۔ "کرانا کھانڈ کھادیہ کا" میں اریہ بھٹ کے اصول کی ہی ترجمانی کی گئی ہے۔ اس کے بعد برہما گپتا نے ایک اور کتاب "اترا کھانڈ کھادیہ کا" لکھی جو' "کھانڈ کھادیہ کا" کی شرح ہے۔ پھر ایک اور کتاب لکھی جس کا نام' "کھانڈ کھادیہ کا ٹپا" ہے جس کے متعلق مجھے وثوق سے نہیں معلوم کہ یہ برہما گپتا ہی کی تصنیف ہے یا کسی اور کی۔ اس میں "کھانڈ کھادیہ کا" کے اعداد اور ریاضی کے دوسرے عملوں کی توجیہ و تشریح بیان کی ہے۔ میرے خیال میں' بل بھدر' کی تصنیف ہے۔

اس کے علاوہ ایک زیچ بنارس کے وجیا نندن مفسر کی بھی ہے جس کا نام "کرانا تلک" یعنی کرانوں کی پیشانی کی چمک ہے۔ ایک اور زیچ بھادت (مہدت) کے بیٹے یعنی ناگپور کے و تیشور کی تصنیف کردہ بھی ہے جس کا نام "کرانا سار" یعنی کرانا سے مسبط ہے۔ ایک اور تصنیف' "کرانا پارا تلک" ہے' اس کے ذریعے ایک سیارے کے مقام کا پتہ دوسرے سیارے کے مقام سے لگایا جا سکتا ہے۔ اسکا مصنف بھانو ویاس ہے۔

اتپالا کشمیری کی بھی ایک کتاب اس موضوع پر ہے۔ اس کا نام "راہن راکرن" ہے یعنی کرن کو توڑنے والی۔ اور دوسری کتاب "کرن پات" یعنی کرن کا قتل ہے۔ پھر ایک کتاب "کرن چوڑامنی" ہے لیکن اس کے مصنف کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ اس موضوع پر اور بھی کتابیں ہیں مثلاً عظیم مانس' جو منو کی تصنیف ہے اور جس کی شرح اتپالا نے لکھی ہے۔

چھوٹا مانس' جو اول الذکر کی تلخیص ہے پنکالا (۵) سے منسوب ہے۔

دساگی تکا' مصنفہ آریہ بھٹ اور اسی مصنف کی آریا شاستا

لوکانندا' جو اپنے مصنف کے نام پر ہے۔

بھیلا' برہمن . بھیلا کی تصنیف ہے۔

اس قسم کی کتابوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ شمار سے باہر ہے۔

مل کی کتابیں

رمل کی کتابوں میں مندرجہ ذیل مصنفین کی سمہتائیں ہیں۔

مانڈویا پراشر' گرگا' برہمن' بل بھدر' دو یا تو' ورہ میر' سمہتا' سے مراد ایسے موعے ہیں جن میں تھوڑا تھوڑا بیان ہر فن کا ہو مثلاً سفر کے بارے میں پیش گوئیاں' لطنتوں کے عروج و زوال کے بارے میں پیش گوئیاں' مسعود و منحوس کی پہچان' ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ کر مستقبل کے بارے میں حکم لگانا' خوابوں کی تعبیر اور پرندوں کی اڑان ور آوازوں سے شگون لینے کے احکام۔ ہندوؤں کے علماء ان چیزوں پر عقیدہ رکھتے یں۔ اس لیے ان کے نجومیوں کا یہ دستور ہے کہ وہ ان سمہتوں میں دنیا میں ہونے الے واقعات کا علم اور سیاروں کے اثرات کا علم ایک ہی جگہ جمع کر دیتے ہیں۔

اسی طرح مندرجہ ذیل مصنفوں میں سے ہر ایک نے جاتکاؤں یا زائچوں پر بھی تابیں لکھی ہیں۔

پراشر' سیہ' مسما' جیوا سرمن' یونانی منو۔

ورہ میر نے اس موضوع پر دو کتابیں لکھی ہیں۔ ایک بڑی اور ایک چھوٹی۔ بل ھدر نے بڑی کتاب کی شرح لکھی ہے اور چھوٹی کتاب کو میں نے عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ ورہ میر کی بعض اور چھوٹی کتابیں بھی ہیں مثلاً شٹ پنکا سکا جس میں نجوم کے سائل پر چھپن ابواب میں اور ہورا پنکا ہوتریار (۵) یہ بھی اسی موضوع پر ہے' گایاترا' میں سفر کی مبارک ساعتوں اور دوسرے احکام ہیں' تکانی یاترا' بھی اسی موضوع پر ہے دواہ پٹالا' میں شادیوں کے احکام ہیں۔ عمارتوں کے متعلق بھی ایک کتاب ہے لذا)' سرودھو' میں چڑیوں کی اڑانوں اور آوازوں سے شگون لینا اور کتاب میں سوئی بھو کر فال لینے کا بیان ہے۔ اس کتاب کے تین مختلف نسخے ہیں۔

ب کی کتابیں

علم طب کا مرتبہ بھی علم نجوم کے برابر ہے لیکن فرق یہ ہے کہ نجوم کو ہندوؤں

کے مذہب میں بھی بڑا دخل ہے۔ علم طب میں ہندوؤں کے پاس ایک کتاب ہے جو اپنے مصنف چرک کے نام سے مشہور ہے۔ یہ لوگ اس کتاب کو اپنی تمام طبی کتابوں سے افضل مانتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ چرک گزشتہ دواپر یگ (زمانے) میں ایک رشی تھا جس کا نام اگنی ویش تھا۔ اس کا نام چرک اس وقت پڑا جب اس نے سوتر کی اولاد میں سے چند رشیوں سے طب سیکھ لیا۔ ان رشیوں نے یہ علم اندر سے سیکھا تھا۔ اندر کو دیووں کے طبیب اسون سے اور اسون کو پرجاپتی یعنی برہما سے حاصل ہوا تھا جو انسانوں کے جد ہیں برامکہ کے شہزادوں کی تعلیم کے لیے اس کتاب کا عربی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

پنچ تنتر

ہندوؤں نے اور بھی بہت سے علوم و فنون میں کمال حاصل کیا ہے اور ان کے یہاں ان علوم و فنون کی بے شمار کتابیں ہیں۔ لیکن میں اپنی کم علمی کے باعث ان سے واقفیت حاصل نہیں کرسکا۔ میری خواہش ہے کہ کاش میں کتاب پنچ تنتر کا ترجمہ کرسکتا۔ یہ کتاب ہم لوگوں میں "کلیلہ ودمنہ" کے نام سے مشہور ہے۔ متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے جیسے عربی، فارسی اور ہندی میں۔ لیکن یہ ترجمے ایسے لوگوں نے کیے ہیں جن میں متن میں تحریف کر دینے کا قوی شبہ ہے۔ مثلاً عبداللہ ابن مقفع نے اس میں برزویہ کا باب محض اس لیے بڑھا دیا تاکہ کمزور عقیدے کے لوگوں کے دل میں شبہات پیدا ہو جائیں اور ان کو منشائیہ عقائد اختیار کرنے کی دعوت دی جا سکے۔ جب اس نے اپنی طرف سے اضافہ کرنے تک سے گریز نہیں کیا تو متن میں تحریف کر دینا تو اس کے مقابلے میں ایک معمولی سی بات ہے۔

باب 15

ہندوؤں کے اوزان اور پیمانوں کا بیان

تاکہ کتاب میں مذکور پیمائشوں کے سمجھنے میں آسانی ہو

ہندوؤں کا تولنے کا طریقہ

گننا انسان کے لیے ایک طبعی امر ہے۔ کسی چیز کی مقدار اس طرح ہوتی ہے کہ اسے اسی طرح کی دوسری چیز' جسے عام منظوری سے اکائی سمجھ لیا گیا ہو' کے مقابلے میں رکھا جائے۔ اس طرح اس چیز اور دوسری چیز کے مابین جو فرق ہے وہ معلوم ہو جائے گا۔

تولنے سے' وزن دار چیزوں کے ثقل کی مقدار' یعنی وزن کا اندازہ' ڈنڈی کے سیدھے رہنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ ہندوؤں کو ترازو کی بہت کم ضرورت پڑتی ہے کیوں کہ ان کے درہموں کا شمار عدد سے ہوتا ہے وزن سے نہیں اور ان کے پیسے بھی گن کر بتائے جاتے ہیں کہ ان کے اتنے "فلو" ہوئے لیکن ان درہموں اور دوسرے سکوں کی شناخت ہر شہر میں الگ الگ ہے۔ ہندو سونے کو صرف اس وقت تولتے ہیں جب وہ اپنی طبعی حالت میں ہو یا پھر زیوروں اور برتنوں کی شکل میں ہو۔ لیکن اگر وہ سکوں کی شکل میں ہو تو اس کو تولا نہیں جاتا۔ سونے کے وزن کے لیے ہندو جو پیمانہ استعمال کرتے ہیں اسے سورن کہتے ہیں۔ ایک سورن 17 تولے کے برابر ہوتا ہے۔ ہندو تولے کا استعمال اسی کثرت سے کرتے ہیں جس طرح ہم لوگ "مثقال" کا۔ ہندوؤں

سے مجھے جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کے مطابق ایک تولہ ہمارے ان تین درہموں کے برابر ہے جن کے دس درہم سات مثقال کے ہوتے ہیں۔ اس حساب سے ان کا ایک تولہ ہمارے 2 1/10 مثقال کے برابر ہوتا ہے۔ تولے کے بڑے اجزا ماشہ ہیں۔ ایک تولے میں بارہ ماشے ہوتے ہیں اور ایک سورن سولہ ماشے کا ہوتا ہے۔

مزید ماشہ برابر ہے 4 انڈی (ارنڈ) کے جوگور نامی پیڑ کا بیج ہے۔

1 انڈی برابر ہے 4 یوا جو کے
1 یوا برابر ہے 6 کل کے
1 کل برابر ہے 4 پاڑ کے
1 پاڑ برابر ہے 4 مدری (۵) کے

چوں کہ تول کی یہ اکائی حقیقی نہیں ہے بلکہ عام منظوری سے مقرر کرلی گئی ہے اس لیے اس کو عملی اور قیاسی طور پر مزید اجزا میں بھی تقسیم کرلیا جاتا ہے۔ اس کے اجزا ایک ہی زمانے میں مختلف مقامات پر الگ الگ ہوتے ہیں اور ایک ہی ملک میں مختلف زبانوں میں مختلف اجزا رائج رہے ہیں۔ پھر مختلف مقامات میں کبھی زبان میں ہونے والی تبدیلیوں کی وجہ سے اور کبھی محض اتفاقا” ان کے نام بھی بدلتے رہتے ہیں۔

سومنات کے اطراف کے ایک شخص نے مجھے بتایاکہ ان کا مثقال ہمارے مثقال کے برابر ہے۔

ایک مثقال = 8 رواد = ایک یوا = دو پلی
ایک پلی = سولہ یوا (یعنی جو کے دانے)
چنانچہ ایک مثقال = آٹھ یوا = سولہ پلی = 256 یوا

(اس سلسلے میں ورہ میر اور چرک سے اقتباسات پیش کیے ہیں اور اول الذکر نے بتوں کی جو ناپ اور پیائش مقرر کی ہیں ان کا ذکر کیا ہے)

ہندوؤں کا ترازو

ہندو جس ترازو کو چیزوں کا وزن کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں وہ قرسطیوں

CHARISTONES کی قسم کے ہوتے ہیں جن میں وزن کا پلڑا غیر متحرک ہوتا ہے اور وہ پلڑا جس پر وہ چیز رکھی جاتی ہے حرکت کرتا ہے۔ اس کے ابتدائی تول ایک سے پانچ تک کا وزن بناتے ہیں اور اسکے بعد دس دس بڑھتا جاتا ہے یعنی 10، 20، 30 وغیرہ ہندوؤں کے یہاں ایک باٹ کو بھار کہا جاتا ہے۔ اس کا ذکر سندھ کی فتوحات کے بیان میں آتا ہے۔ ایک بھار دو ہزار پل کے برابر ہوتا ہے کیوں کہ ایک بھار 200 پل کا سو گنا (200x100) ہوتا ہے جو تقریباً ایک بیل کا بوجھ ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے اوزان کے متعلق مجھ کو اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے۔

خشک چیزوں کا ناپ

ناپ کے ذریعے چیزوں کا حجم معلوم کیا جاتا ہے۔ اس طرح کہ جس برتن سے ناپ کیا جاتا ہے وہ اس چیز سے پوری طرح بھر جائے اور چاہے گرا کر ڈالیں یا ہاتھ سے دبائیں کسی حال میں بھی مزید بھرنے کی گنجائش نہ رہے۔ جب ایک ہی جنس کی دو چیزیں ایک ناپ کی ہوں گی تو دونوں کا حجم اور وزن ایک ہی ہوگا لیکن اگر وہ چیزیں مختلف جنس کی ہوں تو جسامت میں برابر ہوں گی وزن میں نہیں۔

ان کا ایک ناپ بی سی (سی بی؟) ہے جس سے قنوج اور سومنات کا ہر باشندہ واقف ہے۔

قنوج کے لوگوں کے مطابق:

4 بی سی = اپرستھا

1/4 بی سی = ایک کداوا

سومنات کے لوگوں کے مطابق

16 بی سی = 1 پسٹی

12 پسٹی = 1 مورو

فاصلوں کی پیمائش

خطوط کے ذریعے فاصلے اور سطح کے ذریعے رقبہ کی پیمائش کو مساحت کہتے ہیں۔

کسی میدان کا رقبہ نکالنے کے لیے اس کے جز کو پیمانہ بنانا چاہیے لیکن یہ کام خطوط کے ذریعے بھی نکالا جاتا ہے کیوں کہ خط کی پیمائش کرکے بھی رقبہ نکالا جا سکتا ہے۔

(اس کے بعد ورہ میر کے مقرر کیے ہوئے مسافت کے ناپ کی اکائیوں کا ذکر کیا ہے جو ذیل میں درج ہیں۔)

8 متصل جو = ایک انگل
4 انگل = ایک رم یا مشت (مٹھی)
24 انگل = 1 ہاتھ
4 گز = 1 دھنو (کمان)
40 کمان = 1 نالوہ
25 نالوہ = 1 کروش (کروہ)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک کروہ میں 4000 گز ہوتے ہیں اور ہمارے میل میں بھی اسی قدر گز ہوتے ہیں اس لیے ایک میل ایک کروہ کے برابر ہوا۔ پلس یونانی نے بھی اپنی تصنیف کردہ سدھانت میں ایک کروہ کو چار ہزار گز کا بتایا ہے۔

ایک گز دو مقیاس کے مساوی ہے یعنی 24 انگل کے برابر کیوں کہ ہندو سنکو، مقیاس کا اندازہ بت کی انگلیوں سے کرتے ہیں۔ وہ انگلی کو مقیاس کا بارھواں حصہ قرار نہیں دیتے۔ ان کا مقیاس ہمیشہ ایک بالشت کے برابر ہوتا ہے اور بالشت وہ فاصلہ ہے جو ہتھیلی اور انگلیوں کو ممکنہ حد تک پھیلانے کے بعد انگوٹھے اور چھوٹی انگلی کے سروں کے درمیان ہوتا ہے۔ بالشت کو وستی اور کشکو بھی کہتے ہیں۔

اسی طرح دوسری انگلی اور انگوٹھے کے درمیان کا فاصلہ کربھ کہلاتا ہے۔ یہ 2/3 بالشت کے برابر شمار کیا جاتا ہے۔ بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان کے فاصلے کو تال کہتے ہیں۔ ہندوؤں کا کہنا ہے کہ ہر شخص کا قد اس کے تال سے آٹھ گنا ہوتا ہے، خواہ بڑا قد ہو یا چھوٹا۔ اسی طرح ان کے خیال میں پیر قد کے ساتویں حصے کے برابر ہوتا ہے۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ کروش ہمارے ایک میل کے برابر ہوتا ہے تو قاری کو یہ

بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ ہندوؤں کے یہاں فاصلے ناپنے کا ایک پیمانہ یوجن بھی ہے۔ یوجن آٹھ میل یا 32000 گز کا ہوتا ہے۔

یوجن اور فرسخ کا تناسب

بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ کروہ ایک فرسخ کا چوتھائی ہے اور کہتے ہیں کہ ہندوستان کا فرسخ 16000 گز کا ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ دراصل ایک کروہ نصف یوجن کے برابر ہوتا ہے۔ فرازی کی زیچ میں زمین کا محیط اسی پیمانے سے متعین کیا گیا ہے اسی یوجن کو اس نے جمع کے صیغے میں اجوان کہا ہے۔

محیط اور قطر کا تناسب

ہندوؤں میں یہ بات فرض کرلی گئی ہے کہ کسی دائرہ کا محیط اس کے قطر کا تین گنا ہوتا ہے۔ مالیہ پران میں سورج اور چاند کا قطر جوزنوں میں بیان کرنے کے بعد بتایا گیا ہے کہ "محیط قطر کا تین گنا ہوتا ہے۔"

(اس کے بعد البیرونی نے مالیہ پران سے اقتباسات پیش کیے ہیں۔ آدتیہ پران اور وایو پران کے اقتباسات بھی نقل کیے ہیں۔)

باب 16

ہندوؤں کے رسم الخط، حساب، کتاب کے طریقوں اور ان کے بعض عجیب و غریب رواجوں کا بیان

زبان بولنے والے کے خیالات کو سننے والے تک پہنچاتی ہے۔ اس لیے زبان کا کام کچھ ہی دیر رہتا ہے اور زبان یا گفتگو کے ذریعے ماضی کے واقعات و اخبار کو دوسری نسلوں تک پہنچانا ممکن نہیں۔ خصوصاً اس وقت جب ان واقعات کو بہت زیادہ عرصہ گزر چکا ہو۔ اب یہ اس لیے ممکن ہو سکا کہ انسان کے ذہن نے تحریر کے فن کو ایجاد کرلیا جو ہوا اور ارواح کی طرح ایک مقام سے دوسرے مقام اور ایک زمانے سے دوسرے زمانے کی طرف ان احوال و اخبار کو منتقل کر دیتی ہے۔ پس تمام تعریف اس ذات کے لیے ہے جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا اور جو مخلوق کے امور کو بہتر سے بہتر بناتا رہتا ہے۔

لکھنے کا مختلف قسم کا سازوسامان

ہندوؤں میں قدیم یونانیوں کی طرح چمڑے پر لکھنے کا رواج نہیں ہے۔ سقراط سے جب پوچھا گیا کہ آپ کتابیں کیوں نہیں لکھتے، تو اس نے جواب دیا "میں علم کو انسان کے زندہ دلوں سے بھیڑوں کی مردہ کھالوں پر منتقل کرنا نہیں چاہتا۔" مسلمان بھی ابتدائے اسلام میں کھالوں پر لکھتے تھے۔ خیبر کے یہودیوں کے ساتھ ہونے والا معاہدہ اور نبی صلعم کا کسریٰ کے نام خط چمڑے پر لکھے گئے تھے۔ قرآن کے نسخے بھی ہرن کی کھال پر لکھے گئے تھے اور تورات اب بھی اسی پر لکھی جاتی ہے۔ قرآن کی چھٹی

سورت کی 91ویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وہ اس کے قرطاس بناتے ہیں۔" قرطاس مصر میں پیپرس کے گودے سے بنایا جاتا ہے۔ ہمارے زمانے سے کچھ پہلے تک خلفاء کے فرمان اسی پر جاری ہوتے تھے۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ اس پر لکھی گئی تحریر کو مٹایا اور بدلا نہیں جا سکتا کیوں کہ ایسا کرنے سے یہ خراب ہو جاتا ہے۔ کاغذ سب سے پہلے اہل چین نے بنایا پھر چینی قیدیوں کے ذریعے سمرقند اور رفتہ رفتہ دوسرے مقامات پر کاغذ سازی کا فن متعارف ہوگیا اور ہر جگہ ضرورت کے مطابق کاغذ بنایا جانے لگا۔

ہندوستان کے جنوبی حصہ میں کھجور کی قسم کا پھل دار درخت ہوتا ہے جس کے پتے ایک گز لمبے اور تین ملی ہوئی انگلیوں کے برابر چوڑے ہوتے ہیں۔ اس کے پتوں کو تاڑ (تاڑ) کہا جاتا ہے اور ہندو ان پتوں پر لکھتے ہیں۔ پتوں کی اس کتاب کو ایک دھاگے میں پرو دیتے ہیں۔ یہ دھاگا ان اوراق (پتوں) کو یکجا رکھتا ہے۔ وسطی اور شمالی ہندوستان میں توز نامی پیڑ کی چھال استعمال ہوتی ہے اسے بھوج کہتے ہیں۔ یہ لوگ اس کے ایک ہاتھ لمبے اور پھیلی ہوئی انگلیوں کے برابر چوڑے ٹکڑے لے کر انہیں مختلف طریقوں سے تیار کرتے ہیں۔ مثلاً تیل لگا کر یا صیقل کر کے انہیں سخت یا چکنا کر لیتے ہیں اور پھر ان پر لکھتے ہیں اور ہر ٹکڑے پر نمبر شمار ڈالتے جاتے ہیں۔ پوری کتاب کو دو تختیوں میں دبا کر ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جاتا ہے۔ یہ کتابیں پوتھیاں کہلاتی ہیں۔ ہندو اپنے خطوط اور دوسری تحریریں بھی توز کی چھال پر ہی لکھتے ہیں۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ہندوؤں کی ایک روایت کے مطابق ایک بار ان کا رسم خط مٹ گیا تھا اور لوگ اسے بھول گئے تھے۔ کوئی اس طرف توجہ نہیں کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ان پڑھ ہوگئے اور جہالت کی دلدل میں پھنس گئے اور ہر طرح کے علم سے بے بہرہ ہوگئے۔ آخرکار پراشر کے بیٹے ویاس نے الہام کے ذریعے پچاس حروف کو پھر سے دریافت کیا۔ ان حروف کو اکشر کہتے ہیں۔

ہندوؤں کے حروف تہجی

بعض ہندوؤں کا خیال ہے کہ ابتدا میں ان کے حروف کی تعداد کم تھی لیکن رفتہ

رفتہ ان کی تعداد میں اضافہ ہو تا گیا۔ یہ بات قرین قیاس ہی نہیں یقینی ہے۔

ہندی حروف کی تعداد زیادہ ہو گی کہ ایک ہی حرف کی کئی مختلف صوتی شکلوں کے اظہار کے لیے الگ الگ اعراب اور نشانات مقرر ہیں۔ پھر اس میں ایسے حروف بھی ہیں جو دوسری زبانوں میں اس طرح موجود نہیں ہیں اور ان کا مخرج ایسا ہے کہ ہمارے آلات نطق (زبان اور حلق) ان کو ادا کرنے سے قاصر ہیں' بلکہ اکثر اوقات ہمارے کان بھی ان کے دو حرفوں کے درمیان فرق نہیں کر پاتے ہیں۔

ہندو یونانیوں کی طرح بائیں جانب سے دائیں جانب کی طرف لکھتے ہیں۔ وہ عربوں کی طرح سطر کے نہج پر نہیں لکھتے کہ حروف کا سر اوپر رہے اور دم نیچی رہے۔ عربی تحریر کے برعکس ان کی سطر اوپر کی جانب ہوتی ہے یعنی ہر حرف کے اوپر ایک لکیر کھینچی جاتی ہے اور ہر حرف اس لکیر سے لٹکا ہوا نظر آتا ہے اور اسی لکیر کے نیچے لکھا جاتا ہے۔ اس لکیر کے اوپر صرف ماتراؤں کے نشانات یا اعراب ہوتے ہیں۔

ہندوؤں کے علاقائی رسم خط

ہندوؤں کا سب سے مشہور رسم خط' سدھا ماترک' کہلاتا ہے جس کی ایجاد' بعض لوگوں کے خیال کے مطابق' کشمیر میں ہوئی۔ یہ خط کشمیر میں مستعمل ہے۔ بنارس میں بھی یہی خط استعمال کیا جاتا ہے۔ بنارس اور کشمیر ہندوؤں کے علوم کے دو بڑے مرکز ہیں۔ یہ رسم خط مدھیہ دیس یعنی ملک کے وسطی حصے میں بھی رائج ہے۔ مدھیہ دیس قنوج کے آس پاس کا علاقہ ہے جسے آریہ ورت بھی کہتے ہیں۔

مالوہ میں دوسرا خط مستعمل ہے جسے ناگر کہتے ہیں۔ اس خط میں حروف کی شکلیں اول الذکر خط سے مختلف ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک رسم خط اور ہے جسے اردھ ناگری یا نیم ناگر کہا جاتا ہے۔ یہ خط مذکورہ دونوں خطوں سے مل کر بنا ہے اور . بھیبا اور سندھ کے کچھ حصوں میں مستعمل ہے۔

دوسرے مروجہ خطوں میں مالواڑی خط ہے جو مالوشو علاقے میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ جنوبی سندھ کا ساحلی علاقہ ہے۔ ایک اور خط سیندھو جو المصورہ یا بھموا علاقے میں

مستعمل ہے۔ کرنات دیس میں جہاں سے فوج کے لیے کرد کو بھرتی کیا جاتا ہے۔ کنٹر رسم خط مستعمل ہے۔ آندھرا دیس میں آندھری، درواڑا دیس (دراوڑ) میں درواڑی۔ (دراوڑی) لاردیس میں لاری، پورب دیس میں گوری اور اسی علاقے کے اودن پور مقام پر بھیک شوکی خط استعمال ہوتا ہے۔ آخرالذکر بدھوں کا رسم خط ہے۔

لفظ اوم کے بارے میں

ہندو اپنی کتابیں ”اوم“ یعنی لفظ تخلیق سے شروع کرتے ہیں جیسے ہم بسم اللہ سے۔ لفظ اوم کی شکل ہے۔ اس شکل میں حروف نہیں بنتے۔ یہ صرف ایک شکل ہے جو اس لفظ کے لیے گڑھ لی گئی ہے لوگ اسے برکت کے لیے اور خدا کی وحدانیت کے اظہار کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

ہندوؤں کے ہندسے

ہندو اپنے حروف کو حساب کے لیے استعمال نہیں کرتے جیسا کہ ہم لوگ نمبراتی ترتیب کے مطابق کرتے ہیں جس طرح مختلف علاقوں میں ان کے حروف کی صورتیں مختلف ہیں اسی طرح ان کے ہندسوں کی بھی ہیں۔ ان ہندسوں کو انک کہتے ہیں۔ ہم لوگ جو ہندسے استعمال کرتے ہیں وہ ہندوؤں کے ہندسوں کی سب سے اچھی صورت سے ماخوذ ہیں۔ اگر صورتوں سے وہ معنی سمجھ میں نہ آئیں جو ان سے مقصود ہیں تو ان صورتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ لیکن کشمیری اپنی کتابوں کے صفحات پر ایسے ہندسے بناتے ہیں جو تصویریں سی معلوم ہوتے ہیں اور چینیوں کے حروف سے ملتے جلتے ہوتے ہیں۔ انہیں سمجھنے کے لیے لمبی مشق کی ضرورت ہے لیکن یہ اچھا ہے کہ زمین پر حساب لکھتے وقت وہ ان ہندسوں کو کام میں نہیں لاتے۔

حساب کے معاملے میں تمام اقوام میں اتفاق ہے کہ ہندسوں کے مراتب (یعنی اکائی، دھائی، سیکڑہ، ہزار) کو دس کے ساتھ خاص نسبت ہے یعنی ان میں کا ہر مرتبہ اپنے بعد والے مرتبے کا دسواں حصہ اور اپنے سے پہلے والے کا دس گنا ہوتا ہے۔ میں نے ان مرتبوں کا مطالعہ ہر ہر زبان اور ہر قوم میں، جہاں جہاں میں گیا ہوں، کیا ہے اور

دیکھا ہے کہ کوئی قوم ہزار سے آگے نہیں جاتی۔ عرب بھی ہزار سے آگے نہیں جاتے اور یہی صحیح ترین اور فطری طریقہ ہے۔ میں نے اس موضوع پر ایک رسالہ بھی تصنیف کیا ہے۔

ہندو ہندسوں کے مرتبوں کی تعداد کے اعتبار سے ہزار سے آگے گئے ہیں ان کے مرتبوں کی تعداد بعض مذہبی مصلحتوں کی وجہ سے اٹھارہ ہے۔ ان مرتبوں کا نام رکھنے میں ماہرین ریاضی کو اہل لغت سے مدد لینا پڑی ہے۔

ان کے اٹھارہویں مرتبے کا نام پراردھا ہے جس کے معنی آسمانوں کا آدھا یا تمام عالم بالا کا آدھا ہے۔

اٹھارہ مرتبے

ہندوؤں کے اعداد کے اٹھارہ مرتبوں کے نام یہ ہیں :

1- ایکم 2- دسم 3- ستم 4- سہسرم 5- آیوت 6- لکش 7- پرایت 8- کوٹی 9- نیا ربد 10- پدم
11- کھرو (کھرب) 12- نکھرو 13- مہاپدم 14- سنکھ 15- اسمدر 16- مدھیہ 17- انیتہ 18-
پراردھا۔

اب ہم اس نظام کے بارے میں ان کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کو بیان کرتے ہیں۔ پہلا اختلاف تو یہ ہے کہ بعض ہندوؤں کے خیال میں پراردھا کے بعد ایک انیسواں مرتبہ بھی ہے جس کا نام بھوری ہے اور اس کے بعد حساب نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ بھی مانا جاتا ہے کہ حساب کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ میرے خیال میں حساب یا شمار سے ان کی مراد مرتبے کا نام ہے اور ان کے کہنے کا مطلب غالباً" یہ ہے کہ اس سے آگے کے مرتبوں کے لیے ہماری زبان میں کوئی نام موجود نہیں ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بھوری' سب سے بڑے دن کا 1/5 ہے۔ لیکن اس بارے میں ان کے یہاں کوئی روایت نہیں ملتی۔ روایات میں یوم اعظم کے حساب کے بارے میں صرف چند اشارے باقی رہ گئے ہیں' انکا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ اس لیے میرے خیال میں انیسویں مرتبے کا اضافہ حساب کی صحت کا بہت زیادہ خیال رکھنے

والوں کی ایجاد ہے۔

بعض لوگ کوٹی کو حساب کی انتہا مانتے ہیں۔ اس کے آگے کے حساب کے لیے اس میں دس، سو اور ہزار کا اضافہ کرکے اسی کو دہراتے رہیں گے کیوں کہ دیووں کی تعداد کوٹی میں ہے۔ ان لوگوں کے عقیدے کے مطابق دیووں کی تعداد 33 کوٹی ہے اور برہما، نارائن اور مہادیو تینوں کے لیے فرداً فرداً گیارہ گیارہ کوٹیاں مقرر ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں آٹھویں مرتبے کے بعد کے نام صرفیوں کے بنائے ہوئے ہیں۔

ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ پانچویں مرتبے کا مشہور نام دس سہرا اور ساتویں کا دس لکش ہے۔ ان مرتبوں کے جو نام ہم نے پہلے بتائے ہیں ان کا استعمال کم ہوتا ہے۔

کسم پور کے رہنے والے آریہ بھٹ کی کتاب میں دس ہزار سے دس کوٹی تک کے نام یہ ہیں۔

ایوتم، نیوتم، پرایوتم، کوٹی پدم، پراپدم۔ بعض لوگوں نے ان مراتب کو جوڑوں کی شکل دینے کے لیے ان کے ناموں میں تبدیلی کر دی ہے مثلاً پانچویں مرتبے ایوت کے جوڑے کے طور پر چھٹے مرتبے کو نیوت اور اسی طرح نویں مرتبے نیا ربد سے قافیہ ملانے کے لیے آٹھویں کو اربد کہنے لگے ہیں۔

خیر! ان اختلافات کا کوئی نہ کوئی سبب تو ہے لیکن بہتیرے ایسے اختلافات بھی ہیں جن کا کوئی سبب بھی نہیں ہے۔ یہ اختلافات بعض صورتوں میں بے ترتیب لکھنے اور بعض اوقات اپنی لاعلمی کا اظہار نہ کرنے کے نتیجے میں رونما ہوتے ہیں اور اپنی لاعلمی کا اعتراف کرنا ہے بھی ایک مشکل کام۔

ہندسے لکھنے کا طریقہ

ہندوؤں کا ہندسے استعمال کرنے کا طریقہ وہی ہے جو ہمارا ہے۔ میں نے اس مضمون پر ایک رسالہ لکھا ہے جس میں یہ بتایا ہے کہ ہندو غالباً اس فن میں ہم سے

آگئے ہیں۔ ہم یہ پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ ہندو اپنی کتابیں اشلوک کے طرز پر لکھتے ہیں۔ اگر ان کو ضرورت ہوتی ہے کہ اپنی زیچوں میں مختلف مرتبے کے اعداد استعمال کریں تو وہ ان کو ایسے الفاظ سے ظاہر کرتے ہیں جو ہر عدد کے ایک یا دو مرتبوں کے لیے وضع کر لیے گئے ہیں (یعنی ایسے الفاظ جو 20 یا 20 اور دو سو دونوں کو ظاہر کرتے ہوں) ان کے یہاں ایک ہی عدد کے لیے بہت سے الفاظ ہیں۔ اگر کسی جگہ وزن شعر کی مشکلات کی وجہ سے ایک لفظ نہ لایا جا سکے تو اس کا ایسا مرادف استعمال کیا جاتا ہے جو آسانی سے باندھا جا سکے۔ برہم گپتا نے کہا ہے "جب تم کو ایک لکھنا ہو تو اسے ہر ایسی چیز سے تعبیر کر سکتے ہو جو منفرد ہے مثلاً زمین' چاند۔ جب دو مراد ہو تو ایسی چیز سے مثال دی جائے جو دو ہو مثلاً سیاہی اور سفیدی۔ اگر تین لکھنا ہے تو ہر ایسی چیز سے جو تین شمار ہو اور صفر کو آسمان کے ناموں اور 12 کو سورج کے ناموں سے ظاہر کرو۔"

ہم نے اس بارے میں ان سے جو کچھ سنا ہے اسے مندرجہ ذیل جدول میں جمع کر دیا ہے کیونکہ ان کے زیچوں کی تفہیم میں اس سے بہت مدد ملے گی اور جب مجھے ان ناموں (الفاظ) کے معنی معلوم ہو جائیں گے تو انہیں بھی اس جدول میں شامل کر لوں گا۔ انشاء اللہ!

(اس کے بعد صفر سے 25 تک کے اعداد کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ و اسماء پیش کیے ہیں۔)

ہندوؤں کے عجیب و غریب اطوار اور رسمیں

اب ہم ہندوؤں کے بعض عجیب و غریب اطوار اور رسومات کو بیان کرتے ہیں۔ کسی چیز کا عجیب و غریب ہونا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ بہت کم پائی جاتی ہے اور ہم اسے شاذونادر ہی دیکھتے ہیں۔ جب اس کی کمیابی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو وہ چیز ہمیں عجوبہ معلوم ہوتی ہے کیوں کہ ایسی چیز قدرت کے معمولات کے منافی ہوتی ہے اور ایسی چیز جب تک نہ دیکھی جائے اس کا ہونا محال سمجھا جاتا ہے۔ ہندوؤں کی بہت سی رسمیں ہمارے زمانے میں ہمارے ملک کی رسموں سے اتنی مختلف ہیں کہ وہ ہمیں عجوبہ

معلوم ہوتی ہیں اور ہمیں ایسا لگتا ہے کہ ان لوگوں نے بالقصد ان کو ایسا بنا دیا ہے کہ کیوں کہ ہمارے طور طریقے ان سے قطعاً" میل نہیں کھاتے بلکہ ان کے بالکل برعکس ہیں۔

یہ لوگ بال بالکل نہیں تراشتے۔ ابتدا میں وہ گرمی کی وجہ سے ننگے رہتے تھے اور سر کے بال اس لیے نہیں منڈاتے تھے کہ دماغ پر گرمی کا اثر نہ ہو۔

ڈاڑھی کی حفاظت کے خیال سے وہ اس کی چوٹیاں گوندھ لیتے ہیں اور ناف کے نیچے کے بال نہ کاٹنے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ان کو کاٹنے سے شہوت بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے ایسے لوگ، جنہیں زیادہ شہوت ہوتی ہے ناف کے نیچے کے بال صاف نہیں کرتے ہیں۔

وہ اپنے ناخن بڑھنے دیتے ہیں اور کاہلی پر فخر کرتے ہیں کیوں کہ ناخن بڑھا کر محنت کا کوئی کام نہیں کیا جا سکتا۔ ناخنوں کو صرف بالوں کو کھجانے اور جوں پکڑنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

ہندو کھانا گوبر کے دسترخوان پر اکیلے بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ جو کھانا بچ جاتا ہے اسے دوبارہ نہیں کھاتے۔ جس برتن میں کھاتے ہیں، اگر وہ مٹی کا ہو تو اسے پھینک دیتے ہیں۔

چونا لگا پان اور چھالیہ چباتے چباتے ان کے دانت لال پڑ جاتے ہیں۔ نہار منہ شراب پیتے ہیں اور اس کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔ وہ گائے کا پیشاب پیتے ہیں لیکن گائے کا گوشت نہیں کھاتے۔

وہ جھانجھ کو لکڑی مار کر بجاتے ہیں۔

وہ صافے کو پاجامے (دھوتی) کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جو شخص کم سے کم لباس پہننا چاہتا ہے وہ دو انگل کی دھجی پر اکتفا کرتا ہے جسے وہ لنگوٹ کی طرح کس لیتا ہے۔ جو زیادہ پہنتے ہیں، وہ ایسے لہنگے پہنتے ہیں جن میں اتنی روئی ہوتی ہے جو کئی لحافوں کے لیے کافی ہو۔ ان لہنگوں کے چاک نہیں ہوتے اور یہ اتنے لمبے ہوتے ہیں کہ پاؤں نظر نہیں آتے۔ ان لہنگوں کے گھنڈی تکمے پیچھے کی طرف ہوتے ہیں۔ ان کے

صدرے بھی پاجاموں کی طرح پیٹھ کی طرف سے بند کیے جاتے ہیں۔ ان کی کرتیوں میں دائیں اور بائیں چاک ہوتے ہیں۔

جوتا اس قدر تنگ رکھتے ہیں کہ اس کو پنڈلیوں کی طرف سے قدم کی طرف موڑ کر پہنتے ہیں۔

منہ سے پہلے پاؤں دھوتے ہیں اور ہم بستری کرنے سے پہلے غسل کرتے ہیں۔ تہواروں میں خوشبو کی جگہ گوبر ملتے ہیں۔

مرد عورتوں جیسا لباس پہنتے ہیں۔ بناؤ سنگھار کا سامان استعمال کرتے ہیں۔ کانوں میں بالیاں' ہاتھوں میں کنگن' انگلیوں میں انگوٹھیاں اور پیروں کے انگوٹھوں میں چھلے پہنتے ہیں۔

گھوڑے پر زین کے بغیر سواری کرتے ہیں اور اگر زین رکھتے ہیں تو داہنی جانب سے سوار ہوتے ہیں اور کسی کو پیچھے بٹھا کر چلنا پسند کرتے ہیں۔

کٹار (خنجر) کو کمر میں دائیں طرف باندھتے ہیں۔

جنیو' جس کو بجنا پوتیا کہتے ہیں۔ بائیں کندھے پر ڈال کر دائیں پہلو کی طرف لٹکاتے ہیں۔ تمام امور اور ضرورتوں میں عورتوں سے مشورہ لیتے ہیں۔

بچہ پیدا ہونے پر اس کے باپ کی طرف زیادہ ملتفت ہوتے ہیں' ماں کی طرف کم۔ دو بیٹوں میں چھوٹے بیٹے کو ترجیح دیتے ہیں۔ خصوصاً یورپ کے علاقے میں' اور اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ بڑا بیٹا شہوت کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور چھوٹے کی پیدائش ارادے' فکر اور سکون کے نتیجے میں ہوتی ہے۔ مصافحہ کرتے وقت ہاتھ کو پشت کی طرف سے پکڑتے ہیں' ہتھیلی سے ہتھیلی نہیں ملاتے۔ گھر کے اندر آنے کے لیے اجازت طلب نہیں کرتے لیکن جاتے وقت اجازت لیتے ہیں۔ مجلسوں میں پالتھی مار کر بیٹھتے ہیں۔

بزرگوں کا لحاظ کیے بغیر وہ تھوکتے اور ناک صاف کرتے رہتے ہیں اور ان کے سامنے ہی سر سے جوئیں نکال نکال کر مارتے ہیں۔ ریاح خارج ہونے کو مبارک اور چھینک آنے کو منحوس سمجھتے ہیں۔

جولاہے کو ناپاک لیکن حجام اور مرے ہوئے جانوروں کو جلا کر یا دریا برد کر کے ٹھکانے لگانے والے کو پاک سمجھتے ہیں۔

مدرسوں میں بچوں کے لکھنے کے لیے سیاہ تختیاں استعمال کراتے ہیں اور ان پر سفید کھریا سے لکھواتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ذیل کا شعر شاعر نے انہیں کے بارے میں کہا ہے:

"کچھ ایسے لکھنے والے بھی ہیں جو کوئلے کی طرح سیاہ کاغذ پر سفید روشنائی سے لکھتے ہیں اور اس طرح لکھ کر گویا روز روشن کو تاریک رات پر اتار دیتے ہیں۔ وہ ایک ایسے جولاہے کی مانند ہیں جو تانتا تو ہے بنتا نہیں۔"

وہ کتابوں کے نام شروع میں نہیں بلکہ کتاب کے آخر میں خاتمے پر لکھتے ہیں۔

وہ اپنی زبان کے اسماء کو مونث بنا کر ان میں عظمت پیدا کرتے ہیں جس طرح اہل عرب تصغیر بنا کر عظمت پیدا کرتے ہیں۔

جب ان کو کوئی چیز دی جاتی ہے تو چاہتے ہیں کہ اس طرح پھینک کر دی جائے جیسے کتے کو پھینک کر دی جاتی ہے۔

جب دو آدمی مزد (چوسر) کھیلتے ہیں تو پانسا تیسرا شخص پھینکتا ہے۔ مست ہاتھی کے پسینے کو جو اس کے دونوں رخساروں پر بہتا ہے۔ خوشبو سمجھ کر بہت پسند کرتے ہیں حالاں کہ وہ سخت بدبودار ہوتا ہے۔

ہندوستانی شطرنج

یہ لوگ ہاتھی کو پیدل کی طرح آگے کی طرف ایک گھر چلاتے ہیں اور کبھی فرزین کی طرح کونے کی طرف بھی ایک ایک گھر چلاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان پانچ خانوں میں سے (یعنی ایک سیدھا اور چار کونوں میں) ایک اس کی سونڈ کے لیے اور چار اس کے چاروں پیروں کے لیے ہیں۔ شطرنج چار آدمی مل کر کھیلتے ہیں اور دو پانسے استعمال کرتے ہیں۔ بساط پر مہروں کی ترتیب اس طرح ہوتی ہے۔

رخ پیدل شاہ ہاتھی گھوڑا رخ

گھوڑا پیدل پیدل پیدل پیدل پیدل
ہاتھی پیدل
شاہ پیدل

پیدل شاہ
پیدل ہاتھی
پیدل پیدل پیدل پیدل پیدل گھوڑا
رخ گھوڑا ہاتھی شاہ پیدل رخ

چونکہ ہمارے یہاں اس طرح سے شطرنج نہیں کھیلی جاتی اس لیے اس کے متعلق مجھے جو کچھ معلوم ہے بیان کرتا ہوں۔ چاروں کھیلنے والے بساط کے گرد مربع کی شکل میں بیٹھتے ہیں اور باری باری دونوں پانسے پھینکتے ہیں۔ پالنے کے اعداد میں سے پانچ اور چھ کا عدد بیکار ہے کیوں کہ پانچ کے بدلے ایک اور چھ کے بدلے چار لیا جاتا ہے۔ تصویر میں ان دونوں کو اس طرح دکھایا جاتا ہے۔

5 6

1 2 3 4

شاہ سے ان کی مراد فرزین ہوتی ہے۔

پالنے کا ہر عدد ایک ہی مہرے کی چال کے لیے ہوتا ہے۔

ایک کا عدد پیادے اور شاہ کے لیے ہوتا ہے۔ ان دونوں کی چال وہی ہے جو شطرنج کے دوسرے متداول طریقوں میں ہوتی ہے۔ شاہ کو مارا جا سکتا ہے۔ لیکن اپنی جگہ سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔

دو کا عدد رخ کے لیے ہے۔ یہ سیدھا چلتا ہے جیسے ہماری شطرنج میں ہاتھی۔ تین کا عدد گھوڑے کے واسطے ہے۔ یہ ڈھائی گھر چلتا ہے یعنی دو گھر سیدھے اور ایک کسی جانب کی طرف۔

چار کے عدد پر ہاتھی کو چلایا جاتا ہے۔ یہ سیدھا چلتا ہے جیسا کہ ہماری شطرنج میں رخ، بشرطیکہ راستے میں کوئی روک نہ ہو۔ اگر کوئی رکاوٹ ہو تو ایک پانسہ اسے ہٹا کر

ہاتھی کے چلنے کا راستہ کھول دیتا ہے۔ یہ کم سے کم ایک گھر اور زیادہ سے زیادہ پندرہ گھر چلتا ہے۔ کیوں کہ اکثر دو پانسوں میں دو چار یا دو چھ یا چھ اور چار آجاتا ہے اور ان اعداد میں سے کسی ایک عدد کے لیے وہ بساط کے ایک حاشیے کا پورا ضلع اور دوسرے عدد کے نتیجے میں دوسرے حاشیے کا پورا ضلع طے کرلیتا ہے۔ بشرطیکہ راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اس طرح وہ دونوں اعداد کے نتیجے میں قطر کے دونوں سروں پر قبضہ کرلیتا ہے۔ ان کے یہاں تمام مہروں کی قیمتیں مقرر ہیں۔ ان قیمتوں کے مطابق ہر کھلاڑی کو بازی میں حصہ ملتا ہے جو کھلاڑی کوئی مہرہ لیتا ہے اسے اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ شاہ کی قیمت پانچ، ہاتھی کی چار، گھوڑے کی تین، رخ کی دو اور ایک پیدل کی ہے۔ جب کوئی شاہ کو لے لیتا ہے تو گویا اس نے پانچ پا لیے۔ اسی طرح دو شاہ کے لیے دس اور تین شاہ کے لیے 15، اگر لینے والے کے پاس اپنا شاہ نہ ہو۔ اگر اس کے پاس اپنا شاہ بھی ہو اور وہ تین شاہ لے لے تو اسے 54 ملتے ہیں۔ یہ عدد کسی حساب کے مطابق نہیں ہے بلکہ باہمی رضامندی سے مقرر کرلیا گیا ہے۔

البیرونی نے اس باب کو یہ کہہ کر ختم کیا ہے کہ ہندو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے نہ صرف مختلف ہیں بلکہ ان سے افضل بھی ہیں لیکن مسلمانوں نے بھی ”ہم چوما دیگرے نیست“ کا رویہ اپنا لیا ہے۔ ہندوؤں کی عجیب و غریب رسومات کے ضمن میں اس نے زمانہ جاہلیت کے عربوں کی بعض شرمناک رسومات کا بھی ذکر کیا ہے لیکن اس بات پر اطمینان ظاہر کیا ہے کہ اسلام نے عرب کو ان مفاسد سے پاک کر دیا ہے اور ہندوستان کے وہ علاقے بھی جہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا ہے ان لعنتوں سے پاک ہوگئے ہیں۔

باب 17

ہندوؤں کے وہ علوم جو جہالت کے پروردہ ہیں

ہندو عوام میں کیمیا کا شوق

ہمارے نزدیک جادو نام ہے اس سفلی فن کا جو فریب نظر کے ذریعے چیزوں کو وہ بنا کر پیش کر دیتا ہے جو وہ حقیقت میں نہیں ہیں۔ اس مفہوم میں جادو لوگوں میں بڑے پیمانے پر پھیلا ہوا ہے۔ لیکن اگر اس سے یہ مراد ہے کہ جادو ناممکن کو ممکن اور محال کو موجود کر دینے کا فن ہے تو ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ جب کوئی چیز محال ہوگی تو موجود ہو ہی نہیں سکتی اور اس لیے جادو ٹونا سراسر دھوکا اور فریب ہے اور اس کا علم سے کوئی تعلق نہیں۔

کیمیا بھی جادو کی ہی ایک قسم ہے اگرچہ اس کو جادو کہا نہیں جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص روئی کے ایک ٹکڑے کو چاندی کا ٹکڑا بنا کر دکھائے تو اسے جادو کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگر وہ چاندی کا ٹکڑا لے کر اسے سونا دکھاتا تو بھی یہی بات ہوتی البتہ اتنا فرق ضرور ہوتا کہ چاندی پر سونے کا ملمع یا ورق چڑھانے کی ترکیب موجود ہے جب کہ روئی کو سونا بنانے کا کوئی طریقہ معلوم نہیں ہے۔

کیمیا کا خبط صرف ہندوؤں کو ہی نہیں۔ دنیا کی کوئی قوم اس سے بری نہیں ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ بعض قوموں میں یہ خبط دوسری قوموں سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ اس سے کسی قوم کی عقل و دانش یا نادانی و جہالت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ ہم بہت سے عقلمندوں کو اس میں منہمک اور بہت سے جاہلوں کو اس فن اور ان عقلمندوں کا

مذاق اڑاتے دیکھتے ہیں۔ اگرچہ عقلمند اس پر اپنا وقت اور صلاحیت ضائع کر رہے ہیں تاہم چونکہ وہ اس میں مال حاصل کرنے اور تنگ دستی سے بچنے کے لیے مشغول ہیں اس لیے قابل ملامت نہیں۔ ایک رشی سے کسی نے پوچھا "علماء دولت مندوں کے دروازے پر کیوں جمع رہتے ہیں جب کہ دولت مند علماء کے دروازوں کی طرف رخ بھی نہیں کرتے۔" رشی نے جواب دیا "اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء دولت کے فائدے کو جانتے ہیں اور دولت مند علم کے مرتبے سے واقف نہیں۔"

اسی طرح کیمیا میں منہمک لوگوں پر ہنسنے والے جاہل لوگ مدح و ستائش کے قابل ہیں کیوں کہ ان کا کیمیا سے بچنا بھی ان کی جہالت اور بے وقوفی کی وجہ سے ہے کسی اور سبب سے نہیں۔

اس فن کے ماہر اس کو چھپانے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں اور اس فن سے ناواقف لوگوں سے کبھی کھل کر بات نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ اس فن میں کیا عملی طریقے استعمال کرتے ہیں اور معدنی اور نباتاتی یا حیوانی اجزا میں سے کن اجزا کو استعمال میں لاتے ہیں۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ یہ لوگ راکھ کرنا گلانا، طلق کرنا جس کو یہ لوگ تلک کہتے ہیں اور موم کی طرح نرم کر دینا کے طریقوں کو استعمال کرتے ہیں۔ اس وجہ سے مجھے خیال ہوا کہ یہ لوگ کیمیا کے معدنی طریقے کو عمل میں لاتے ہیں۔

رسائن

کیمیا سے ملتا جلتا ان کا ایک اور علم ہے جو ان کے علاوہ کسی دوسری قوم میں نہیں ہے۔ اس علم کو یہ لوگ رسائن کہتے ہیں۔ یہ لفظ رس یعنی سونے سے مشتق ہے۔ یہ فن چند نسخوں، معجونوں اور دواؤں کی تراکیب پر مشتمل ہے۔ یہ دوائیں زیادہ تر جڑی بوٹیوں سے تیار کی جاتی ہیں اور مایوس بیماروں کی صحت اور قریب مرگ بڈھوں کی جوانی کو بحال کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ ان کے استعمال سے بوڑھے، اس درجہ جوان ہو جاتے ہیں کہ ان کے بال دوبارہ کالے اور حواس جوانوں کی طرح تیز ہو جاتے

ہیں اور وہ جوانوں کی طرح پھرتیلے اور جماع و مباشرت کے قابل ہو جاتے ہیں اور طویل مدت تک زندہ رہتے ہیں۔ (اس کے بعد رسائن کے چند ماہروں کے حیرت انگیز واقعات بیان کئے ہیں۔ مثلاً ناگ ارجن جو سومنات کے قریب دیہک قلعے کا رہنے والا تھا اور دیاڈی جو وکرمادتیہ کے زمانے میں اجین میں رہتا تھا۔ ایک گم نام شخص جو مالوہ کے دارالخلافے دھار میں رہتا تھا۔ پھر ایک غریب پھل فروش رنکا اور ولبھی کے راجا ولبہ کا ذکر کیا ہے۔ ان میں بعض کو چند خفیہ اور قیمتی نسخے محض اتفاق سے ہاتھ آگئے تھے۔ ان لوگوں میں کچھ نے ان نسخوں کی بدولت بڑا کمال حاصل کیا اور بعض کا انجام بڑا دردناک ہوا۔)

رسائن یعنی سونا بنانے کی ہوس جاہل ہندو راجاؤں میں اتنی زیادہ ہے کہ اگر کسی کو سونا بنانے کے عمل میں کم سن بچوں کو بھینٹ چڑھانا پڑے تو وہ ان معصوموں کی جان لینے میں ذرا بھی تردد یا تامل نہیں کرتا اور ان کو آگ میں جھونک دیتا ہے۔ اگر رسائن کے اس بیش بہا علم کو دنیا کے کسی ایسے کونے میں جلا وطن کر دیا جاتا جس یہ لوگوں کی رسائی سے باہر ہو جاتا تو اچھا ہوتا۔

طائر گرودا

ہندوؤں کو جھاڑ پھونک پر بہت زیادہ اعتقاد ہے اور وہ اس کی طرف عام میلان رکھتے ہیں۔ اس علم کی کتاب "گرودا" پرندے کی تصنیف ہے جو نارائن کی سواری کا پرندہ ہے۔

سانپ کے کاٹنے میں جھاڑ پھونک کا استعمال

جھاڑ پھونک اس موقع پر زیادہ استعمال کی جاتی ہے جب کسی کو سانپ کاٹ لیتا ہے۔ (اس کے بعد جھاڑ پھونک کی تاثیر کے چند قصے بیان کیے ہیں)

شکار کے طریقے: میں نے ان لوگوں کو ہاتھ سے ہرن پکڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ ایک ہندو نے تو یہ دعویٰ تک کیا کہ وہ ہرن کو ہاتھ سے پکڑے بغیر ہنکا کر باورچی خانے تک لا سکتا ہے۔ میرے خیال میں اسکا سبب انہیں کسی خاص دھن یا لحن پر سدھانا

ہے۔

کتا چڑیوں کے شکاری رات کے وقت تانبے کے برتنوں کو ایک ہی تال پر بجاتے ہیں اور چڑیوں کو پکڑ لیتے ہیں لیکن اگر تال بدل جائے تو چڑیاں اڑ جاتی ہیں اور ہاتھ نہیں آتیں۔

یہ باتیں ایک طرح کے مخصوص طریقے اور ترکیبیں ہیں جن میں جادو کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ہندوؤں کو بعض اوقات اس لیے بھی جادوگر سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ تنی ہوئی رسیوں پر چلتے اور بانسوں پر کھڑے ہو کر گیند کھیلتے ہیں۔ لیکن اس قسم کی بازی گری دوسری قوموں میں بھی موجود ہے۔

باب 18

ہندوؤں کا ملک ان کے دریا اور سمندر ان کی مختلف ریاستوں کے درمیان کی مسافت اور ان کے ملک کی حدود

زمین کا شمالی نصف کرہ ہی آباد ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس نصف کرہ کے آدھے حصے پر ہی آبادی ہے۔ یعنی آبادی زمین کے صرف چوتھائی حصے پر ہے۔ اس آباد حصے کو چاروں طرف سے ایک سمندر گھیرے ہوئے ہے۔ پچھم اور پورب دونوں طرف کے اس سمندر کو بحر محیط کہتے ہیں۔ اس سمندر کے مغربی حصے کو جو ان کے ملک سے متصل ہے۔ یونانی لوگ اوقیانوس کہتے ہیں۔ یہ سمندر پورب اور پچھم دونوں طرف اس آبادی کو ان آباد حصوں اور جزیروں سے جو اس سمندر کے اس پار ہیں الگ کرتا ہے۔ اس سمندر کو اس لیے عبور نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی فضا تاریک اور پانی ثقیل ہے اور راستے متعین نہیں ہیں اور اس میں کشتیاں چلانا بے انتہا خطرناک ہے۔ اسی لیے پرانے زمانے کے لوگوں نے اس سمندر میں بھی اور اس کے ساحلوں پر بھی خطرے کے نشانات نصب کر دیے ہیں تاکہ لوگ آگے خطرناک سمندر میں داخل نہ ہوں۔

زمین کے شمالی حصے میں سردی کی وجہ سے آبادی نہیں ہے۔ صرف ان چند مقامات پر جہاں سمندری کھاڑیاں ہیں’ تھوڑی بہت آبادی ہے۔ جنوب کی طرف آبادی

ساحل سمندر تک پھیلی ہوئی ہے، جو دونوں طرف بحر محیط سے ملا ہوا ہے۔ سمندر کا یہ جنوبی حصہ جہاز رانی کے لیے موزوں ہے اس لیے آبادی ساحل پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ مزید جنوب کی طرف سمندر میں پائے جانے والے بڑے چھوٹے جزیروں پر بھی آبادی موجود ہے۔ جنوب میں سمندر اور خشکی کے درمیان جگہ کے لیے کشمکش ہوتی رہتی ہے۔ کہیں خشکی بڑھ کر سمندر میں داخل ہوگئی ہے اور کہیں سمندر خشکی میں۔

زمین کے مغربی نصف حصہ میں براعظم دور تک سمندر میں داخل ہوگیا ہے اور جنوب کی طرف اس کا ساحل دور تک چلا گیا ہے۔ براعظم کے میدانوں میں مغربی حبشی آباد ہیں۔ یہیں سے غلام لائے جاتے ہیں۔ یہیں جبال قمر ہیں جن سے دریائے نیل نکلتا ہے۔ براعظم کے ساحل پر اور جزیروں میں زنگیوں کے مختلف قبیلے آباد ہیں۔ اسی نصف مغربی حصہ میں بہت سی خلیجیں خشکی میں داخل ہوگئی ہیں جیسے خلیج بربر، خلیج قلزم، خلیج فارس اور ان خلیجوں کے درمیان مغربی براعظم دور تک سمندر میں داخل ہوگیا ہے۔ پوربی آدھے حصے میں اتر کی طرف سمندر اسی طرح دور تک خشکی میں داخل ہوگیا ہے جس طرح مغربی حصے میں خشکی سمندر میں داخل ہے اور بہت سی جگہوں پر کھاڑیاں اور سمندر کی طرف آتی ہوئی ندیوں کی شاخیں دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس سمندر کا نام یا تو کسی جزیرے کے نام پر ہوتا ہے یا پھر ملحقہ ساحل کے نام پر۔ یہاں ہمیں سمندر کے صرف اس حصے سے سروکار ہے جو براعظم ہند کے سامنے واقع ہے اور اسی مناسبت سے بحرہند کہلاتا ہے۔

یورپ اور ایشیا کے پہاڑی سلسلے

اب آیئے زمین کے آباد حصوں میں پھیلے ہوئے پہاڑی سلسلوں کی جانب۔ یہ گویا اس کی ریڑھ کی ہڈی کے مہرے ہیں جو اس کے وسطی عرض البلد سے ہوتے ہوئے طول میں پورب سے پچھم تک پھیلے ہوئے ہیں اور چین، تبت، ترکستان، کابل، بدخشاں، توخرستان، بامیان، الغور، خراساں، مدیہ، آذربائی جان، آرمی نیا، روم، فرنگستان اور جلالقہ سے گزرتے ہیں۔ یہ پہاڑی سلسلے طویل ہونے کے ساتھ بہت زیادہ چوڑے بھی ہیں

اور ان میں ایسے کج و پیچ ہیں جو میدانوں کو ہر طرف سے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔ ان میدانوں کی آبیاری ان دریاؤں سے ہوتی ہے جو ان پہاڑوں سے شمال اور جنوب دونوں طرف نکلتے ہیں۔ ان ہی میدانی علاقوں میں سے ایک ہندوستان ہے جس کے ایک طرف بحرہند ہے اور باقی تین طرف وہ پہاڑ ہیں جن سے نکلنے والے دریا اس میں گرتے ہیں۔

ہندوستان پہلے ایک سمندر تھا جو رفتہ رفتہ مٹی سے بھر گیا

اگر تم ہندوستان کی مٹی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرو گے، اور ان پہاڑوں کے چکنے پتھروں کو جو پہاڑوں کے پاس بہت گہرائی تک بڑی بڑی چٹانوں کی شکل میں پائے جاتے ہیں جن پر دریاؤں کا پانی قوت کے ساتھ گرتا ہے اور پہاڑوں سے دور یہی چٹانیں چھوٹی ہوتی جاتی ہیں اور یہاں دریاؤں کا بہاؤ بھی دھیما پڑ جاتا ہے اور دریاؤں کے دہانوں پر سمندروں کے قریب جمع ریت کو دیکھو گے تو اس نتیجے پر پہنچو گے کہ ہندوستان ایک زمانے میں سمندر تھا جو دریاؤں کے ساتھ آنے والی ریت اور مٹی سے پٹ کر رفتہ رفتہ خشکی میں تبدیل ہوگیا۔

مدھیہ دیس، قنوج، ماہورا اور تھانیسر

ہندوستان کا وسط کنوج (قنوج) اور اس کے گردونواح کا علاقہ ہے جسے یہ لوگ مدھیہ دیس یعنی ملک کا وسط کہتے ہیں۔ اس علاقے کو جغرافیائی اعتبار سے ملک کا وسط قرار دیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ علاقہ سمندر اور پہاڑوں کے وسط میں، گرم اور سرد علاقوں کے وسط میں اور ہندوستان کی مشرقی اور مغربی سرحدوں کے وسط میں واقع ہے۔ سیاسی اعتبار سے بھی یہ ملک کا مرکز ہے کیوں کہ قنوج ہندوؤں کے زبردست سورماؤں اور عظیم راجاؤں کا مسکن رہا ہے۔

سندھ کا ملک قنوج کے مغرب میں ہے۔ ہمارے یہاں سے سندھ پہنچنے کا راستہ ملک نیم روز یعنی ملک سیستان ہو کر ہے اور ہندوستان پہنچنے کے لیے کابل ہو کر۔ لیکن یہی واحد راستہ نہیں ہے۔ اگر موانع رفع ہو جائیں تو وہاں ہر طرف سے پہنچ سکتے ہیں۔

ہندوستان کی مغربی سرحد پر جو پہاڑ واقع ہیں وہاں ہندو اور ان سے ملتی جلتی قوم کے سرکش لوگ آباد ہیں۔

شہر قنوج دریائے گنگا کے پچھم میں ہے اور ایک بڑا شہر ہے لیکن اب اس شہر کا بڑا حصہ ویران ہو چکا ہے کیوں کہ دارالسلطنت یہاں سے دریائے گنگا کے مشرق میں واقع باڑی نامی شہر میں منتقل ہوگیا ہے۔ قنوج سے باڑی فاصلہ تین یا چار دن کی مسافت ہے۔

جس طرح قنوج (کنیاکج) پانڈو کی اولاد کی وجہ سے مشہور ہے۔ اسی طرح شہر ماہورا (متھرا) واسو دیو کی وجہ سے مشہور ہے۔ متھرا دریائے جون (جمنا) کے مشرق میں واقع ہے۔ متھرا اور قنوج کا درمیانی فاصلہ 28 فرسخ ہے۔ تھانیسر (استھانیسور) دونوں دریاؤں کے درمیان قنوج اور متھرا دونوں کے شمال میں قنوج سے 80 فرسخ اور متھرا سے تقریباً 50 فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔ دریائے گنگا جن پہاڑوں سے نکلتا ہے ان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس کا مخرج گنگا دوار کہلاتا ہے۔ ہندوستان کے دوسرے دریاؤں میں سے اکثر کا مخرج ان ہی پہاڑوں میں ہے جیسا کہ ہم مناسب جگہوں پر بیان کر چکے ہیں۔

ہندوؤں کا فاصلے کی پیمائش کا طریقہ

ہندوستان کے مختلف علاقوں کے درمیانی فاصلوں کے معاملے میں، اگر یہ علاقے آپ نے خود نہیں دیکھے ہیں تو، آپ کو روایات پر ہی بھروسہ کرنا ہوگا اور ان روایتوں کے ناقابل اعتماد ہونے کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ بطلیموس ہمیشہ ان کے راویوں کی مبالغہ آرائی کا شاکی رہا۔ خوش قسمتی سے مجھے ایک ایسا طریقہ معلوم ہوگیا ہے جس سے ان کی غلط گوئی کا پتہ چل جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہندو اکثر ایک بیل کے بوجھ (بھار) کا اندازہ دو ہزار اور تین ہزار من لگاتے ہیں (جو ایک بیل کی بساط سے بہت زیادہ ہے) اس لیے یہ فرض کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اتنا بوجھ ایک منزل سے دوسری منزل تک لے جانے کے لیے بہت عرصہ درکار ہوگا۔ اس لیے یہ لوگ دو شہروں کے درمیان کی مسافت پورے اتنے دنوں کی راہ کو قرار دیتے ہیں جو اس پوری آمدورفت میں

صرف ہوتے ہیں۔ اس لیے ہندوؤں کے ان بیانات کی صحت کے لیے بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لینا چاہیے۔ لیکن ہم نے نامعلوم کی وجہ سے معلوم کو چھوڑا نہیں ہے اور قاری سے درخواست کرتے ہیں کہ جہاں کوئی بات غلط معلوم ہو' اس سے درگزر کرے۔

قنوج سے پریاگ کے پیڑ (الہ آباد) تک اور وہاں سے مشرق ساحل تک

قنوج سے دریائے گنگا اور جمنا کے درمیانی علاقے میں ہوکر مشرق کی طرف جانے والا مندرجہ ذیل مشہور مقامات سے گزرے گا:

جاجمئو جو قنوج سے 12 فرسخ ہے۔ ایک فرسخ چار میل یا ایک کروہ کا ہوتا ہے۔ ابھا پوری 8 فرسخ' کراہا 8 فرسخ' برہم شیل 8 فرسخ' پریاگ کا پیڑ (الہ آباد) 12 فرسخ۔ دریائے جمنا اور گنگا کا سنگم اسی جگہ پر ہے۔ اسی جگہ ہندو وہ ریاضتیں کرتے ہیں جو مذہبی کتابوں میں مذکور ہیں۔ یہاں سے وہ جگہ جہاں دریائے گنگا سمندر میں گرتا ہے 12 فرسخ ہے۵-

پریاگ کے جنوب میں ساحل کی جانب دوسرے علاقے ہیں مثلاً ارکو تیرتھ یہاں سے 12 فرسخ اودریاہر کی مملکت 40 فرسخ اور ساحل پر واقع ارد ابھی شو 50 فرسخ ہے۔ یہاں سے یورپ کی طرف ساحل پر وہ علاقے ہیں جن پر جور کی حکومت ہے ان میں پہلا مقام دارور ہے جو اردابھی شو سے 40 فرسخ ہے پھر کانجی 30 فرسخ' ملایا 40 فرسخ اور کونک 30 فرسخ پر ہے جو جور کی مملکت کی آخری حد ہے۔

باڑی سے گنگا کے دہانے تک

باڑی سے گنگا کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ چلو تو مندرجہ ذیل مقامات سے گزرو گے۔ اجودہا (اجودھیا- اودھ) باڑی سے 25 فرسخ پر اور مشہور بنارسی 20 فرسخ پر واقع ہے۔

اب اگر اپنا رخ جنوب سے مشرق کی طرف کرلو تو بنارسی سے 35 فرسخ پر واقع شروار پہنچو گے۔ پھر پاٹلی پتر جو بنارسی سے 20 فرسخ پر ہے۔ مونگیری 15 فرسخ پر اور گنگا کے دہانے پر واقع گنگا سیر 30 فرسخ پر ہے۔

قنوج سے نیپال کے راستے بھوٹیشر تک

قنوج سے پورب کی طرف جاتے ہوئے سب سے پہلے باڑی آتا ہے جو 10 فرسخ پر ہے پھر دگم 45 فرسخ پر، شلت کی مملکت 10 فرسخ پر اور بی 2 ہت، شہر 12 فرسخ پر ہے۔ اس کے آگے دائیں طرف تلوت کا علاقہ ہے جس کے باشندے کالے اور ترکوں کی طرح چپٹی ناک والے ہوتے ہیں اور تارد کہلاتے ہیں اس کے بعد کام رو کے پہاڑ ہیں جو سمندر تک پھیلے ہوئے ہیں۔

تلوت کے بائیں طرف نیپال کی قلمرو ہے۔ ایک شخص نے جو ان علاقوں کا سفر کر چکا تھا، مجھ سے بیان کیا کہ "تلوت پہنچ کر وہ مشرق سے جنوب کی طرف چلا گیا اور بیس فرسخ چلنے کے بعد نیپال پہنچ گیا جس کا زیادہ حصہ چڑھائی پر ہے پھر تیس دن میں وہ نیپال سے بھوٹیشر پہنچا جو وہاں سے 80 فرسخ ہے اور یہاں بھی چڑھائی زیادہ ہے۔ یہاں ایک دریا ہے جس کو کئی جگہوں پر تختوں کے بنے ہوئے پلوں پر سے پار کرنا پڑتا ہے۔ یہ تختے بید کے دو رسوں میں بندھے ہوتے ہیں۔ ان رسوں کو دونوں طرف کے پہاڑوں کے درمیان تان دیا جاتا ہے اور میلوں کے نشانات سے باندھ دیا جاتا ہے۔ ان پلوں کو پار کرتے وقت لوگ اپنے بوجھ کاندھوں پر رکھ لیتے ہیں۔ ان سے سو ہاتھ نیچے تیزی سے بہتا ہوا گہرا اپنی برف کی طرح سفید نظر آتا ہے۔ پانی اتنی تیزی سے بہتا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے یہ پہاڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ پل کے پار اتر کر بوجھ کاندھوں سے اتار کر بکروں کی پیٹھ پر لا دیے جاتے ہیں۔"

بھوٹیشر سے تبت کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں سے آگے کے لوگوں کی زبان لباس اور چہرہ مہرہ سب کچھ مختلف ہوتا ہے۔ یہاں سے سب سے اونچی چوٹی کا فاصلہ 20 فرسخ ہے۔ اس چوٹی کی بلندی سے ہندوستان کہرے کے نیچے پھیلا ہوا سیاہ رنگ کا قطعہ دکھائی دیتا ہے اور اس کے نیچے واقع پہاڑ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں جیسے نظر آتے ہیں۔ تبت اور چین سرخ رنگ کے نظر آتے ہیں اور یہاں سے ایک فرسخ ڈھال کی طرف ہیں۔

قنوج سے بنواس تک

قنوج سے جنوب مشرق کی طرف گنگا کے پچھم میں "ججا ہوتی" کی مملکت ہے جو قنوج سے 30 فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ اس ملک کا صدر مقام کجوراہا ہے۔ ان دونوں کے درمیان ہندوستان کے دو مشہور قلعے گوالیار اور کالنجر ہیں۔ پھر --- فرسخ پر دہالا ہے جس کا صدر مقام تیوری ہے اور جس پر اس وقت گنگیا کی حکومت ہے۔

پھر تیس فرسخ پر کناکرہ کی مملکت اور ساحل پر آپسور اور بنواس کے شہر ہیں۔

قنوج کے جنوب مغرب میں آسی 18 فرسخ پر، سہیا 17 فرسخ پر جندرا 18 فرسخ پر، راجوری 15 فرسخ پر اور گجرات کا صدر مقام بزانہ 20 فرسخ پر ہے۔ اس شہر کو ہماری قوم کے لوگ نارائن کے نام سے جانتے ہیں۔ جب یہ شہر ویران ہوگیا تو یہاں کے باشندے جدورہ شہر میں منتقل ہوگئے۔

قنوج سے ماہورا اور بزانہ دونوں کا فاصلہ 28 فرسخ ہے۔

متھرا سے دھار

اگر کوئی شخص ماہورا سے اجین جائے تو اس کے راستے میں بہت سے گاؤں اتنے قریب قریب ملیں گے جن کا درمیانی فاصلہ پانچ فرسخ یا اس سے بھی کم ہے۔ 35 فرسخ چلنے کے بعد اسے ایک بڑا گاؤں ملے گا جس کا نام دوداہی ہے۔ پھر یہاں سے 17 فرسخ پر باماہر اور پانچ فرسخ پر ہندوؤں کی مشہور زیارت گاہ ۔ بھیلسان ہے۔ اس شہر کا یہ نام اس کے بت کے نام پر ہے۔ اس سے نو فرسخ آگے چل کر آردین ہے۔ یہاں کے بت کا نام مہکال ہے۔ پھر سات فرسخ پر دھار ہے۔

بزانہ سے مندگیر

بزانہ سے جنوب کی طرف پچیس فرسخ پر میواڑ واقع ہے۔ اس مملکت کا دارالخلافہ چترور ہے۔ اس مقام سے مالوہ اور اس کے دارالخلافہ دھار کا فاصلہ بیس فرسخ ہے۔ اجین کا شہر دھار سات فرسخ، مشرق کی طرف ہے۔ اجین سے بھیل سان تک کا فاصلہ

دس فرسخ ہے۔ یہ جگہ بھی مالوہ میں ہی ہے۔ دھار سے جنوب کی طرف بیس فرسخ پر بھومی ہر ہے۔ کاند دھار سے بیس ہی فرسخ پر ہے۔ پھر دس فرسخ پر نربدا کے کنارے واقع شہر نماور ہے۔ پھر آلس پور بیس فرسخ اور گوداوری کے کنارے واقع شہر مندگیر یہاں سے ساٹھ فرسخ پر ہے۔

دھار سے تانہ

دھار سے جنوب کی طرف سات فرسخ کی مسافت پر ۔ یمنا کی وادی ہے پھر مہرتہ دیش 18 فرسخ پر اور کو نکن کا صوبہ پچیس فرسخ پر ہے۔ کو نکن کا صدر مقام تانہ ساحل سمندر پر واقع ہے۔

ہندوستان کے مختلف جانور

گینڈا ہندوستان میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ خصوصاً گنگا کے اطراف میں۔ یہ بھینسے کی شکل کا ہوتا ہے۔ اس کی کھال سیاہ کھردری اور ٹھوڑی کے نیچے ابھرا ہوا گوشت لٹکتا ہے۔ ہر پاؤں میں تین زرد رنگ کے کھر ہوتے ہیں ایک بڑا آگے کی جانب نکلا ہوا اور دو اس کے دونوں طرف۔ اس کی دم لمبی نہیں ہوتی۔ آنکھیں کچھ نیچی اور ناک کی پھنگی پر اوپر کی طرف مڑا ہوا ایک سینگ ہوتا ہے۔ اس کا گوشت کھانے کی سعادت صرف برہمنوں کو حاصل ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک جوان گینڈے نے ایک ہاتھی پر جو اس کے سامنے آگیا تھا حملہ کردیا' اپنے سینگ سے ہاتھی کی ایک ٹانگ کو زخمی کر دیا اور اسے زمین پر گرا دیا۔ میرا خیال تھا کہ گینڈا ہی کرگدن ہے لیکن ایک شخص نے جو حبش کے علاقے سفالا جا چکا تھا' بتایا کہ وہاں کا ایک جانور کرگ جس کے سینگ سے چھریوں کے دستے بنائے جاتے ہیں اور جسے حبشی امپیلا کہتے ہیں گینڈے سے بہت ملتا جلتا جانور ہے۔ ہندوستان کے دریاؤں میں بھی دریائے نیل کی طرح گھڑیال پائے جاتے ہیں۔ الجاحظ' نے جو دریاؤں کے راستوں اور سمندروں کے نقشوں سے ناواقف تھا' اس بات سے دھوکا کھا کر اپنی سادہ لوحی سے دریائے مہران (سندھ) کو نیل کی ایک شاخ سمجھ لیا تھا۔ ہندوستان کے دریاؤں میں مگرمچھوں اور

گھڑیالوں کے علاوہ اور بھی عجیب عجیب جانور پائے جاتے ہیں۔ ان میں عجیب طرح کی مچھلیاں ہیں اور ایک جانور مشک کی طرح کا ہوتا ہے جو کشتیوں کے سامنے آکر طرح طرح کے کھیل تماشے کرتا ہے اسے برلو کہتے ہیں۔ میرے خیال میں وہ ڈالفن DOLPHIN یا اسی کی کوئی قسم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ڈالفن کی طرح اس کے سر پر بھی سانس لینے کا سوراخ ہوتا ہے۔

بزانہ سے سومناتھ

اب ہم پھر اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ بزانہ سے جنوب مغرب کی طرف 20 فرسخ پر انہلوارہ ہے اور 50 فرسخ کے فاصلہ پر ساحل پر سومناتھ ہے۔ انہلوارہ سے جنوب کی طرف لاردیش ہے۔ اس کے دو صدر مقام بھروج اور رہن جور ہیں جو انہلوارہ سے 42 فرسخ کے فاصلے پر ہیں۔ یہ دونوں مقلات ساحل سمندر پر تانہ کے مشرق میں ہیں۔

انہلوارہ سے لوہرانی

بزانہ سے پانچ فرسخ مغرب کی طرف ملتان اور پندرہ فرسخ پر بھاتی ہے۔ بھاتی سے 15 فرسخ جنوب مغرب میں ارور ہے جو سندھ دریا کی دو شاخوں کے درمیان واقع ہے۔ یہاں سے بمہوا یعنی المنصورہ بیس فرسخ پر ہے پھر 30 فرسخ پر دریائے سندھ کے دہانے پر لوہرانی ہے۔

قنوج سے کشمیر

قنوج سے شمال مغرب کی جانب پچاس فرسخ پر شرشارا ہے اور اٹھارا فرسخ پر پنجور ہے جو ایک پہاڑ پر واقع ہے۔ اس کے بالمقابل میدان میں تھانیسر ہے اور پہاڑ کے دامن میں اٹھارہ فرسخ پر جالندھر کا دارالخلافہ دہملا ہے۔ پھر دس فرسخ کے فاصلے پر بلاور ہے اس کے پچھم کی طرف تیرہ فرسخ کے فاصلے پر لدا ہے اور آٹھ فرسخ پر راجگری کا قلعہ ہے اور یہاں سے پچیس فرسخ شمال میں کشمیر ہے۔

قنوج سے غزنی

قنوج سے مغرب کی طرف دس فرسخ پر دیامئو، کوتی، انز، میرت اور پانی پت ہیں۔ میرت اور پانی پت کے درمیان دریائے جمنا ہے۔ پھر دس فرسخ پر کوتل اور سنام ہیں۔ پھر شمال مغرب کی طرف آگے چل کر نو فرسخ پر ادتاہور اور چھ فرسخ پر ججانیر ہے لوہاور کا صدر مقام، مندا ہوکور، آٹھ فرسخ پر دریائے اراوا کے پورب میں ہے۔ پھر بارہ فرسخ پر دریائے چندراہا ہے اور بیت دریا کے پچھم میں آٹھ فرسخ پر دریائے جہلم ہے۔ پھر دریائے سندھ کے مغرب میں بیس فرسخ کی راہ پر قندھار کا صدر مقام دیہند ہے۔ پھر چودہ فرسخ پر پرشاور، پندرہ فرسخ پر دون پور، بارہ فرسخ پر کابل اور سترہ فرسخ پر غزنی ہے۔

کشمیر کے مختصر حالات

کشمیر ایک پلیٹو PLATEAU پر واقع ہے جو چاروں طرف سے دشوار گزار پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس کا جنوب اور مشرقی حصہ ہندوؤں کا ہے اور مغرب میں چند بادشاہوں کی حکومت ہے۔ قریب کے علاقے میں بولار شاہ اور شگنان شاہ اور بدخشاں کی سرحد کے قریب داخن شاہ کی قلمرو ہے۔ اتر اور کچھ پورب کا علاقہ تبت اور کھوٹن کے ترکوں کا ہے۔ بھوٹیشر کی چوٹی سے تبت کا فاصلہ، براہ کشمیر، 300 فرسخ ہے۔

کشمیر کے باشندے پیادہ پا چلتے ہیں اور ان کے پاس سواری کے لیے ہاتھی اور دوسرے جانور نہیں ہیں۔ ان کے امراء کٹوں پر سواری کرتے ہیں۔ یہ ایک طرح کی پالکیاں ہیں جنہیں آدمی اپنے کندھوں پر اٹھا کر چلتے ہیں۔ اپنے ملک کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ لوگ دروں اور رہ گزاروں کو احتیاط کے ساتھ بند رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے ان سے کسی قسم کا لین دین کرنا بہت مشکل ہے۔ پرانے زمانے میں ایک دو غیرملکیوں خصوصاً یہودیوں کو یہاں آنے کی اجازت مل جاتی تھی۔ لیکن اب یہ لوگ ان ہندوؤں تک کو، جن سے یہ واقف نہیں، داخل نہیں ہونے دیتے۔ دوسرے لوگوں کو اجازت ملنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ شہر کشمیر دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر چار فرسخ تک آباد ہے۔ شہر کے دونوں کنارے پلوں اور کشتیوں کے ذریعے ملے ہوئے ہیں۔

جہلم دریا ہرم کوٹ پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ دریائے گنگا بھی انہیں پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ یہ پہاڑ نہایت سرد اور ناقابل گزر ہیں اور ان پر جمی ہوئی برف کبھی پگھل کر ختم نہیں ہوتی۔ ان پہاڑوں کے پار مہا چین یعنی بڑا چین ہے۔ شمال میں ہندوستان کی آخری سرحد یہی پہاڑ ہیں۔

ہندوستان کی مغربی اور جنوبی سرحدیں

ہندوستان کے مغربی سرحدی پہاڑوں میں مختلف افغان قبیلے آباد ہیں۔ ان کا سلسلہ سندھ کے نواح تک پھیلا ہوا ہے۔ ہندوستان کی جنوبی سرحد پر سمندر ہے۔ اس کا ساحل مکران کے قصبے تیز سے شروع ہوتا ہے اور جنوب مشرق میں دیبل کی طرف 40 فرسخ تک چلا گیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان خلیج توران واقع ہے۔

اس خلیج کے بعد چھوٹا منہ، پھر بڑا منہ اور پھر بوارج یعنی کچھ اور سومناتھ کے قزاقوں کے قلعے اور ٹھکانے ہیں۔ ان کا یہ نام اس لیے پڑا کہ وہ کشتیوں میں بیٹھ کر سمندر میں قزاقی کرتے ہیں۔ ان کشتیوں کو بیڑہ کہتے ہیں۔ ساحل پر واقع مقامات یہ ہیں۔

دیبل سے پچاس فرسخ پر تولیشر، بارہ فرسخ پر لوہرانی، بارہ ہی فرسخ پر بگا، پھر چھ فرسخ پر اکچھ، جہاں مکل درخت پیدا ہوتا ہے اور بروی چودہ فرسخ پر سومناتھ، تیس فرسخ پر کمبایت، دو دن کی راہ پر اساول، تیس فرسخ پر بھروج، پچاس فرسخ پر سندن، چھ فرسخ پر سوبارہ اور پانچ فرسخ پر تانہ واقع ہیں۔

اس کے آگے لاران کا ساحلی علاقہ ہے۔ جیمور اسی علاقے میں ہے۔ پھر وبلہ، کانجی اور دھارواڑ کے شہر ہیں۔ اس کے بعد ایک کھاڑی ہے جس میں سنگل دیپ یعنی جزیرہ سرندیپ (لنکا) واقع ہے۔ جھیل کے گرد پنج یاور ہے۔ جب یہ شہر ویران ہوگیا تو یہاں جور نے پچھم کی طرف ساحل پر دوسرا شہر بنوایا اور اس کا نام پدنار رکھا۔

اس سے آگے ساحل پر امل نارا ہے، پھر رامیشر جو سرندیپ کے بالمقابل ہے۔ ان دونوں کے درمیان سمندر کا راستہ بارہ فرسخ ہے۔ پنج یاور سے رامیشر چالیس فرسخ ہے۔

رامیشر سے سیتوبند دو فرسخ ہے۔ سیتوبند کے معنی سمندر کا پل ہیں۔ یہ پل دسرتھ کے بیٹے رام نے لنکا کے محل تک بنوایا تھا۔ اس وقت یہ غیر مسلسل پہاڑوں کی شکل میں ہے جن کے درمیان سمندر ہے۔ سیتو بندھ سے 16 فرسخ مشرق میں کھکنڈ ہے یعنی بندروں کا پہاڑ ہے۔ بندروں کا بادشاہ ہر روز بندروں کا جھنڈ ساتھ لے کر نکلتا ہے اور وہ پہلے سے بنی ہوئی نشستوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس ملک کے لوگ ان بندروں کے لیے چاول پکا کر تیار رکھتے ہیں اور اسے پتوں پر رکھ کر ان کو دیتے ہیں۔ چاول کھا کر بندر جھاڑیوں میں واپس چلے جاتے ہیں۔ اگر ان کے ساتھ غفلت کی جائے تو یہ علاقے کو برباد کر دیں کیوں کہ ان کی تعداد کثیر ہے اور یہ بہت سرکش اور خونخوار ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک یہ انسانوں کی نسل سے ہی ہیں‘ جنہیں اس وقت بندر بنا دیا گیا تھا جب رام شیاطین سے جنگ کررہے تھے اور ایسا اس لیے کیا گیا تھا تاکہ وہ اس جنگ میں رام کی اچھی طرح مدد کرسکیں۔ رام نے ان کے لیے یہ گاؤں بھی وقف کر دیے تھے۔ ہندوؤں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جو شخص ان میں پڑ جاتا ہے اور رام کی نظم اور رام کا منتر ان کو سناتا ہے تو وہ کان لگا کر سنتے ہیں اور راستہ بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتلاتے اور کھلاتے پلاتے ہیں۔ بہرحال‘ عام لوگوں کا عقیدہ یہی ہے۔

بحر ہند اور بحر چین کے جزیرے

اس سمندر کے مشرقی جزیرے جو ہندوستان کی نسبت چین سے زیادہ قریب ہیں‘ جزائر زنج ہیں۔ ہندو ان جزیروں کو سورن دیپ یعنی سونے کے جزیرے کہتے ہیں۔ پچھم کی طرف کے جزیرے زنج اور درمیان کے جزیرے جزائر رم اور دیو (مالدیپ‘ لکادیپ) کہلاتے ہیں۔ ان ہی میں جزائر قمیر ہیں۔ دیپ (دیو) جزیروں کی یہ خاصیت ہے یہاں نئے نئے جزیرے بنتے رہتے ہیں اور پرانے جزیرے ختم ہوتے رہتے ہیں۔ جب ختم ہونے والے جزیروں کے باشندوں کو ان جزیروں کے خاتمے کے آثار نظر آتے ہیں تو وہ نئے بنتے ہوئے جزیروں پر منتقل ہو جاتے ہیں اور اپنا تمام سامان اور اناج وغیرہ بھی ساتھ لے جاتے ہیں۔ یہ جزیرے اپنی پیداوار کی بنیاد پر دو قسموں میں بانٹ دیے گئے

ہیں۔ ایک کو دوا کھڈھا یعنی سیپوں کے جزیرے کہتے ہیں۔ ان سیپوں کو یہ لوگ ناریل کی شاخوں کے ذریعے کنارے پر جمع کرتے ہیں۔ دوسری قسم کے جزیرے دیوا کبھار کہلاتے ہیں یعنی ناریل کی رسیوں کے جزیرے۔ یہ اسے کشتیوں کے تختوں کو باندھنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ قدیم زمانے میں سرندیپ کے کنارے موتی نکالے جاتے تھے لیکن اب یہاں موتی نکالنا بند ہوگیا ہے کیوں کہ اب یہاں کے سمندر میں موتی نہیں ہیں۔ اب سفالہ' جو حبش کے علاقے میں ہے' موتی نکالنے کا مرکز بن گیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ سرندیپ کے موتی وہاں منتقل ہوگئے ہیں۔

ہندوستان کا بارش کا موسم

ہندوستان میں گرمیوں کے زمانے میں بارش ہوتی ہے۔ ہندو اس کو ورشا کال کہتے ہیں۔ ملک کے شمالی حصوں میں بارش زیادہ اور دیر تک ہوتی ہے۔ لیکن جو حصے پہاڑ کی اوٹ میں ہیں وہاں بارش نہیں ہوتی۔ ملتان کے لوگوں نے ہمیں بتایا کہ ان کے ہاں ورشا کال نہیں ہوتا بلکہ جو ملک ان کے شمال میں پہاڑوں سے قریب ہے وہاں ورشا کال ہوتا ہے۔ بھاتی اور اندرا ویدی میں برسات کا موسم اساڑھ کے مہینے سے شروع ہوتا ہے اور چار مہینے تک موسلادھار بارش ہوتی ہے۔ جیسے مشکوں سے پانی انڈیلا جارہا ہو اور شمال میں یعنی کشمیر کے پہاڑوں کے گرد و پیش جو دری کی چوٹی تک دون پور اور برشاور کے درمیان ساون کے مہینے سے برسات شروع ہوتی ہے اور ڈھائی مہینے تک خوب بارش ہوتی ہے۔ لیکن اس پہاڑ کے دوسری طرف مطلق بارش نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ برساتی بادل بھاری اور نیچے ہوتے ہیں۔ جب یہ بادل پہاڑوں کے پاس پہنچتے ہیں تو ان سے ٹکرا کر وہیں برس جاتے ہیں اور آگے نہیں بڑھتے۔ اسی لیے کشمیر میں ورشا کال نہیں ہوتا۔ البتہ وہاں ڈھائی مہینے تک مسلسل برف باری ہوتی ہے۔ برف باری کا آغاز ماگھ کے مہینے سے ہوتا ہے پھر چیتر کا آدھا مہینہ گزرنے کے بعد چند دن تک مسلسل بارش ہوتی ہے اسے برف پگھل جاتی ہے اور زمین صاف ہو جاتی ہے۔ ایسی موسمی اور بے وقت کی بارش ہر جگہ کچھ نہ کچھ ہوتی رہتی ہے اور ہندوستان کا کوئی صوبہ اس طرح کی بارش سے خالی نہیں ہے۔

باب 19

ستاروں کے نام‘ بروج اور چاند کی منزلیں وغیرہ

ہم اس کتاب کے آغاز میں ہی بتا چکے ہیں کہ ہندوؤں کی زبان میں اسماء کی اتنی کثرت ہے کہ وہ ایک ہی چیز کو کئی ناموں سے پکارتے ہیں۔ میں نے ہندوؤں سے سنا ہے کہ ان کے ایک ہزار نام ہیں۔ لامحالہ ہر ستارے کے نام بھی اتنے ہی یا اس کے قریب ہوں گے۔

ہفتے کے دنوں کے نام

ان کے یہاں ہفتے کے دنوں کے نام ستاروں کے مشہور ناموں پر ہیں اور ان کے آگے بار کا لفظ اضافہ کردیا جاتا ہے اور یہ لفظ ستاروں کے نام کے ساتھ اس طرح لگایا جاتا ہے جس طرح فارسی میں ہفتے کے دن کے عدد کے ساتھ شنبہ لگایا جاتا ہے۔ ان کے دنوں کے نام یہ ہیں:

ادت بار	یعنی سورج کا دن	اتوار
سوم بار	یعنی چاند کا دن	پیر
منگل بار	یعنی مریخ کا دن	منگل
بدھ بار	یعنی عطارد کا دن	بدھ
برہسپتی بار	یعنی مشتری کا دن	جمعرات
سکربار	یعنی زہرہ کا دن	جمعہ
سینیچربار	یعنی زحل کا دن	سنیچر (جسے ہفتہ بھی کہتے ہیں)

اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے یعنی اتوار سے سنیچر تک اور پھر اسی کا اعادہ۔

ہندو ستاروں کی ترتیب کو دنوں کی ترتیب کے مطابق رکھتے ہیں اور اپنی زیچ اور دوسری کتابوں میں بھی اسی ترتیب کو درج کرتے ہیں اور دوسری ترتیبوں سے مطلق اعتنا نہیں کرتے حالانکہ یہ ترتیبیں زیادہ صحیح ہیں۔

ستاروں کی ترتیب

یونانیوں کے یہاں ستاروں کی صورتیں یا علامات ہیں جن کے ذریعے سے اسطرلاب پر ان کی حدود قائم کی جاتی ہیں۔ یہ صورتیں حروف نہیں بلکہ ایک طرح کی تصویریں ہیں۔ اختصار کے لیے ہندو بھی یہی کرتے ہیں لیکن ان کے نشانات تصویریں نہیں۔ بلکہ ہر ستارے کے نام کا پہلا حرف ہے مثلاً سورج کے نام آدتیہ کا آ اور چاند کے نام چندر کا چا اور عطارد یعنی بدھ کے نام کا با۔

ذیل کے جدول میں ساتوں ستاروں کے مشہور نام درج کیے جاتے ہیں۔

ستارے	ہندوستانی زبان میں ان کے نام
سورج	آدتیہ‘ سوریہ‘ بھانو‘ ارک‘ دواکر‘ روی‘ .بتا‘ ۵ ہیلی
چاند	سوم‘ چند‘ اندو‘ ہماگو‘ سیتارسمی‘ ہمارسمی‘ ستامسو‘ سیتاوی دھتی‘ ہما مایکھ
مریخ	منگل‘ بھومیہ‘ کج‘ ارا‘ وکر‘ اوـلیہ‘ ماہیہ‘ کراکشی‘ ۵ رکت۔
عطارد	بدھ‘ سومیہ‘ چندرا‘ جنہ‘ یودھنہ‘ دت‘ ۵ ہمنا۔
مشتری	ورہسپتی‘ گرو‘ جیوا‘ دیوجیہ‘ دیوپروہت‘ دیومنتریں‘ انگرس‘ سوری‘ دیوپت
زہرہ	سکر‘ بھرگو‘ ستا‘ بھارگو‘ ابجتی‘ ۵ دانوگرو‘ بھرگوپتر‘ اپھوجت۵
زحل	سنیچر‘ مند‘ است‘ کون‘ آدتیہ پتر‘ سور‘ ارک‘ سوریہ پتر

بارہ سورج

سورج کے اتنے زیادہ نام ہونے کی وجہ سے مذہبی عالموں نے سورج کی تعداد کو بھی اتنا ہی سمجھ لیا چنانچہ ان کے نزدیک سورج بارہ ہیں جن میں ایک ایک ہر مہینے طلوع ہوتا ہے۔ سورج کے ساتھی چاند کے بھی بہت سے نام ہیں۔ مثلاً ایک سوم ہے‘ اس وجہ سے وہ مبارک ہے اور مبارک یا خوش نصیب کو سوم گرہ اور نحس یا بدنصیب

کو پاپ گرہ کہتے ہیں۔ چاند کا ایک نام شیس یعنی رات کا حاکم ہے۔ کشر ناتھ یعنی قمری منزلوں کا حاکم' دوی جیسور یعنی برہمنوں کا مالک۔ ستامسو یعنی ٹھنڈی کرنوں والا (یہ نام اس وجہ سے ہے کہ چاند آبی کرہ ہے جو زمین کے لیے ایک نعمت ہے اور جب سورج کی شعاع اس پر پڑتی ہے تو یہ شعاع چاند کی طرف ٹھنڈی ہوکر پلٹتی اور تاریکی کو روشن کرتی ہے' رات کو خنک بناتی اور سورج کی جھلسانے والی گرمی کو بجھا دیتی ہے) چندر (جس کے معنی نارائن کی بائیں آنکھ ہے جس طرح آفتاب اس کی دائیں آنکھ ہے) اس کا مقبول نام ہے۔

مندرجہ ذیل جدول میں مہینوں کے جو نام درج ہیں ان میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اب تک ہم نے جو نام لکھے تھے وہ مقامی بولیوں کے نام تھے لیکن اس جدول میں جو نام درج ہیں وہ قدیم کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

مہینے	قمری منزلیں	مہینے	قمری منزلیں
کارتک	3 کرتکا	ویشاکھ	16 وشاکھ
	4 روہنی		17 انورادھا
مارگاسرش	5 مرگاسرشا	جیشٹھ	18 جیشٹھا
	6 اردر		19 مول
پوش	7 پسرواس	اشاڑھ	20 پرواشاڑھ
	8 پشیہ		21 اتراشاڑھ
ماگھ	9 آسلیس	شراون	22 شراون
	ماگھ		23 دھنشٹ
پھالگن	11 پرواپھالگنی	بھادرپاڑ	24 ستا بھشج
	12 اترپھالگنی		25 پروابھادرپاڑ
	ہست	اشواتج	27 ریوتی
چیتر	14 چترا		1 اشونی
	15 سواتی		2 بھرانی

زحل کے نشانات

زحل کے نشانات کے نام ان صورتوں سے مناسبت رکھتے ہیں جو ان نشات کے طور پر مقرر ہیں۔ ہندوؤں میں بھی دوسری قوموں کی طرح یہی قاعدہ ہے۔ تیسرا نشان یا برج مِتھن کہلاتا ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں ایک کمسن لڑکے اور لڑکی کا جوڑا۔ اور یہی مطلب جڑواں کے اس نشان یا صورت کا ہے جو اس کے لیے مستعمل ہے (ان بروج کے بارے میں البیرونی نے ورہ میر کی تصانیف کے اقتباسات پیش کیے ہیں۔ اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ ورہ میر نے مشہور ناموں کے ساتھ بعض ایسے نام بھی لکھے ہیں جو عام نہیں ہیں۔ پھر ان مشہور اور غیرمعروف دونوں ناموں کی ایک جدول بھی بنائی ہے۔)

باب 20

برہمانڈ

برہما کے انڈے سے پانی کا نکلنا

برہمانڈ کے معنی ہیں برہما کا انڈا اور ا سے مراد پورا کرۂ ایثری ہے کیوں کہ اس کرہ کی شکل گول ہے اور یہ حرکت بھی گولائی میں کرتا ہے۔ یہی نہیں اس لفظ کا اطلاق سارے عالم پر ہوتا ہے جو عالم بالا اور عالم زیریں میں بٹا ہوا ہے۔ یہ لوگ آسمانوں کی گنتی کرتے ہیں تو ان کے مجموعہ کو برہمانڈ کہتے ہیں۔ چوں کہ ہندو علم ہیئت میں مہارت نہیں رکھتے اس لیے ان کے ہیئت کے نظریات صحیح نہیں ہیں اور جیسا چاہیے ویسا تصور نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ زمین کو ساکت سمجھتے ہیں اور جنت کی نعمتوں کو دنیا کی نعمتوں سے مشابہ سمجھتے ہیں اور زمین کو دیوتاؤں اور فرشتوں کے رہنے کی جگہ قرار دیتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ان دیوتاؤں اور فرشتوں میں اوپر کی دنیاؤں سے نیچے کی دنیاؤں میں آنے جانے کی قوت موجود ہے۔

ہندووں کی معموں جیسی روایات میں ہے کہ پانی ہر چیز سے قبل تھا اور دنیا کی ہر جگہ بھرا ہوا تھا۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ حالت روح بننے کے دن کی ابتدا (پروشا ہوراتر) --- اور قالب کے بننے اور دونوں کے اتصال کے آغاز میں ہوگی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پانی میں سخت تموج کی وجہ سے جھاگ پیدا ہوگیا تھا۔ تب اس پانی میں سے کوئی چیز باہر نکلی اور اس سے خالق نے برہما کا انڈا پیدا کیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انڈا ٹوٹ گیا اور اس میں سے برہما برآمد ہوا۔ انڈے کے ایک آدھے سے زمین اور

دوسرے سے آسمان بنا اور درمیان میں چھوٹے چھوٹے ریزے یا ٹکڑے تھے وہ بارش بن گئے۔ اگر بارش کے بجائے پہاڑ کہتے تو زیادہ قرین قیاس ہوتا۔ اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا نے برہما سے کہا "ہم ایک انڈا پیدا کرتے ہیں اور اس میں تیری سکونت کی جگہ بنائے دیتے ہیں۔" اور خدا نے اس انڈے کو مذکورہ بالا پانی کے جھاگ سے پیدا کیا لیکن جب پانی خشک ہوکر زمین میں جذب ہوگیا تو انڈے کے دو ٹکڑے ہوگئے۔

پانی تخلیق کا پہلا عنصر ہے۔ برہما کے انڈے کا دونیم ہو جانا

ہندوؤں کا یہ نظریہ کہ تمام مخلوقات میں پانی سب سے پہلے وجود میں آیا اس بات پر مبنی ہے کہ پانی ہی ہر چیز کے منتشر ذرات کو متحد کرتا ہے اور اس کی وجہ سے نمو پذیر چیزیں بڑھتی ہیں اور ہر ذی روح چیز میں زندگی یا جان پانی کی وجہ سے ہی ہے اور جب خالق مادے سے کوئی چیز پیدا کرنا چاہتا ہے تو پانی اس کے لیے آلہ یا اوزار کا کام دیتا ہے۔

ہندوؤں کا انڈے کے دو نیم ہو جانے کا نظریہ ثابت کرتا ہے کہ اس کا موجد عالم نہ تھا۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ آسمان زمین کو اسی طرح احاطہ کیے ہوئے ہے جس طرح برہما انڈے کا چھلکا اس کی زردی کو۔ اس نے زمین کو نیچے اور آسمان کو چھ سمتوں میں سے صرف ایک ہی سمت میں یعنی زمین سے اوپر سمجھا۔ اگر اس کو حقیقت حال معلوم ہوتی تو اسے انڈے کو دونیم کرنے کی زحمت نہ کرنا پڑتی۔ بہرحال وہ اس نظریہ سے یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس کے آدھے حصے سے زمین بنی اور دوسرے آدھے سے اس کا گنبد یعنی آسمان وجود میں آیا۔ اور یہ کہہ کر وہ زمین کی سطح کے بیان میں بطلیموس سے بازی لے جانا چاہتا تھا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

(اس کے بعد البیرونی نے ہندوستان کے بعض مصنفین مثلاً برہما گپتا' پلس' بل بھدر اور آریہ بھٹ کے نظریات پیش کیے ہیں اور ان پر تنقید کی ہے۔

باب 21

ہندوؤں کے مذہبی نظریات کے مطابق زمین اور آسمان کی شکل

سات زمینیں

جن لوگوں کا ذکر ہم نے گزشتہ باب میں کیا ہے ان کے خیال میں زمین کے سات طبقے تہ بہ تہ ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کی ایک کے اوپر ایک سات پرتیں ہیں اور اوپر کی تہ یا طبقہ سات حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ لیکن یہ تقسیم ہمارے منجموں کی تقسیم سے مختلف ہے جنھوں نے زمین کو اقالیم میں تقسیم کیا ہے۔ ہندوؤں کی یہ تقسیم فارس کے منجمین کی تقسیم سے بھی مختلف ہے کیوں کہ فارس والوں نے زمین کو کشوروں میں تقسیم کیا ہے۔ ہم آگے چل کر ان کے نظریات کو صراحت سے سمجھائیں گے جیساکہ ہم نے انہیں ہندو دھرم کے عالموں سے سمجھا ہے اور اس پر منصفانہ تنقید کریں گے۔ اگر اس میں کوئی بات نامانوس نظر آئے گی یا کوئی ایسی بات ملے گی جو دوسری قوموں کے نظریات سے مطابقت رکھتی ہو تو ہم اسے بھی بیان کردیں گے اس لیے نہیں کہ اسے پڑھ کر قاری ہندوؤں کی مذمت کرے بلکہ صرف اس لیے جو لوگ ان موضوعات کا مطالعہ کرتے ہیں ان کے فہم و فراست کو جلا پہنچے۔

زمین کے ناموں اور ان کی ترتیب میں وسعت زبان کی وجہ سے اختلاف

ہندوؤں میں زمینوں کی تعداد اور اس کی بالائی سطح کے حصوں کی تعداد کے بارے

میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ ان کے ناموں اور ناموں کی ترتیب کے بارے میں اختلاف ہے اور میرے خیال میں اس اختلاف کا سبب زبان کی وسعت ہے کیوں کہ ہندو ایک ہی چیز کو بے شمار ناموں سے پکارتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کے یہاں، ان کے اپنے بیان کے مطابق سورج کے ایک ہزار نام ہیں جس طرح عربوں میں شیر کے۔ ان میں سے بعض نام اصل ہیں اور بعض اس کے مختلف احوال اور افعال سے مشتق ہیں۔ ہندو اور انہیں کے ہم خیال بعض دوسرے اپنی زبان کی اس وسعت پر فخر کرتے ہیں جبکہ حقیقت میں یہ کسی زبان کا سب سے بڑا عیب ہے کیونکہ زبان کا کام یہ ہے کہ تمام موجودات اور ان کے آثار میں سے ہر ایک کے لیے اتفاق رائے سے ایک نام (لفظ) متعین کردے تاکہ اس لفظ کے سنتے ہی ہر شخص کہنے والے کا مطلب سمجھ لے۔ اس کے برخلاف جب ایک ہی لفظ متعدد چیزوں کے لیے (یعنی متعدد معنوں میں) استعمال ہو تو اس سے زبان کا نقص ظاہر ہوتا ہے اور مخاطب کو بولنے والے سے پوچھنا پڑتا ہے کہ اس لفظ سے اس کا کیا مطلب ہے۔ ایسے تمام الفاظ کو زبان سے خارج کرکے اس کی جگہ پر ایسے الفاظ داخل کرنا چاہئیں جن کا مطلب واضح ہو اور جو ایک ہی مطلب پر دلالت کرتے ہوں۔ جب ایک ہی چیز کے بہت سے نام ہوں، اس لیے نہیں کہ ہر قبیلے میں اس کے لیے ایک الگ نام استعمال ہوتا ہے، تو ان میں سے ایک ہی نام مطلب سمجھانے کے لیے کافی ہوتا ہے اور اس ایک کے علاوہ جتنے نام ہیں وہ لغو ہیں اور مطلب ظاہر کرنے کے بجائے اسے اور زیادہ چھپا دیتے اور پراسرار بنا دیتے ہیں۔ پھر زبان کی وسعت اس زبان کو سیکھنے کے خواہشمند لوگوں کے لیے چند درچند مشکلات پیدا کر دیتی ہے اور ان کا بہت سا قیمتی وقت ان غیرضروری الفاظ کو یاد کرنے میں ضائع ہو جاتا ہے۔

مجھے اکثر یہ گمان ہوتا ہے کہ آیا کتاب کے مصنفوں یا بولنے والوں نے زمین کی ترتیب نہ بیان کرکے صرف اس کے نام گنا دینے پر اکتفا کی ہے یا کاتبوں نے اپنی مرضی سے ان کے بولے ہوئے متن کو بدل دیا ہے۔ اس لیے کہ جو لوگ میرے لیے ترجمہ کا کام انجام دیتے تھے وہ سب زبان پر پوری قدرت رکھتے تھے اور دیانت دار بھی تھے۔

آدتیہ پر ان میں زمین کا بیان

زمین کے جتنے نام مجھے معلوم ہیں وہ مندرجہ ذیل جدول میں درج کر دیے گئے ہیں۔ ناموں کی یہ فہرست آدتیہ پر ان کے مطابق ہے کیوں کہ اس میں یہ اصول برتا گیا ہے کہ ہر زمین اور آسمان کو آفتاب کے ایک عضو سے منسوب کیا گیا ہے۔ سر سے پیٹ تک آسمانوں کے اور ناف سے تلوے تک زمینوں کے نام ہیں۔ یہ طریقہ اتنا واضح ہے کہ اس سے کسی قسم کا اشتباہ نہیں پیدا ہوتا۔

عام بولی میں ان کے نام	القاب	وایوپران ان کے نام	وشنو پران ان کے نام	آدیتہ پران	سورج کے عضو سے منسوب ہیں	زمینوں کا نمبر شمار
امس (۵)	کرشن بھوم اندھیری زمین	ابھس تال	اتال	تال	ناف	I
امبرتال	شکل بھوم روشن زمین	ایلا (۵)	وتال	ستال	رانیں	II
سکر	رکت بھوم سرخ زمین	نتال	نتال	پاتال	گھٹنے	III
گبھس تمت	پت بھوم زرد زمین	گبھس تال	گبھسم	آشال	گھٹنے کے نیچے	IV
مہاتال	پاشان بھوم مرمری زمین	مہاتال	کہاکھیہ	وشال	پنڈلیاں	V
ستال	شلاتال اینٹوں والی زمین	ستال	ستال	مرتال	ٹخنے	VI
رس تال	سورن ورن سنہری زمین	پاتال	جاگر	رس تال	تلوے	VII

زمین کے بعد آسمان ہیں جو اوپر نیچے سات طبق ہیں۔ انہیں لوک یعنی جمع ہونے کی جگہ کہتے ہیں۔ لوکوں کے ناموں میں ایسا اختلاف نہیں ہے جیسا زمینوں کے ناموں میں ہے۔ البتہ ان کی ترتیب کے بارے میں اختلاف ہے۔ ہم ذیل کی جدول میں لوکوں کے نام دے رہے ہیں:

آدتیہ' وایو اور وشنو پرانوں آسمانوں کا کے مطابق آسمانوں کے نام	آدتیہ پران کے مطابق وہ سورج کے کس عضو سے منسوب ہیں	نمبر شمار
بھرلوک	پیٹ	I
بھور لوک	سینہ	II
سور لوک	منہ	III
مہرلوک	بھوں (ابرو)	IV
جن لوک	ماتھا (پیشانی)	V
تپ لوک	ماتھے سے اوپر	VI
سیہ لوک	کھوپڑی	VII

یہ تو تھا ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کا بیان۔ اب ہم زمین کی اوپری سطح کے حصوں کا اور ان سے متعلقہ مضامین کا بیان کریں گے۔

دویپ اور سمندر

ہندوستان کی زبان میں دیپ (دویپ) جزیرے کو کہتے ہیں۔ اسی لفظ سے سنگل دیپ (سنہالا دیپ) بنا ہے جسے ہم لوگ سرندیپ کہتے ہیں۔ دیپ جات (مالدیپ' لکا دیپ) متعدد جزیروں کا مجموعہ ہے۔ ان جزیروں میں سے بعض کمزور ہو کر مٹ جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے جزیرے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب ختم ہوتے ہوئے جزیرے کے باشندوں کو جزیرے کے مٹنے کے آثار نظر آتے ہیں تو وہ نئے جزیرے میں منتقل ہو جاتے ہیں اور اس میں اپنی آبادیاں قائم کر لیتے ہیں۔

ہندوؤں کی مذہبی روایات کے مطابق جس زمین پر ہم رہتے ہیں وہ گول ہے اور ایک سمندر سے گھری ہوئی ہے۔ اسی سمندر پر ایک دوسری زمین ہے جس کی شکل قمیض کے گلے کی مانند ہے۔ پھر اس زمین پر اسی طرح حلقے کی شکل کا ایک سمندر ہے۔ اس حلقے کی شکل کی خشک زمینوں کی تعداد سات ہے اور انہیں جزیرے کہتے ہیں۔ اسی طرح حلقے نما سمندر بھی سات ہیں۔ ان خشکیوں اور سمندروں کا حجم اس طرح ہے کہ ہر خشکی پچھلی خشکی کی دوگنا اور ہر سمندر پہلے سمندر کا دوگنا ہوتا ہے اور اسی طرح ساتوں زمینوں اور سمندروں میں سے ہر ایک کا حجم اپنے سے پہلے والے کا دوگنا ہوتا ہے یعنی اگر درمیانی زمین کا حجم ایک فرض کرلیں تو ساتوں خشکیوں کا حجم 127 ہوگا۔ اسی طرح اگر درمیانی سمندر ایک ہوگا تو ساتوں سمندروں کا حجم 127 ہوگا۔ اور زمینوں اور سمندروں کا مجموعی حجم 254 ہوگا۔

(آگے چل کر پاتن جلی اور وایو پران کے شارحوں کا مقرر کردہ زمینوں اور سمندروں کا رقبہ دیا ہے اور دنیا کا کل رقبہ معلوم کرنے کا ان کا بتایا ہوا طریقہ بھی نقل کیا ہے۔)

باب 22

قطب کے بارے میں روایات

ہندوؤں کی زبان میں قطب کو دھرو اور محور کو شلک کہتے ہیں۔ ہندو منجموں کے علاوہ دوسرے تمام ہندو صرف ہمیشہ ایک ہی قطب کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کی وجہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ آسمان گنبد (جس کا ذکر ہم کسی گزشتہ باب میں کرچکے ہیں) کی شکل ہے۔ وایو پران کے مطابق آسمان قطب کے گرد اس طرح گھومتا ہے جیسے کمہار کا چاک اور قطب خود اپنے گرد گھومتا ہے اور اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا اور گردش کا ایک دورہ تیس (30) مہورتوں یا ایک نجومی شب و روز میں مکمل کرتا ہے۔

قطب جنوبی کا ذکر کرتے ہوئے البیرونی نے ایک راجا کا قصہ نقل کیا ہے۔ راجا سوم دت جنہیں ان کے نیک کاموں کے بدلے میں جنت مل گئی تھی، جنت میں اپنے جسم سمیت داخل ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے رشی وششٹ سے اپنی اس خواہش کی تکمیل کی درخواست کی لیکن ان کو جواب ملا کہ ایسا ممکن نہیں۔ وششٹ کے بچوں نے ان کا مذاق بھی اڑایا۔ اس کے بعد راجا رشی وشوامتر کے پاس گئے جنہوں نے راجا سے خوش ہوکر ان کے لیے ایک نئی جنت بنانا شروع کی۔ چنانچہ رشی نے جنوب میں قطب اور بنات النعش بنایا لیکن اندر نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا۔ رشی نے اندر کی بات مان لی لیکن اس شرط پر کہ راجا کو جنت میں اس کے جسم سمیت داخل ہونے دیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ رشی بھی ایک دوسری دنیا کی تخلیق سے باز آگئے لیکن جو کچھ اس وقت تک بنا چکے تھے وہ باقی ہے۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ہم لوگوں میں قطب شمالی کی علامت بنات النعش

مقرر کی گئی ہے اور قطب جنوبی کی سہیل ہے لیکن ہمارے بعض اصحاب (مسلمان) جو جاہل عوام کی طرح یہ خیال کرتے ہیں کہ آسمان کی جنوبی جانب بھی شمال کی طرح کے بنات النعش ہیں اور یہ بنات النعش جنوبی قطب کے گرد گھومتے ہیں۔ یہ چیز محال ہے مگر حیرت انگیز نہ معلوم ہوتی اگر اس کا راوی کوئی ایسا معتبر شخص ہوتا جو بارہا سمندر کا دور دراز سفر کر چکا ہے۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ جنوبی ملکوں میں بعض ایسے ستارے دکھائی دیتے ہیں جن سے ہم لوگ واقف نہیں ......

جب برہما نے انسان کو پیدا کرنا چاہا تو اپنی ذات کے دو ٹکڑے کر دیے۔ دائیں حصے کا نام ویرج اور بائیں کا نام منو رکھا گیا۔ اسی نام پر ایک زمانے کا نام من و نتر رکھا گیا۔ منو کے دو بیٹے ہوئے، پریا ورت اور اتا نپد (یعنی ٹیڑھے پیروں والا راجا) اتا نپد کے ایک بیٹے کا نام دھرو تھا جس کی توہین اس کے باپ کی ایک بیوی نے کی تھی۔ اس کے صلے میں اسے تمام ستاروں کو جس طرح چاہے نچانے کی طاقت بخش دی گئی اور وہ سویم بھومن ونتر، یعنی سب سے پہلے منونتر میں ظاہر ہوا اور اس وقت سے ہمیشہ کے لیے اپنی جگہ پر قائم ہے۔

باب 23

میرو پہاڑ کی بابت پران کے مصنفوں اور دوسروں کا عقیدہ

میرو پہاڑ اور زمین کے متعلق برہم گپتا کا بیان

میرو پہاڑ دویپوں اور سمندروں کے بیچوں بیچ واقع ہے اور جمبو دویپ کا بھی مرکز ہے۔ اس لیے پہلے اسی کا بیان کرتے ہیں۔ برہم گپتا نے کہا ہے ”زمین اور میرو پہاڑ کے متعلق لوگوں کے طرح طرح کے خیال ہیں۔ خاص طور پر ان لوگوں کے جو پران اور مذہبی کتابیں پڑھتے رہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ”یہ پہاڑ بہت زیادہ بلند ہے۔ قطب کے نیچے واقع ہے اور ستارے اس کے دامن کے گرد چکر لگاتے ہیں اور ان کا نکلنا اور ڈوبنا میرو پر منحصر ہے۔ اس کا نام میرو اسی لیے رکھا گیا ہے کہ اسے ستاروں کے طلوع و غروب پر قدرت حاصل ہے اور سورج اور چاند اس کی چوٹی کی قوت سے ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس پر رہنے والے فرشتوں کے دن اور رات چھ چھ ماہ کے ہوتے ہیں۔“

(آگے چل کر اس موضوع سے متعلق بل بھدر کے نظریات پر تنقید کی ہے۔ آریہ بھٹ کے نظریات پر بھی، جن کا حوالہ بل بھدر نے دیا ہے، البیرونی کی تنقید ہے۔ موخرالذکر کے بیان میں البیرونی نے بتایا ہے کہ اس نام (آریہ بھٹ) کے دو شخص تھے۔ ایک آریہ بھٹ پورا اور دوسرا آریہ بھٹ کسم پورا۔ البیرونی نے لکھا ہے ”ہم

نے آریہ بھٹ کسم پورا کی کتاب میں پڑھا ہے کہ میرو پہاڑ ہماونت یعنی منطقہ باردرہ میں ہے اور ایک یوجن سے زیادہ بلند نہیں ہے۔

(یہ شخص آریہ بھٹ کبیر نہیں بلکہ اس کے شاگردوں میں ہے کیونکہ وہ اس کا حوالہ دیتا اور اس کی پیروی کرتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ بل بھدر نے ان دونوں ہم نام شخصوں میں سے کس کو مراد لیا ہے۔)

الغرض اس پہاڑ کے جائے وقوع کے حالات ہم کو صرف قیاس سے معلوم ہیں اور خود پہاڑ کے بارے میں بھی ان لوگوں کو جو کچھ معلوم ہے اس کا سرچشمہ روایات ہیں۔ ان روایات میں سے بعض میں اس کی اونچائی ایک یوجن بتائی گئی ہے۔ بعض روایات میں اسے مربع اور بعض میں مثمن کہا گیا ہے۔ رشیوں نے اس پہاڑ کے متعلق جو کچھ کہا ہے۔ اب ہم اسے بیان کرتے ہیں۔

(اس کے بعد پرانوں کے اقتباسات دیے ہیں اور پاتن جلی کے شارح کا نظریہ پیش کیا ہے۔)

میرو کے بارے میں بدھوں کے بیانات

میرو پہاڑ کے بارے میں ہندوؤں کی روایات سے اتنا ہی معلوم ہوسکا۔ چونکہ مجھے اب تک بدھ دھرم کی کوئی کتاب نہیں ملی ہے اور نہ کسی بدھ عالم سے میری ملاقات ہوئی ہے کہ جس سے اس پہاڑ کے بارے میں ان کے خیالات کا پتہ چلتا اس لیے ان کے خیالات کے بارے میں ہم جو کچھ بیان کریں گے ایران شہری کے حوالے سے بیان کریں گے۔ حالانکہ میرے خیال میں انہوں نے نہ تو خود اس معاملے کی تحقیق کی ہے ارو نہ کسی محقق سے سن کر بیان کیا ہے۔ بہرحال' ان کے بیان کے مطابق بدھ دھرم کے ماننے والوں کا عقیدہ یہ ہے کہ میرو پہاڑ چار دنیاؤں کے درمیان چاروں سمتوں میں واقع ہے۔ اس کا نچلا حصہ مربع اور اوپر کا حصہ گول ہے اور اس کی لمبائی 80000 یوجن ہے۔ اس کا نصف آسمان کی طرف بلند ہوگیا ہے اور نصف زمین کے اندر سما گیا

ہے۔ اس کا جنوبی پہلو جو ہماری دنیا سے ملا ہوا ہے نیلم کا ہے۔ آسمان اسی وجہ سے ہمیں نیلا دکھائی دیتا ہے۔ اس کے باقی تین اطراف سرخ، زرد اور سفید موتیوں کے ہیں۔ نیز یہ کہ میرو پہاڑ زمین کا مرکز ہے۔

باب 24

سات دویپوں میں سے ہر ایک کے بارے میں پرانوں کی روایات

متیا اور وشنو پرانوں میں دویپوں کا بیان

ہم اپنے قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس بات سے نہ گھبرائیں کہ اس باب میں آنے والے مضامین اور اسماء ان کے لیے نامانوس ہیں اور عربی میں ان سے ملتے جلتے اسما موجود نہیں ہیں۔ ناموں کے اختلاف کی توجیہہ آسان ہے اس لیے کہ اس اختلاف کا سبب زبانوں کا اختلاف ہے۔ جہاں تک مضامین کے اختلاف کا تعلق ہے تو یہ اس لیے ہے کہ ہم نے ان کو صرف اس لیے بیان کیا ہے کہ ان میں ہمیں کوئی ایسی بات معلوم ہوئی جو مسلمانوں کے لیے بھی قابل قبول ہے یا پھر کسی نظریے کے کھوکھلے پن کو ظاہر کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔

1- جمبود ویپ

ہم مرکزی جزیرے کا ذکر اس پہاڑ کے حالات کے ذکر کے ساتھ کر چکے ہیں جو زمین کے وسط میں واقع ہے۔ اس جزیرے کا نام جمبود ویپ ایک درخت کی وجہ سے رکھا گیا ہے جو اس جزیرے میں ہے اور جس کی شاخیں سو یوجن تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس جزیرے کا پورا بیان کسی آئندہ باب میں زمین اور اس کے حصوں کے بیان کے موقع پر ہوگا۔ اس وقت ہم ان جزیروں کا ذکر کریں گے جو جمبود ویپ کے چاروں طرف

ہیں۔ ان جزیروں کے ناموں کی ترتیب میں ہم مت سیا پران کی پیروی کریں گے۔

(اس کے بعد چھ جزیروں کا احوال بیان کیا ہے جو مت سیا اور وشنو پرانوں کے مطابق ہے۔ اس کے بعد ان جزیروں سے متعلق بعض مذہبی روایات اور تعجب خیز باتیں بیان کی ہیں مثلاً یہ کہ ان جزیروں کے باشندوں کی عمریں تین ہزار سال سے گیارہ ہزار سال تک کی ہوتی ہیں۔ نیچے جو اقتباسات پیش کیے جارہے ہیں ان میں سے ان حصوں کو حذف کردیا گیا اور جزیروں کے جغرافیائی حالات اور وہاں کے باشندوں کی معاشرتی خصوصیات کو ہی شامل کیا گیا ہے)

2- شاک دویپ

اب ہم شاک دویپ کا حال بیان کرتے ہیں۔ اس میں سات بڑے بڑے دریا ہیں جن میں سے ایک پاکی میں گنگا کے برابر ہے۔ اس میں سات پہاڑ ہیں جو جواہرات سے مزین ہیں۔ ان پہاڑوں میں سے بعض پر دیوتا رہتے ہیں اور بعض پر شیاطین آباد ہیں۔ ان میں ایک پہاڑ سونے کا ہے جو بہت اونچا ہے۔ اس پہاڑ سے اٹھنے والے بادل ہمارے یہاں پانی برساتے ہیں۔ ایک پہاڑ میں کل دوائیں ہیں۔

شاک دویپ کے باشندے نیک اور بڑی عمر کے ہوتے ہیں۔ حرص و حسد سے پاک ہونے کی وجہ سے انہیں بادشاہوں کی حکومت کی ضرورت نہیں ہے۔ ان میں بھی چاروں رنگ یعنی ذاتیں ہیں۔ ایک ذات کے لوگ دوسری ذات والوں سے نہ ملتے ہیں اور نہ آپس میں شادیاں کرتے ہیں۔ ان کی ذاتیں یہ ہیں: آریک' کرور' دومسا (دوامسا) اور بھاون یہ سب داسودیو کی پوجا کرتے ہیں۔

3- کش دویپ

تیسرا جزیرہ کش دویپ ہے۔ اس جزیرے میں جواہرات' میوے' خوشبودار بوٹیوں اور غلے سے بھرے ہوئے سات پہاڑ ہیں۔ اس جزیرے میں سات ریاستیں اور بے شمار دریا ہیں جو سمندر تک جاتے ہیں جہاں اندر ان کو بارش میں بدل دیتا ہے۔ اس کے بڑے دریاؤں میں سے ایک جونو (جمنا) ہے جو گناہوں کو دھو دیتا ہے۔ یہاں کے

باشندے، نیک اور گناہوں سے پاک ہیں۔ یہ لوگ جناردھن کی پوجا کرتے ہیں۔ ان کی ذاتوں کے نام دامن، سوشمن، سیبہ اور مندیہہ ہیں۔

4- کرونچ دویپ

چوتھے جزیرے کرونچ دویپ میں جواہرات کے پہاڑ ہیں۔ یہاں کے دریا گنگا کی شاخیں ہیں۔ یہاں کی ریاستوں میں رہنے والے گورے چٹے نیک اور پاکباز ہیں۔ وشنوپران میں ہے کہ وہاں کے سب لوگ مل جل کر ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور ان میں کسی قسم کا امتیاز موجود نہیں ہے۔ مگر آگے چل کر ان کے طبقات کے نام یہ بتاتے ہیں۔ پشکر، پشکل، دھنوا اور ترشیہ۵۔ یہ سب جناردھن کی پرستش کرتے ہیں۔

5- شال مل دویپ

پانچویں جزیرے، شال مل دویپ میں پہاڑ اور دریا ہیں۔ یہاں کے باشندے پاک، طویل العمر اور حلیم ہیں۔ ان کو کبھی غصہ نہیں آتا۔ یہاں کبھی قحط نہیں پڑتا اور نہ کسی چیز کی کمی پڑتی ہے۔ بھوک لگتے ہی کھانا ان کے سامنے آجاتا ہے۔ اس کے لیے انہیں کھیتی یا اور کوئی کام نہیں کرنا پڑتا۔ ان کو زمین جائیداد کی طرف کوئی رغبت نہیں اس لیے ان کو بادشاہوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے یہاں آب و ہوا ایک سی رہتی ہے اور گرمی اور سردی کی حالت میں تبدیلی نہیں ہوتی اس لیے انہیں سردی یا گرمی سے بچنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کے یہاں بارش نہیں ہوتی بلکہ پانی زمین سے نکلتا اور پہاڑوں سے ٹپکتا ہے۔ اس کے بعد کے جزیروں کا بھی یہی حال ہے۔ یہ لوگ خوبصورت ہوتے ہیں اور بھگوت کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ لوگ آگ پر نذریں چڑھاتے ہیں۔ ان کی ذاتوں کے نام کپل، ارن، پیت اور کرشن ہیں۔

6- گومیڈا دویپ

چھٹے جزیرے 'گومیڈا دویپ' میں دو بڑے پہاڑ ہیں۔ ایک کا نام سم نس اور یہ گہرے سیاہ رنگ کا ہے۔ یہ پہاڑ جزیرے کے بڑے حصے کو گھیرے ہوئے ہے۔ دوسرا

پہاڑ کمودا ہے۔ یہ سنہرے رنگ کا ہے' بہت زیادہ اونچا ہے اور اس میں تمام دوائیں موجود ہیں۔ اس جزیرے میں دو ریاستیں ہیں۔ وشنو پران کے مطابق یہاں کے باشندے نیک ہیں اور گناہ نہیں کرتے۔ یہ لوگ وشنو کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کی ذاتوں کے نام مرگ' ماگدھ' مانس اور مندگ ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا اتنی صحت بخش اور لطیف ہے کہ جنت کے لوگ ہوا کھانے کے لیے کبھی کبھی یہاں آتے ہیں۔

7- پشکر دویپ

ساتویں جزیرے' پشکر دویپ کے' جیسا کہ متیا پران میں لکھا ہے' مشرقی حصے میں چترسال نامی پہاڑ ہے جس میں رنگ برنگے موتیوں کے نقش و نگار بنتے ہوئے ہیں۔ اس کی اونچائی 34000 یوجن اور اس کا رقبہ 25000 یوجن ہے۔ اس کے مغربی حصے میں مانس پہاڑ ہے جو پورے چاند کی طرح روشن ہے۔ اس کی اونچائی 35000 یوجن ہے۔ اس کے مشرق میں دو ریاستیں ہیں۔ ان کے لیے پانی زمین سے ابلتا اور پہاڑ سے ٹپکتا ہے۔ ان کے یہاں بارش نہیں ہوتی اور نہ کوئی دریا بہتا ہے۔ ان کے یہاں نہ گرمی پڑتی ہے اور نہ سردی۔ یہ سب ایک قوم ہیں اور ان میں ذات پات کا امتیاز نہیں' ان کے یہاں قحط نہیں پڑتا اور نہ یہ لوگ بوڑھے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ گویا جنت کی فضا میں رہتے ہیں اس لیے ان کے یہاں نہ نوکری نہ بادشاہت' نہ گناہ نہ حسد' نہ جھگڑا ہے اور نہ تکرار' نہ کھیتی کی مشقت ہے نہ تجارت کی محنت۔ وشنو پران کے مطابق یہاں کے تمام باشندے برابر ہیں اور کوئی کسی پر اپنی فضیلت نہیں جتلاتا ہے۔ اس دیپ میں صرف ایک پہاڑ ہے جس کا نام مانسوتما ہے او یہ گول شکل کا ہے۔ اس پہاڑ کی چوٹی سے تمام دویپ نظر آتے ہیں کیوں کہ اس کی اونچائی 50000 یوجن ہے اور چوڑائی بھی اتنی ہی ہے۔

باب 25

ہندوستان کے دریا' ان کے سرچشمے اور راستے

یورپ اور ایشیا کے دریا ہمالیہ اور اس کے مشرق اور مغربی سلسلوں سے نکلتے ہیں

متیا پران اور وایو پران میں جمبو دویپ میں بہنے والے دریاؤں کا ذکر موجود ہے۔ ان پرانوں کے یہ دریا ہماونت پہاڑ سے نکلے ہیں۔ ذیل کی جدول میں ہم نے ان کی گنتی درج کردی ہے لیکن کسی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا ہے۔ قاری کو یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ یہ پہاڑ ہندوستان کی قدرتی سرحد ہیں۔ ہندوستان کے شمال کی جانب برف پوش ہماونت پہاڑ ہے۔ اس کے وسط میں کشمیر ہے۔ ان پہاڑوں کا سلسلہ ترکستان سے مل گیا ہے۔ اس کی ٹھنڈی چوٹیاں آباد دنیا کے کناروں اور میرو پہاڑ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ چونکہ اس پہاڑ کا پھیلاؤ طول البلد میں ہے اس لیے جو دریا اس کے شمال کی طرف سے نکلتے ہیں وہ ترکستان' تبت' خزر اور سلوونیوں کے ملک میں بہتے ہوئے بحر جرجان (بحر کیسپین) یا بحیرۂ خوارزم' بحرارال یا بحر پونٹس (بلیک سی) یعنی بحراسود یا سلوونیوں کے شمالی سمندر (بالٹک) میں گرتے ہیں اور جو دریا جنوب کی جانب نکلتے ہیں وہ ہندوستان میں بہتے ہوئے اکیلے یا دوسرے دریاؤں کے ساتھ مل کر بڑے سمندر میں گرتے ہیں۔

ہندوستان کے دریا یا تو شمال کے سرد پہاڑوں سے نکلتے ہیں یا مشرق کے پہاڑوں سے۔ یہ دونوں دراصل ایک ہی پہاڑی سلسلے کی کڑیاں ہیں (جو مشرق کی جانب بڑھ کر

جنوب کی طرف مڑ گیا ہے) اور بڑے سمندر تک پہنچ گئے ہیں اور رام کے پل کے پاس سمندر میں داخل ہوگئے ہیں۔ گرمی اور سردی کے اعتبار سے ان پہاڑوں میں بہت فرق ہے۔ ذیل میں دریاؤں کے نام کی جدول پیش کی جاتی ہے۔

ساتادر	اراوتی	بیاہا	چندربھاگ	بیتا	سندھ
یا	لاہور کے	لاہور کے	یا	یا	یا
شتل دار	مشرقی جانب	مغربی جانب	چندراہا	جہلم	وے ہند کا دریا
دہو	دے ویکا	سرایو	گنگا	جون	سارست
		یا			ملک سارست
		سروا			میں بہتا ہے
سچر	کوشکی	بھوداس	وشال	دھتاپپ	گومتی
وید سمرتی	پرناس	تامرارن	درشدوتی	لوہت	گنڈک
ودیشا	چمن دتی	پار	کان	چندن	وداسنی
		شماہن	کرتویا	سپرا	وینومتی
				پریاترا سے نکلتا وینومتی	
				اور اجین سے	
				گزرتا ہے	

پنجاب کے دریا

دریائے جہلم کا نام اس کے مغربی کنارے پر واقع شہر جہلم کے نام پر ہے۔ جہلم اور چندراہا دونوں دریا جہراور سے پچاس میل اوپر ایک دوسرے میں مل جاتے ہیں اور ملتان کے پچھم سے گزرتے ہیں۔ دریائے بیاہ ملتان کے مشرق سے گزر کر چندراہا اور بیات میں مل جاتا ہے۔

دریائے گاج جو بھاتل کے پہاڑوں میں نگرکوٹ سے نکلتا ہے دریائے ارواوا میں

مل جاتا ہے۔ اس کے بعد یہاں کا پانچواں دریا شتلدر (ستلج) ہے جب یہ پانچوں دریا ملتان کے نیچے ایک مقام پنچ ند (یعنی پانچوں دریاؤں کا سنگم) پر مل جاتے ہیں تو ان کا پاٹ بہت بڑا ہو جاتا ہے۔ سیلاب کے زمانے میں اس کا پاٹ دس فرسخ تک پھیل جاتا ہے اور پانی کی سطح اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ درخت اس میں ڈوب جاتے ہیں اور بعد میں جب پانی اترتا ہے تو سیلاب کے پانی کے ساتھ بہہ کر آنے والا کوڑا کرکٹ ان کی شاخوں پر اس طرح رکھا ہوا ملتا ہے جیسے کسی چڑیا کا گھونسلا۔

جب دریائے سندھ اپنے معاون دریاؤں کے ساتھ مل کر سندھ کے شہر ارور سے آگے بڑھتا ہے تو مسلمان اسے دریائے مہران کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ دریا سیدھا بہتا رہتا ہے۔ اس کا پاٹ چوڑا ہوتا رہتا ہے اور پانی بھی صاف سے صاف تر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ منصورہ تک پہنچ جاتا ہے جو اس کی شاخوں کے درمیان واقع ہے اور دو جگہوں پر سمندر میں گر جاتا ہے۔ ایک شہر لوہارانی کے قریب اور دوسرے سندھ ساگر (یعنی بحر سندھ) کے مقام پر جو کسی قدر مشرق میں کچھ کے صوبے میں واقع ہے۔

دریائے سرستی سومنات سے ایک تیر کے فاصلے پر سمندر میں گرتا ہے۔

ہندوستان کے مختلف دریا

دریائے جون قنوج کے نیچے دریائے گنگا سے مل جاتا ہے۔ قنوج گنگا کے مغرب جانب واقع ہے۔ پھر یہ دونوں ملے ہوئے دریا گنگا ساگر کے قریب بڑے سمندر میں گر جاتے ہیں۔ دریائے سرستی اور دریائے گنگا کے دہانوں کے درمیان دریائے نربدا کا دہانہ ہے۔ نربدا پورب کے پہاڑوں سے نکلا ہے اور جنوب مغرب میں بہتا ہوا بھڑوچ کے مقام پر (جو سومناتھ سے ساٹھ یوجن کے فاصلے پر ہے) سمندر میں گر جاتا ہے۔ دریائے گنگا کے پیچھے دریائے رہب اور اونی بہتے ہیں جو باڑی شہر کے قریب دریائے سرو میں مل جاتے ہیں۔

دریائے گنگا جو وسطی اور اصل ہے گندھرو، گویوں، کمنار، یکشوں، راکشس، ودیا دھر، ارگ (یعنی اپنے سینوں پر رینگنے والے سانپ) کلپا گرام (نیک لوگوں کا گاؤں) کم

پروش، کھاسا پہاڑی لوگ، کرت، پلندا، میدان کے شکاری، ڈاکو، کرو، بھرت، پنچال، کوشکہ متیا، ماگدھ، برہموترا اور ثمال پت میں ہوتی ہوئی بہتی ہے۔ یہ اچھے اور برے لوگ ہیں جن کے علاقوں سے گنگا گزرتی ہے۔ اس کے بعد یہ وندھیا پہاڑ کی گھاٹیوں میں (جہاں ہاتھی رہتے ہیں) داخل ہوتی ہے اور بعد میں جنوبی سمندر میں گر جاتی ہیں۔ گنگا کی مشرقی شاخوں میں سے دریائے ہاردنی ان ملکوں میں ہو کر بہتی ہے: شب، اپکان، دھی ور، پرشک، نیلا مکھ، کیکر، اشترا کرن (وہ لوگ جن کے ہونٹ کانوں کی طرح گھومے ہوئے ہوتے ہیں) کرت، کلی در، ویورن (وہ لوگ جو بے انتہا کالے ہیں اور اس وجہ سے بے رنگ کہلاتے ہیں) کوشی کن اور سورگ بھوم (جنت کا نمونہ) کے علاقوں سے گزرنے کے بعد یہ مشرقی سمندر میں گر جاتی ہے۔

باب 26

ہندو منجموں کے خیال کے مطابق زمین اور آسمان کی شکل

قرآن تمام تحقیق کی واضح اور صحیح بنیاد ہے

ان مسائل کے بارے میں جس طرح ہندوؤں نے سوچا اور سمجھا ہے وہ ہم مسلمانوں کے مسلک کے برعکس ہے۔ ان مسائل کے بارے میں اور ایسے دوسرے مسائل کے بارے میں جن کا جاننا انسان کے لیے ضروری ہے قرآن کی جو آیات ہیں وہ ایسی نہیں ہیں جن سے ان حقائق کا استنباط کرنے کے لیے ان کی دور از کار تاویل کرنا پڑے یہی حالت ان صحیفوں کی بھی ہے جو قرآن سے پہلے نازل ہوئے۔ ان امور کے بارے میں جنہیں جاننا انسان کے لیے ضروری ہے قرآن کی آیات نہ صرف واضح اور ابہام سے پاک ہیں بلکہ دوسرے مذہبی صحیفوں سے مکمل طور پر ہم آہنگ بھی ہیں۔

ہندو اپنے نجومیوں کا بہت احترام کرتے ہیں

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں اور روایات کے مجموعوں یعنی پرانوں میں دنیا کی شکل و صورت کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اسے ہندو منجمین حقیقت کے برعکس جانتے ہیں۔ لیکن ہندو اپنی مذہبی رسوم ان کتابوں کے مطابق انجام دیتے ہیں اور ان کتابوں کے اثر سے ہندو عوام میں ستاروں کی چال اور ان کا انسانی تقدیر پر اثر معلوم کرنے اور مستقبل کے بارے میں فال لینے کا رجحان پیدا ہوگیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہیں

نجومیوں سے بڑی عقیدت ہے اور وہ نجومیوں کو نہایت نیک اور ان سے ملنے کو اپنے لیے بابرکت جانتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ نجومی سب کے سب جنتی ہیں اور ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔

نجومی عوامی عقیدوں کی رعایت رکھتے ہیں

نجومی عوام کے خیالات سے اتفاق ظاہر کرتے اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بیشتر حقیقت کے منافی ہیں نیز یہ کہ عوام کے ان خیالات کو مذہبی رنگ میں پیش کرتے اور اس طرح عوام کی روحانی حاجت پوری کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عام نظریات اور علمی نظریات خلط ملط ہوگئے ہیں اور منجمین کے نظریات میں الجھاؤ اور ابہام پیدا ہوگیا۔ خصوصاً ان لوگوں کے نظریات میں جو تحقیق کے بغیر اصول کو روایات سے اخذ کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔

زمین کے گول ہونے' میرو پہاڑ اور وادو مکھ کے متعلق نجومیوں کے خیالات

اب ہم موضوع زیربحث' یعنی آسمان اور زمین کی شکل و صورت کے بارے میں ہندو نجومیوں کے نظریات بیان کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں آسمان اور کل دنیا گول ہے' زمین کی شکل کروی --------- ہے۔ اس کا شمالی نصف حصہ خشکی ہے اور جنوبی نصف پانی میں ڈوبا ہوا ہے۔ زمین کا محیط ہندوؤں کے خیال میں اس سے زیادہ ہے جتنا یونانیوں کے نزدیک ہے یا جو حالیہ مشاہدات سے معلوم ہوا ہے۔ ان کے بعد کے لوگوں نے البتہ زمین کے حدود کا حساب لگانے میں روایتی سمندروں اور دویپوں کے فرضی حدود' جو ہزاروں یوجن کے تھے' کو شمار نہیں کیا ہے۔ لیکن ان باتوں میں' جن سے ان کے فن میں خلل نہیں پڑتا' دینی عالموں کی پیروی کرتے ہیں مثلاً میرو پہاڑ کا قطب شمالی کے نیچے ہونا یا وادو مکھ جزیرے کا قطب جنوبی کے نیچے ہونا۔ میرو پہاڑ وہاں ہو یا نہ ہو

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کے وجود کو آسیائی گردش کی تاویل کے لیے بطور محور فرض کرلیا گیا ہے۔ اس کی ضرورت اس نظریہ کی تاویل کے لیے بھی پڑی کہ زمین کے ہر نقطے کے بالمقابل آسمان پر بھی ایک نقطہ موجود ہے۔ اسی طرح جنوبی جزیرے وادومکھ کا وجود بھی فن ہیئت کے لیے بے ضرر ہے۔ یہ ممکن بلکہ ضروری ہے کہ زمین کے چار حصوں میں سے دو حصے مسلسل خشکی کے ہیں اور دو حصے پانی یا سمندر کے نیچے ڈوبے ہوئے ہیں (اور حقیقت میں قطب جنوبی کے نیچے اس قسم کا کوئی جزیرہ موجود نہیں ہے) زمین کی اس ہیئت کو ایسے فرض کرنا زمین کی کشش کے اصول کے پیش نظر ضروری ہے کیوں کہ ان کے نظریے کے مطابق زمین کائنات کے وسط میں ہے اور تمام چیزیں زمین کی طرف کھینچتی ہیں۔ غالباً کشش کے اسی قانون کے پیش نظر انہوں نے آسمان کو بھی کروی شکل کا سمجھ لیا ہے۔

(اس کے بعد پلس کے سدھانت اور برہم گپتا کے برہما سدھانت کے اقتباسات پیش کیے ہیں۔ آریہ بھٹ، وسسٹا اور لاٹ کے بھی حوالے دیئے ہیں۔)

زمین کے گول ہونے، شمالی اور جنوبی نصف کروں میں کشش کا توازن اور کشش کے اثرات کی توجیہات

آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ان کا کروی ہونا، زمین کا وسط کائنات میں ہونے نیز دکھائی دینے والے آسمانی حصے کے مقابلے میں زمین کا بہت چھوٹا ہونا، ان امور کے بارے میں ہندو علمائے نجوم کے اقوال بیان ہوئے۔ یہ خیالات علم ہیئت کے ابتدائی اصول کے طور پر مجسطی اور دوسری کتابوں کے پہلے باب میں بیان کیے گئے ہیں۔ پھر ہندوؤں کے ان اقوال میں وہ قطعیت اور علمی انداز نہیں ہے جس طرح ہم لوگوں کے یہاں پایا جاتا ہے۔

(آگے کی عبارت غائب ہے)

زمین پانی سے بھاری ہے اور پانی ہوا کی طرح سیال ہے۔ زمین کا کروی ہونا ایک طبعی ضرورت ہے اور جب تک خدا اس کی شکل کو نہ بدلنا چاہے اس میں تبدیلی نہیں

ہو سکتی۔ زمین کا شمال کی طرف اور پانی کا جنوب کی طرف اس طرح ہٹ جانا کہ پورا ایک نصف خشکی اور دوسرا نصف پانی یا سمندر ہو جائے، ممکن نہیں ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم زمین کے خشک حصے کو کھوکھلا فرض کرلیں۔

ہم کو استقرا سے جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کے مطابق شمالی دوربعوں میں سے ایک ربع خشکی ہے اور یہی حال جنوبی حصے کا بھی ہے۔ جزیرہ داودمکھ کے وجود کا امکان ہو سکتا ہے لیکن اس کے ثبوت میں ہمارے پاس کوئی دلائل نہیں ہے کیونکہ اس جزیرے اور میرو پہاڑ کے بارے میں ہم جو کچھ جانتے ہیں وہ روایات پر مبنی ہے۔

زمین کے جس ربع کا حال ہمیں معلوم ہے، اس کے اور سمندر کے درمیان خط استوا کو حد فاصل نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ بعض جگہوں پر خشکی سمندر میں داخل ہوکر دور تک چلی گئی ہے اور خط استوا سے آگے نکل گئی ہے جیسے مغرب میں جبشیوں کے میدان جو جنوب میں جبال قمراور دریائے نیل کے سرچشموں سے آگے تک سمندر میں چلے گئے ہیں جہاں کا حال ہمیں ٹھیک سے نہیں معلوم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حصہ ناقابل گزر ریگستان ہے اور سفالہ زنج سے آگے کا سمندر بھی کشتی رانی کے قابل نہیں ہے۔ اگر کسی نے اپنی کشتی کو آگے بڑھایا تو وہ وہاں سے واپس نہیں آیا کہ یہ خبر دیتا کہ اس نے کیا دیکھا تھا۔

اسی طرح صوبہ سندھ کے اوپر ہندوستان کا ایک بڑا حصہ اتنا آگے تک سمندر میں چلا گیا ہے کہ شاید خط استوا سے بھی آگے بڑھ گیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان عرب اور یمن ہیں لیکن یہ اس حد تک سمندر میں داخل نہیں ہیں کہ خط استوا سے آگے نکل گئے ہوں۔

پھر جس طرح خشکی سمندر میں داخل ہے اسی طرح سمندر بھی خشکی میں در آیا ہے، جس سے کھاڑیاں اور خلیجیں بن گئی ہیں۔ مثلاً سمندر کی ایک شاخ عرب کے مغرب میں تقریباً وسط شام تک چلی گئی ہے۔ اور قلزم کے قریب بہت تنگ ہے اور اسی لیے اس کو بحیرۂ قلزم کہتے ہیں۔ عرب کے مشرقی جانب سمندر کی اس سے بھی بڑی شاخ خشکی میں در آئی ہے اور خلیج فارس کے نام سے مشہور ہے۔ ہندوستان اور چین

کے درمیان سمندر شمال کی طرف ایک بڑے موڑ کی صورت میں گھوما ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ملکوں کا ساحل نہ تو ہر جگہ خط استوا کے متوازی اور نہ ہر جگہ اس سے مساوی فاصلے پر ہے۔

(آگے کی عبارت مٹ گئی ہے)

چاروں شہروں کا بیان اپنی اپنی جگہ پر آگے چل کر کیاجائے گا۔ مختلف مقامات پر وقت کا اختلاف، جس کا ذکر کیا گیا، زمین کے گول ہونے اور کائنات کے وسط میں ہونے کی وجہ سے ہے۔ ان لوگوں نے زمین کے ساتھ اس پر رہنے والوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ شہروں کا تصور اس کے مکینوں کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام بھاری چیزیں اپنے مرکز یعنی کائنات کے وسط کی طرف کھینچتی ہیں اور یہی وسط، زمین ہے۔

اسی سے ملتا جلتا وایو پران کا یہ بیان ہے کہ جب امراوتی میں دوپہر ہوتی ہے "وے وسوت" میں سورج نکلنے کا وقت ہوتا ہے۔ سکھا میں آدھی رات اور وبھا میں سورج ڈوبنے کا وقت ہوتا ہے۔

زمین کی کشش کے متعلق برہم گپتا اور ورہ میر کے بیانات

ہندوؤں نے نشیب کی تعریف وہی کی ہے جو ہمارے یہاں ہے یعنی یہ عالم کا وسط ہے لیکن ان کے بیانات کا انداز ہم سے مختلف ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس پران کے بڑے علمائے ہیئت نے اظہار خیال کیا ہے۔

برہم گپتا کا بیان ہے کہ "علما نے یہ فیصلہ صادر کیا ہے کہ کرہ زمین آسمان کے وسط میں ہے اور میرو پہاڑ دیووں (فرشتوں) کا مسکن ہے جب کہ اس کے نیچے وادوکھ میں ان کے مخالفین د۔یہ اور دانو رہتے ہیں۔ لیکن یہ نیچائی ان کے خیال میں محض اضافی ہے۔ اگر اس سے صرف نظر کرلیا جائے تو زمین ہر طرف سے ایک سی ہے۔ زمین پر سب لوگ سیدھے کھڑے ہوتے ہیں اور ہر بھاری چیز، قانون قدرت کے مطابق، زمین

پر گرتی ہے۔ زمین کی فطرت میں یہ رکھا گیا ہے کہ وہ چیزوں کو کھینچے اور تھامے رہے جس طرح پانی کی فطرت میں یہ ہے کہ وہ بہتا رہے یا جس طرح آگ کی فطرت جلانا اور ہوا کی فطرت حرکت دینا ہے۔ اگر کوئی چیز زمین سے بھی نیچے جانا چاہے تو جانے دو۔ زمین ہی واحد نیچی چیز ہے اور بیج چاہے کسی طرف پھینکا جائے زمین پر ہی گرتا ہے اور زمین سے اوپر نہیں اٹھتا۔"

درہ میر کہتا ہے "پہاڑ، سمندر، دریا، پیڑ، شہر، انسان اور فرشتے سب کرہ زمین کے گرد ہیں اور اگر یم کوٹی اور روم ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایک دوسرے کے مقابلے میں نیچا ہے کیوں کہ نیچے کا کوئی وجود نہیں ہے۔ پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ فلاں جگہ نیچے ہے جبکہ اس جگہ کی حالت بالکل ویسی ہی ہے جیسی زمین کی دوسری جگھوں کی اور اگر ایک جگہ نیچے گرتی ہے تو دوسری جگہ کے گرنے کا بھی اسی قدر امکان ہے کیونکہ زمین ہر اس چیز کو کھینچتی ہے جو اس پر ہے اور زمین ہر طرف سے نیچی اور آسمان ہر طرف سے اونچا ہے۔"

(اس کے بعد انسانی نگاہ کی حد کے بارے میں مل بھدر کے بیان پر تنقید کی ہے۔ زمین کے محور کے بارے میں پولس کے نظریات پر بھی تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔)

باب 27

ہندو منجمین اور پران کے مصنّفین کے مطابق کائنات کی دو اولین حرکتیں

(ان میں سے ایک حرکت قدیم منجموں کے خیال میں مشرق سے مغرب کی طرف تھی)

اس مسئلہ میں ہندو منجمین کی رائے تقریباً وہی ہے جو ہم لوگوں کی۔ ہم ان کے اقتباسات یہاں پیش کریں گے لیکن ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ ہمیں ان لوگوں کے جو اقوال ملے ہیں وہ بہت تھوڑے ہیں۔

(اس کے بعد پلس، برہم گپتا اور بل بھدر کے اقوال پیش کیے ہیں)

اس موضوع پر ہندوستان کی کتابوں میں مجھے اتنا ہی ملا ہے۔

اس نظریہ پر کہ ہوا فلک کو حرکت دیتی ہے، مصنف کی تنقید

ہوا کو ان لوگوں نے حرکت کا سبب (سپر) غالباً اس لیے کہا ہے کہ اس سے لوگوں کو اس موضوع کے سمجھنے میں آسانی ہو اور اس کا مطالعہ سہل ہو جائے۔ کیوں کہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جب پنکھ والے آلات اور کھلونوں کو ہوا لگتی ہے تو ان میں حرکت پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن جب یہ لوگ محرک اول (خدا) کا ذکر چھیڑتے ہیں تو اس کا موازنہ طبعی ہوا سے نہیں کرتے۔ اس لیے کہ طبعی ہوا میں مختلف اسباب

سے فرق ہوتا رہتا ہے اور اگرچہ ہوائے طبعی چیزوں میں حرکت پیدا کرتی ہے لیکن حرکت پیدا کرنا اس کا جوہر نہیں ہے۔ پھر یہ (ہوا) اس وقت تک کسی چیز میں حرکت نہیں پیدا کرسکتی جب تک کہ اس چیز سے مس نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوا خود ایک جسم ہے اور بیرونی اثرات و ذرائع سے اثر پذیر ہوتی ہے۔ اور اس کی اپنی حرکت ان اثرات و ذرائع کی قوت کے مطابق ہوتی ہے۔

ان کا یہ کہنا کہ ہوا کبھی ٹھہرتی نہیں' یہ بتاتا ہے کہ ہوا مسلسل حرکت میں رہتی ہے۔ اس سے وہ سکون اور حرکت مراد نہیں جو جسموں کے لیے مخصوص ہیں۔ اسی طرح جب وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کے چلنے میں سستی یا ڈھیل نہیں آتی تو اس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ ہر قسم کے حوادث سے مامون ہے کیونکہ ڈھیل اور کمزوری صرف ان اجسام میں ہوتی ہیں جو متضاد حواس رکھنے والے عناصر سے بنے ہیں۔

قطب فلک کی حفاظت کرتے ہیں

ان کا یہ کہنا کہ قطبین فلک ثوابت کو تھامے ہوئے ہیں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اس کی گردش کو قائم رکھتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اسے گرنے سے محفوظ رکھتے ہیں۔ (البیرونی نے بل بھدر اور برہم گپتا کے نظریات پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل امور پر پرانوں کے اقوال کا بھی جائزہ لیا ہے۔

(1) ثوابت (2) زمانے کی اضافی نوعیت (3) زمین کے مختلف مقامات سے نظر آنے والی فلکی گردش کی سمت۔)

باب 28

دس سمتیں

فضا میں اجسام کا پھیلاؤ تین اطراف میں ہوتا ہے' یعنی لمبائی میں' چوڑائی میں اور گہرا یا اونچائی میں۔ ان سمتوں کا جو حقیقت میں موجود ہیں اور محض خیالی نہیں' پھیلاؤ ایک حد پر ختم ہو جاتا ہے اس لیے ان تینوں سمتوں کے خطوط کی بھی حدیں ہیں اور ان خطوط کے کنارے ہی' جو تعداد میں چھ ہیں' سمتیں ہیں۔ اگر یہ فرض کرلیں کہ ان خطوط کے وسط یعنی وہ نقطہ جہاں یہ خطوط آپس میں ملتے ہیں کوئی جانور کھڑا ہے جس کا منہ کسی ایک سمت میں ہے تو سمتیں یہ ہوں گی: آگے' پیچھے' دائیں' بائیں اوپر اور نیچے۔

جب ان اطراف کو دنیا کے سیاق میں استعمال کرتے ہیں تو ان کے نام دوسرے ہو جاتے ہیں۔ چوں کہ اجسام فلکی کا طلوع و غروب افق میں ہوتا اور پہلی حرکت افق سے ہی ظاہر ہوتی ہے اس لیے سمتوں کا تعین کرنے کے لیے افق ہی مناسب نقطہ ہے۔ چار سمتیں یعنی پورب' پچھم' اتر اور دکھن (یعنی آگے' پیچھے' بائیں اور دائیں) مشہور ہیں لیکن ہر دو سمتوں کے درمیان کی سمتیں مشہور نہیں ہیں۔ یہ سب مل کر آٹھ سمتیں ہوتی ہیں اور اگر ان میں اوپر اور نیچے کو بھی شامل کرلیں تو سمتوں کی تعداد دس ہو جاتی ہے جس کی مزید تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں۔

ہندوؤں نے جہتوں کی تعین میں ہوا کے چلنے کا لحاظ نہیں رکھا ہے۔ ان کے ہاں چار اصل سمتیں اور ان کے درمیان کی چار ثانوی سمتیں کل آٹھ سمتیں معین ہیں جو ذیل کے نقشے میں درج کی جاتی ہیں۔

		جنوب		
جنوب مشرق				جنوب مغرب
	اگنیہ	دکشن	نیرت	
مشرق	پورو	مدھیہ دیس (وسطی ملک)	پچھم	مغرب
شمال مشرق	ایسن	اتر	وایو	شمال مغرب
		شمال		

ان کے علاوہ دو قطبوں کی سمتیں ہیں۔ اوپر اور نیچے، اول الذکر کو اوپر اور آخرالذکر کو ادھس یا تال کہتے ہیں۔

ہندو جب بھی کسی چیز کا ذکر کرتے ہیں، چاہے وہ عقلی ہو یا خیالی، تو اسے مشخص شکل میں پیش کرتے ہیں اور فوراً اس کی شادی کر دیتے ہیں اور اس کے لیے مجامعت اور قیام حمل کا انتظام کر دیتے اور اولاد پیدا کر دیتے ہیں چنانچہ وشنو دھرم میں ہے کہ "اتری نے، جو نبات السعش پر راج کرتا ہے، سمتوں سے، جو آٹھ ہونے کے باوجود ایک ہی ہستی ہیں، شادی کر لی اور اس سے چاند پیدا ہوا۔"

اپنے دستور کے مطابق ہندوؤں نے آٹھوں سمتوں کے حاکم بھی مقرر کر دیے ہیں، جنہیں ہم ذیل کے نقشے میں درج کرتے ہیں۔

سمتیں	ان کے حاکم	سمتیں	ان کے حاکم
مغرب	ورن	مشرق	اندر
شمال مغرب	وایو	جنوب مشرق	اگنی
شمال	کرو	جنوب	یم
شمال مشرق	مہادیو	جنوب مغرب	پرتھو

باب 29

ہندوؤں کے مطابق آباد زمین کی تعریف

آبادی کے بارے میں رشی بھووناکوش کا قول

ہم نے رشی بھووناکوش کی کتاب میں پڑھا ہے کہ آباد دنیا ہماونت سے جنوب کی طرف پھیلی ہوئی ہے اور اس کا نام بھارت ورش ہے، یہ نام بھارت نامی شخص کے نام پر پڑا ہے جو ان پر حکومت کرتا اور ان کی کفالت کرتا تھا۔ اسی آباد حصے کے رہنے والوں کو آخرت میں عذاب اور ثواب ملے گا۔ یہ آبادی نو حصوں میں منقسم ہے جنہیں ابتدائی نو حصے یا نوکھنڈ پرتم کہتے ہیں۔ ہر دو کھنڈوں کے درمیان سمندر ہے جسے پار کرکے ایک کھنڈ سے دوسرے کھنڈ کو جاتے ہیں۔ آباد دنیا کی شمال سے جنوب کی طرف چوڑائی ایک ہزار یوجن ہے۔

ہماونت سے مصنف کی مراد شمالی پہاڑ ہیں جہاں سردی کی وجہ سے آبادی نہیں ہے۔ چنانچہ تمام آبادی ان پہاڑوں کے جنوب میں ہی ہے۔

یہاں کے باشندوں کے متعلق اس کا یہ کہنا کہ آخرت میں سزا اور جزا صرف انہیں کے لیے ہے، یہ ظاہر کرتا ہے کہ دوسرے لوگ حساب کتاب سے مبرا ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ لوگ انسانیت کے مرتبے سے بلند ہوکر فرشتے بن چکے ہیں اور پاک عناصر سے بنے ہوئے اور خدا کی نافرمانی نہ کرنے کے سبب مواخذہ سے بری ہوگئے ہیں یا پھر انسانیت کے درجے سے گر کر بے عقل جانوروں کے زمرے میں آگئے ہیں۔ مصنف کے خیال میں اس آباد حصے یعنی بھارت ورش سے باہر انسان موجود نہیں

ہیں۔

بھارت ورش، صرف ہندوستان کی سرزمین نہیں ہے۔ جیسا کہ ہندو سمجھتے ہیں کہ دنیا فقط ہندوستان ہے اور فقط ہندو ہی انسان ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے درمیان میں کوئی سمندر نہیں ہے جس سے کہ اس کا ایک کھنڈ دوسرے سے الگ ہوتا۔ پھر ان کھنڈوں سے دویپ بھی مراد نہیں لیے جا سکتے کیوں کہ ایک کھنڈ کے ساحل سے دوسرے کھنڈ کے ساحل تک سمندر کو پار کرکے ہی پہنچا جا سکتا ہے۔ مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہندو اور دنیا کے دوسرے باشندے، سب آخرت میں سزا اور جزا پائیں گے نیز یہ کہ یہ سب ایک ہی عظیم مذہبی فرقے میں شامل ہیں۔ آبادی کے نوکھنڈوں کو پرتھم اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ہندوستان کو بھی نوحصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس حساب سے دنیا کی تقسیم پہلی اور ہندوستان کی تقسیم ثانوی قرار پاتی ہے۔ ان کے نجومیوں نے ایک تیسری تقسیم بھی کی ہے یعنی ہر ملک کو اس کی مبارک اور منحوس جگہوں کے اعتبار سے نو نو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پھر، وایو پران میں ایسے شہروں اور ملکوں کے نام ہیں جو ہر سمت میں واقع ہیں۔ ہم ان کو نقشے میں درج کرتے ہیں کیوں کہ نقشے سے اس بات کو زیادہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

جنوب

تامروران ناگ دویپ

کھسمت

مشرق کیشرومت اندرویپ یا مدھیہ دیش سومیہ مغرب

یعنی وسطی ملک

ناگرسمورت گندھرو

شمال

کرما چکر کی شکل

اس سے پہلے ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ زمین کا آباد حصہ کچھوے کی شکل کا ہے کیوں

کہ اس کے کنارے گول ہیں اور پانی سے باہر ہیں۔ یہ پانی سے گھرا ہوا ہے اور اس کی سطح کروی GLOBULAR اور محدب SUMANAS ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہندو منجموں نے سمتوں کا تعین چاند کی منزلوں کے مطابق کیا ہو اور اس کے نتیجے میں ملک کی تقسیم بھی چاند کی منزلوں کے مطابق ہو۔ ان کی جو شکل بنتی ہے وہ کچھوے سے مشابہت رکھتی ہے اور اسی لیے اسے کرما چکر کہا جاتا ہے یعنی کچھوے کا دائرہ یا کچھوے کی شکل۔

ورہ میر کے مطابق بھارت ورش کی تقسیم

ورہ میر نے نو کھنڈوں میں سے ہر ایک کو ورگ کہا ہے۔ وہ کہتا ہے ”ورگوں کے حساب سے بھارت ورش یعنی آدھی دنیا' کے نو حصے ہیں۔ پہلا حصہ وسطی' دوسرا مشرقی وغیرہ وغیرہ' پھر وہ جنوب کی طرف چلتا ہوا پورے افق کا دورہ کر لیتا ہے۔ بھارت ورش سے اس کی مراد صرف ہندوستان ہے۔ اس کا پتہ اس کے یہ کہنے سے چلتا ہے کہ ہر ورگ میں ایک علاقہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب وہاں کوئی نحوست آتی ہے تو وہاں کے بادشاہ کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے نو ورگ یہ ہیں۔

پہلے ورگ میں	پنچال کا علاقہ ہے
دوسرے ورگ میں	مگدھ کا علاقہ ہے
تیسرے ورگ میں	کلنگا کا علاقہ ہے
چوتھے ورگ میں	اونتی یعنی اجین
پانچویں ورگ میں	اننت ہے
چھٹے ورگ میں	سندھ اور سودیر ہیں
ساتویں ورگ میں	ہراہورا ہے
آٹھویں ورگ میں	مدورا
نویں ورگ میں	کولندا

یہ سب علاقے ہندوستان میں ہیں۔

جغرافیائی ناموں میں ردوبدل

شہروں کے ناموں کا معاملہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر شہر اپنے اصل ناموں سے نہیں جانے جاتے اتپالا کشمیری نے اپنی کتاب "سمت" میں اس صورت حال پر یوں تبصرہ کیا ہے "شہروں کے نام بدلتے رہتے ہیں خاص طور پر یگوں میں۔ مثلاً ملتان کا پرانا نام کشیپ پور تھا پھر ھمس پور ہوا' پھر باگ پور' پھر سمبا پور' پھر مول استھان یعنی اصل جگہ کیوں کہ مول کے معنی اصل یا جڑ ہیں اور استھان جگہ کو کہتے ہیں۔ یگ تو ایک طویل مدت ہے لیکن نام اس وقت بھی بدل جاتے ہیں جب کوئی دوسری زبان بولنے والی بیرونی قوم ان شہروں پر قبضہ کرلیتی ہے۔ ان بدیسیوں کو ان ناموں کا صحیح تلفظ ادا کرنے میں سخت دشواری ہوتی ہے' اس لیے وہ ان ناموں کو اپنی زبان میں بدل لیتے ہیں جیساکہ یونانیوں کا دستور ہے۔ کبھی ان ناموں کے مفہوم کو اپنی زبان میں ترجمہ کر لیتے ہیں' اس سے بھی نام بدل جاتے ہیں جیسے تاش قند سے شاش۔ تاش قند ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی پتھر کا گاؤں ہیں۔ جغرافیے کی کتابوں میں اس شہر کا نام برج الحجارہ درج ہے جو' "پتھر کا گاؤں" کا عربی ترجمہ ہے۔ نام اسی طرح تبدیل ہوتے ہیں یعنی یا تو اصل نام کا دوسری زبان میں ترجمہ ہونے کی وجہ سے یا ان کا تلفظ بدل دینے سے جیسے عرب بیرونی ناموں کو معرب کر لیتے ہیں کیوں کہ وہ اس کے اصل تلفظ کو ادا نہیں کرسکتے۔ لفظ "بوشنگ" ان کی کتابوں میں' فوسانی اور "سکل کنڈ" فارفز ہوگیا ہے لیکن سب سے حیرت کی بات یہ ہے کہ بعض دفعہ اسی زبان کے بولنے والے اور اسی قوم سے تعلق رکھنے والے بعض الفاظ کو توڑ مروڑ کر ایسا نامانوس بنا دیتے ہیں کہ اس سے عجیب عجیب الفاظ پیدا ہو جاتے ہیں اور ایسا کرنے میں کسی ضابطے یا قاعدے کی پابندی بھی نہیں کرتے۔ اور اس قسم کی تبدیلیاں ہر تھوڑے عرصے کے بعد بغیر کسی جائز سبب کے ہوتی رہتی ہیں۔ ہندوؤں میں ان تبدیلیوں اور اضافوں کی وجہ زبان کی وسعت کی طرف ان کا میلان ہے۔ وہ ناموں کی کثرت کو پسند کرتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

شہروں کے درج ذیل نام جو ہم نے وایو پران سے لیے ہیں، صرف چار سمتوں کے اعتبار سے مذکور ہیں لیکن سمت میں ان کو آٹھ سمتوں کے اعتبار سے لکھا گیا ہے۔ یہ نام اب رائج نہیں ہیں، جیسا کہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں۔

(اس کے بعد ان شہروں اور علاقوں کے ناموں کی فہرست درج کی ہے۔)

رومک، یم کوٹی اور سدھ پور

ہندو منجمین نے آبادی کی حدود کا تعین لنکا کو مرکز مان کر کیا ہے جو خط استواء پر وسط میں واقع ہے۔ یم کوٹی اس کے مشرق میں، رومک مغرب میں اور سدھ پور لنکا کے عین مقابل خط استوا پر واقع ہے۔ اجسام فلکی کے طلوع و غروب کے متعلق ان لوگوں نے جو کچھ کہا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یم کوٹی اور روم کے درمیان کا فاصلہ نصف دائرہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مغربی علاقے (شمالی افریقہ) کو روم (سلطنت روم) کا علاقہ سمجھ لیا ہے جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ دونوں (روم اور باز نطینیوں کا ملک) کے ساحل آمنے سامنے ہیں ورنہ رومی مملکت شمال میں دور تک چلی گئی ہے۔ اس کا کوئی حصہ جنوب کی طرف واقع نہیں۔ نہ کوئی علاقہ خط استوا سے ملا ہوا ہے جیسا کہ ہندوؤں نے سمجھ لیا ہے۔

یہاں ہم لنکا کے بارے میں مزید کچھ نہ کہیں گے کیوں کہ اس کا بیان ہم نے ایک علیحدہ باب میں کیا ہے۔ یعقوب اور فزاری کے مطابق یم کوٹ اس ملک میں ہے جس میں تارا نامی شہر ہے اور جو سمندر میں ہے۔ ہندوؤں کی کتابوں میں یہ نام کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ کوٹ کے معنی ہیں قلعہ اور یم، ملک الموت کو کہتے ہیں۔ اس نام کو سن کر کانگ دیز کی یاد آتی ہے جسے، ایرانیوں کے مطابق کیکاؤس یا جم نے مشرق بعید میں سمندر سے دور تعمیر کیا تھا۔ کے خسرو، افراسیاب ترکی کے تعاقب میں سمندر کو عبور کرکے وہاں گیا تھا۔ پھر جب اس نے دنیا کو ترک کیا تو دوبارہ کانگ دیز چلا گیا۔ فارسی زبان میں دیز قلعے کو کہتے ہیں اور ہندی لفظ کوٹ کے بھی یہی معنی ہیں۔ ابو معشر بلخی نے اپنی زیچ میں کانگ دیز کو ہی طول البلد کا صفر مانا ہے۔

اجین کا دائرہ ہی اول دائرہ نصف النہار ہے

مجھے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ہندوؤں نے سدھ پور کے وجود کو کیوں فرض کرلیا ہے۔ ان کے منجموں کا عام طور پر یہ نظریہ ہے کہ آبادی کا طول البلد نصف دائرہ ہے۔ اس امر میں مغربی منجمین سے ان کا اختلاف صرف نقطہ آغاز کے بارے میں ہے۔ جہاں تک ہم نے سمجھا ہے' ہندو' طول البلد کا نقطہ آغاز اجین کو مانتے ہیں۔ اجین کو آباد دنیا کے ایک چوتھائی کا مشرقی سرا' کہتے ہیں۔ اس چوتھائی حصے کا دوسرا کنارہ' ہندوؤں کے مطابق' مہذب دنیا کی سرحد سے کچھ فاصلے پر مغرب میں ہے۔ اس مسئلہ کو ہم زیادہ وضاحت سے اس باب میں بیان کریں گے جس میں ہم نے دو مقامات کے طول البلد کے اختلاف کو بیان کیا ہے۔ مغربی علمائے ہیئت نے اس معاملے میں دوہرا طریق کار اپنا رکھا ہے۔ ان میں سے بعض طول البلد کا نقطہ آغاز بحراوقیانوس کے ساحل کو قرار دیتے ہیں لیکن اس طریق کار میں خرابی یہ ہے کہ بعض ایسی اشیاء کو باہم خلط ملط کر دیا گیا ہے جن کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ اسی طریق کار کے زیر اثر شاپورکن اور اجین کو ایک ہی دائرہ نصف النہار پر دکھایا گیا ہے۔ دوسرے لوگ جزیرہ مسرت کو طول البلد کا نقطہ آغاز مانتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں طریق کار ہندوؤں کے نظریات سے مختلف ہیں۔

اگر اللہ نے عمر میں برکت دی تو میں نیشاپور کے طول البلد کے بارے میں ایک رسالہ تالیف کروں گا جس میں اس موضوع پر پوری تحقیق کے بعد سیر حاصل بحث کی جائے گی۔

باب 30

لنکا یعنی زمین کا گنبد

"زمین کا گنبد" سے کیا مراد ہے

آباد دنیا کا وسطی مقام جو خط استوa پر واقع ہے اور جہاں سے آبادی طول میں شرقاً" غرباً" دو حصوں میں بٹ جاتی ہے' مسلمان منجموں میں زمین کا گنبد مشہور ہے اور وہ دائرہ عظمیٰ جو قطب سے گزرتا ہوا خط استوا کے اس نقطے سے بھی گزرتا ہے قبے کا نصف النہار کہلاتا ہے۔ یہاں پر ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ زمین کی طبعی حالت جیسی بھی ہو زمین کی دوسری جگھوں کے مقابلے میں اس کو قبہ ارض کہلانے کا استحقاق صرف اتنا ہے کہ اس لفظ سے' جو بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے' صرف یہ بتا دینا مقصود ہے کہ اس جگہ سے آباد دنیا کے مشرقی کنارے اور مغربی کنارے کا فاصلہ مساوی ہے۔ جس طرح کسی گنبد کی چوٹی سے اس کے نیچے کی تمام چیزوں کا طول یکساں ہوتا ہے۔ ہندو اس جگہ کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کرتے جس کے معنی ہماری زبان میں گنبد یا قبہ کے ہوں۔ وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ لنکا آباد دنیا کے دونوں کناروں کے وسط میں واقع ہے اور اس میں کوئی عرض نہیں ہے۔

رام کی کہانی

دسرتھ کے بیٹے رام کی بیوی کو بھگا لانے کے بعد شیطان راون اس جگہ قلعہ بند ہوگیا تھا۔ اس کے پیچ دار قلعے کا نام شنکت مرد ہے۔ مسلمانوں میں اس کا نام یاون کوٹی مشہور ہے اور اسے عام طور پر روم کہا جاتا رہا ہے۔ رام نے سو' یوجن لمبے بند پر سے

جس کا نام سیتو بندھ ہے اور جسے ایک پہاڑ سے سمندر کو پاٹ کر بنایا تھا' سمندر پار کرکے راون پر حملہ کیا۔ یہ بند جسے سمندر کا پل کہا جاتا ہے لنکا کے مشرق میں ہے۔ راون سے جنگ کرکے رام نے اسے مار ڈالا۔ رام کے بھائی نے راون کے بھائی کو مار دیا۔ جس کی تفصیل رام اور رامائن کے حصے میں بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد رام نے تیر مار کر بند کو دس جگہ سے کاٹ دیا۔

جزیرہ لنکا

ہندوؤں کے خیال میں لنکا شیاطین کا قلعہ ہے۔ یہ زمین سے 30 یوجن یا 80 فرسخ اونچا ہے۔ مشرق سے مغرب کی طرف اس کی لمبائی 100 یوجن ہے شمال سے جنوب تک اس کی چوڑائی اس کی بلندی کے برابر یعنی 30 یوجن ہے۔

لنکا اور وا دوکھ جزیرے کی وجہ سے ہندو جنوب کی سمت کو منحوس سمجھتے ہیں۔ وہ کسی نیک کام کو کرتے وقت جنوب کی طرف منہ نہیں کرتے اور نہ ادھر قدم اٹھاتے ہیں۔ انہوں نے جنوب کو برے کاموں سے وابستہ کردیا ہے۔

لنکا اور لنگا بالوس کے متعلق مصنف کی رائے

جن لوگوں نے لنکا کے گرد سمندر کا سفر کیا ہے اور اس مقام کا سفر کیا ہے جو لنکا کے قلعے کی جگہ ہے انہوں نے اس کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں بتائی جو ہندوؤں کی روایات کے مطابق یا اس سے ملتی جلتی ہو۔ ایسی کوئی روایت موجود نہیں ہے جس سے اس کے (قلعے) کے وجود کا امکان ہو۔ لنکا کے لفظ سے ہمیں ایک دوسری چیز کا خیال آتا ہے اور وہ یہ کہ لونگ کا یہ نام اس لیے پڑا کہ یہ "لنگ" نامی ملک سے درآمد کی جاتی ہے۔ تمام جہاز رانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سامان سے بھرے ہوئے جہاز یہاں آتے ہیں اور اپنا سامان مثلاً مغربی دینار اور دوسرا تجارتی سامان یعنی دھاری دار ہندوستانی کپڑا' نمک' وغیرہ چھوٹی کشتیوں پر رکھ کر' سامان سے بھرے چمڑے کے تھیلوں پر جن پر ان کے مالکوں کا نام لکھا ہوتا ہے' ساحل پر اتار دیتے ہیں اور جہاز پر واپس آجاتے ہیں۔ دوسرے دن تھیلوں میں قیمت کے بدلے انہیں لونگیں بھری ملتی ہیں'

کبھی زیادہ اور کبھی کم، جس کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس وقت مالک کے پاس لونگوں کی کتنی تعداد موجود ہے۔ بعض کے خیال میں جن لوگوں کے ساتھ یہ تجارتی لین دین ہوتا ہے وہ شیاطین یا جنات ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ وحشی انسان ہیں۔ وہ ہندو جو (لنکا) کے ان علاقوں کے قرب و جوار میں رہتے ہیں، یہ مانتے ہیں کہ چیچک، ایک ہوا ہے جو لنکا سے روحوں کو لے جانے کے لیے چلتی ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق کچھ لوگ اس ہوا کے چلنے سے پہلے لوگوں کو خطرے سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ چیچک کی وبا پھیلنے کے بعد یہ لوگ مختلف علامات سے یہ پتہ چلا لیتے ہیں کہ یہ مہلک ہے یا نہیں۔ مہلک چیچک کے لیے ان کے ہاں جو علاج کیا جاتا ہے وہ جسم کے کسی ایک عضو کو کاٹ کر الگ کر دینا ہے، مریض کو مارنا نہیں۔ دوا کے طور پر وہ لونگ استعمال کرتے ہیں جو مریض کو سونے کے برادے کے ساتھ ملا کر پلائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مرد مریضوں کے گلے میں لونگوں کا ہار بنا کر ڈال دیا جاتا ہے۔ اگر اس قسم کی احتیاط ٹھیک سے کر لی جائے تو اس سے دس میں سے نو لوگوں کو اس وبا سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

ان تمام باتوں سے میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ جسے ہندو لنکا کہتے ہیں وہ حقیقت میں لونگ کا ملک "لنگا" ہے۔ اگرچہ ان کا بیان اس سے میل نہیں کھاتا۔ بہرحال، ان لوگوں سے رابطہ نہیں رکھا جاتا اور نہ کوئی وہاں جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اگر کوئی اس جزیرے میں اتفاق سے ساتھیوں سے چھوٹ کر رہ جاتا ہے تو پھر اس کا کوئی پتہ نشان نہیں ملتا۔ میرے اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ "رام اور رامائن" کے مطابق مشہور ملک سندھ کے آگے مردم خور لوگ رہتے ہیں اور سمندری سیاحوں کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ جزیرہ لنگا بالو کے باشندوں کے خونخوار اور وحشی ہونے کا سبب ان کی مردم خوری ہے۔

باب 31

ملکوں کے درمیان کا فاصلہ جس کو ہم دو طول البلد کا درمیانی فاصلہ کہتے ہیں

طول بلد قرار دینے کا ہندوؤں کا طریقہ

جو شخص اس معاملے میں صحت کو مقدم رکھتا ہے اس کو دو مقامات کے نصف النہار کے دائروں کے فاصلے کو معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مسلمان نجومی استوائی زمانوں کی بنیاد پر فاصلوں کا حساب لگاتے ہیں کیوں کہ استوائی زمانے یا اوقات دو نصف النہار کے فاصلوں کے برابر ہوتے ہیں اور اپنی گنتی کو مغرب کی سمت واقع مقام سے شروع کرتے ہیں۔ استوائی دقیقوں MINUTES کے حاصل جمع کو وہ دو طول بلد کے درمیان کا فاصلہ قرار دیتے ہیں۔ وہ ہر جگہ طول بلد دائرہ عظمیٰ سے اس کے نصف النہار کے فاصلے کو قرار دیتے ہیں۔ یہ دائرہ عظمیٰ استوا کے قطب سے گزرتا ہے اور اسی مقام کو آبادی کی انتہا قرار دیا گیا ہے اور پہلے نصف النہار کے تعین کے لیے انہوں نے آبادی کے مغربی کنارے کو بنیاد بنایا ہے۔ مشرقی کنارے کو نہیں۔ ان استوائی اوقات کو دورہ کا تین سو ساٹھواں یا ساٹھواں درجہ شمار کیا جاتا ہے تاکہ وہی دن کا دقیقہ یعنی منٹ MINUTE بھی بن جائے اور پھر انہیں مقررہ پیمانے کے مطابق فرسخوں یا یوجنوں میں تبدیل کرلیا جاتا ہے۔

اس معاملے میں ہندوؤں کا طریقہ ہمارے طریقے سے مختلف ہے لیکن اس کے

باوجود وہ صحت سے دور ہیں۔ جس طرح ہم مسلمان ہر شہر کے لیے اس کا طول البلد حساب میں لیتے ہیں' اسی طرح یہ لوگ شہر اجین کے دائرہ نصف النہار سے ہر شہر کے فاصلے کا شمار یوجنوں میں کرتے ہیں اور جو جگہ اجین سے جتنی زیادہ مغرب میں ہوگی اس کے یوجنوں کی تعداد کم ہوتی جائے گی۔ اس کو یہ لوگ دیشانتر یعنی ملکوں کے درمیان کا فاصلہ کہتے ہیں۔ پھر وہ اس دیشانتر کو آفتاب کی یومیہ حرکت کے اوسط سے ضرب دے کر حاصل ضرب کو 4800 سے تقسیم کرتے ہیں۔ اس کا خارج سمت آفتاب کی حرکت کی وہ مقدار ہوتی ہے جو متعلقہ یوجنوں کے برابر ہوتی ہے۔ یعنی اگر اس میں اجین کے نصف النہار یا نصف اللیل کا اوسط جوڑ دیا جائے تو مطلوبہ شہر کا طول البلد نکل آتا ہے۔

زمین کا محیط

4800 کا یہ عدد' جس سے حاصل ضرب کو تقسیم کرتے ہیں' زمین کے محیط کے یوجنوں کا عدد بھی ہے' اس لیے کہ دو شہروں کے نصف النہار کے دائروں کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے اسی کا تناسب زمین کے پورے محیط کے ساتھ وہی ہوتا ہے جو دو شہروں کے درمیان سورج کی اوسط حرکت کا اس کی مکمل یومیہ حرکت کے ساتھ ہے۔

(اس کے بعد البیرونی نے زمین کے محیط کے بارے میں پلس اور بہم گپتا کے اقوال اور دیشانتر نکالنے کے طریقہ پر ناقدانہ نگاہ ڈالی ہے۔ اجین کے دائرہ نصف النہار کے متعلق آریہ بھٹ کے نظریہ پر بھی تنقید کی ہے۔)

اجین کا عرض البلد

یعقوب بن تارک نے اپنی کتاب "ترکیب کروی" میں اجین کا عرض البلد 43/5 درجے بتایا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ شمال میں ہے یا جنوب میں۔

اس کے برخلاف ہندوؤں کے تمام اصول اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اجین کا عرض البلد 24 درجے ہیں اور یہ کہ سورج اعتدال فریقی کے دوران اس کی انتہائی بلندی پر ہوتا ہے۔

میں نے لاہور کے قلعے کا عرض البلد /10‘ 34 ڈگری پایا ہے۔ اس کے علاوہ جن دوسرے شہروں کا عرض بلد مجھے معلوم ہے وہ یہ ہیں۔

غزن 33/35‘ کابل 33/47‘ کندی 33/55‘ دون پور 34/20‘ لمغان 34/43‘ پرشاور 34/40‘ وے ہند 34/30‘ جیلم 33/20‘ قلعہ نندنا 32‘ سیالکوٹ 32/58‘ منڈکور 31/50‘ ملتان 290/40- ان کے ملک میں اپنے سفر کے دوران ہم مندرجہ بالا مقامات سے آگے نہ جا سکے۔ نہ ہی دوسرے مقامات (ہندوستان) کے طول البلد اور عرض البلد کے متعلق ان کی کتابوں سے کچھ معلومات ہو سکی۔

باب 32

مدت اور زمانے، نیز دنیا کے پیدا اور فنا ہونے کی بابت ہندوؤں کے نظریات

زمانے کے متعلق رازی اور دوسرے حکماء کے خیالات

محمد ابن زکریا الرازی کے بیان کے مطابق پرانے یونانی حکماء، پانچ چیزوں کو ازلی مانتے تھے (1) خالق (2) نفس کلی (3) ہیولائے اول (4) مکان مطلق اور (5) زمان مطلق۔ رازی نے اپنے مسلک کی بنیاد اسی قول پر رکھی ہے اور یہی ان کے سارے فلسفے کی تہہ میں کارفرما ہے۔ اس نے زمانے اور مدت میں یہ امتیاز قائم کیا ہے کہ اول الذکر پر عدد کا اطلاق ہوتا ہے۔ آخرالذکر پر نہیں۔ کیوں کہ جس چیز کو شمار کیا جا سکتا ہے وہ محدود ہوتی ہے۔ جب کہ مدت لامتناہی ہے۔ اسی طرح حکماء نے زمانے کو ایسی مدت قرار دیا ہے جس کی ابتدا اور انتہا ہے اور ابد کو ایسی مدت مانا ہے جس کا اول اور آخر نہیں ہے۔

الرازی کے مطابق موجود دنیا میں پانچ چیزوں کا وجود مقدمات ضروریہ میں سے ہے (1) وہ اشیاء جو حواس کے ذریعے محسوس ہوتی ہیں حقیقت میں ہیولیٰ ہیں جس نے ترکیب پا کر مختلف صورتیں اختیار کرلی ہیں۔ (2) ہیولی جگہ کو گھیرتا ہے اس لیے مکان SPACE کا وجود ضروری ہے۔ (3) محسوس اشیاء کی حالت میں ہونے والے تغیرات کے نتیجے میں زمان Time کا وجود لازمی قرار پاتا ہے۔ ان میں سے کچھ تبدیلیاں مقدم

اور کچھ موخر ہیں اور کچھ وقت کے وقت ہوتی ہیں۔ ان میں امتیاز زمانے کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ (4) موجود اشیاء میں جاندار بھی شامل ہیں۔ اس سے نفس یا روح کا وجود لازم آتا ہے۔ ان جانداروں میں ایسے ذی عقل ہیں جو فنون کو معراج کمال تک لے جانے کی اہلیت رکھتے ہیں اور یہ بات ہمیں ایسے خالق کا وجود فرض کرنے پر مجبور کرتی ہے جو حکیم اور عالم ہے جس نے ہر چیز کو نہایت اعلیٰ طور پر منظم کیا ہے اور انسانوں کو نجات حاصل کرنے کے لیے عقل عطا کی ہے۔ اس کے برعکس بعض فلاسفہ نے زمان اور ابد کو ایک ہی چیز سمجھا ہے اور حرکت کو جس سے ان کی پیمائش ہوتی ہے، متناہی قرار دیا ہے۔ بعض مفکرین نے ابد کو دوری حرکت قرار دیا ہے۔ بلاشبہ اس حرکت سے وہ متحرک بھی جڑا ہوا ہے جس میں یہ حرکت ہوتی ہے اس لیے وہ بھی ابدی ہو جاتا ہے۔ پھر یہ متحرک ترقی کرتے کرتے محرک کے مرتبے تک اور متحرک محرک سے محرک اول تک پہنچ جاتا ہے جو خود متحرک نہیں ہے۔ اس قسم کی تحقیق نہایت دقیق اور موہوم ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اختلاف رائے اس حد تک نہ ہوتا کہ بعض لوگ وقت کے وجود سے ہی انکار کرنے لگے اور بعض یہ کہنے لگے کہ وہ قائم بالذات ہے۔ اسکندرا فرودیسی کہتا ہے "ارسطو نے اپنی کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ ہر حرکت کرنے والی چیز کو کوئی محرک حرکت دیتا ہے۔" اور جالینوس کہتا ہے "جب وقت کا نظریہ میری سمجھ ہی میں نہیں آیا ہے تو میں اسے ثابت کیسے کر سکتا ہوں۔"

وقت کے متعلق ہندو مفکرین کے نظریات

ہندوؤں نے اس موضوع پر بہت کم کہا ہے اور جو کچھ کہا ہے وہ بھی ناقص ہے۔ ورہ میر نے اپنی کتاب سمہت کے آغاز میں اس چیز کا ذکر کرتے ہوئے جو ازل سے موجود ہے، کہا ہے: "پرانی کتابوں میں کہا گیا ہے کہ سب سے پہلی ازلی چیز تاریکی ہے لیکن یہ تاریکی سیاہ رنگ کا اندھیرا نہیں ہے بلکہ ایک قسم کا عدم ہے جیسا سونے والے پر طاری ہوتا ہے۔ پھر خدا نے برہما کے واسطے کائنات کو پیدا کیا اور اسے گنبد جیسا بنایا۔ خدا نے کائنات کے دو حصے بنائے ایک اوپر کا اور ایک نیچے کا اور اس میں سورج

اور چاند کو رکھ دیا۔" کپل نے کہا ہے "خدا ہمیشہ سے موجود ہے اور اس کے ساتھ کائنات بھی اپنی اشیاء اور اجسام کے ساتھ موجود تھی۔ خدا دنیا کی علت ہے اور لطیف ہونے کی وجہ سے دنیائے کثیف سے بالا ہے۔" کمبھک کہتا ہے "مہا بھوت یعنی پانچوں عناصر کا مجموعہ ہی' ازلی ہے۔" بعض مفکرین زمانے کو ازلی مانتے ہیں اور بعض کے نزدیک طبیعت ----- ازلی ہے۔ اس کے برخلاف بعض مفکرین کرم یعنی عمل کو نظم قائم رکھنے والا سمجھتے ہیں۔

کتاب وشنو دھرم میں ہے "وجر نے مارکنڈیہ سے کہا مجھے وقت کے بارے میں سمجھایئے۔" اس پر اس نے جواب میں کہا "مدت آتم پرش ہے۔ آتم کے معنی ہیں سانس اور پرش کے معنی ہیں کائنات کا مالک" اس کے بعد اس نے وجر کو زمانے کی تقسیم اور ہر حصے کے حاکم کے بارے میں بتایا جیسا کہ ہم نے ان میں سے ہر ایک کا بیان مناسب ابواب (باب 33) میں کیا ہے۔

ہندوؤں نے مدت کو دو عرصوں میں بانٹا ہے۔ ایک حرکت کا عرصہ ہے جسے زمانہ قرار دیا گیا ہے اور دوسرا سکون کا عرصہ ہے جس کو اول الذکر کی نظیر پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ہندوؤں کے مطابق خدا کی ابدیت کا حساب لگایا جاسکتا ہے لیکن اسے ناپا نہیں جا سکتا کیوں کہ یہ لامتناہی ہے۔ ہم یہاں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ کسی چیز کا متعین کیا جا سکنا لیکن ناقابل پیائش ہونا فہم سے بالاتر اور بعید از قیاس ہے۔ اس کے متعلق ہم کو ان کے جتنے افکار و اقوال معلوم ہوتے ہیں' ان کو بیان کرتے ہیں۔

تخلیق کا عرصہ برہما کا دن اور وہ عرصہ جس میں تخلیق نہیں ہوتی برہما کی رات ہے

تخلیق کے بارے میں' جیسا کہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں' ہندوؤں کا معروف نظریہ یہ ہے کہ مادہ ازلی ہے اس لیے ان کے یہاں لفظ تخلیق کا مطلب عدم سے وجود میں لانا نہیں ہے بلکہ ایسا ہے جیسے مٹی سے مورتیں گھڑنا اور اسے اس طرح ترتیب دینا جس سے وہ مقاصد پورے ہو سکیں جن کی صلاحیت اس میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ

لوگ تخلیق کو فرشتوں اور شیاطین بلکہ انسانوں تک سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ فرشتے' شیاطین اور انسان اس لیے تخلیق کرتے ہیں کہ اس سے ان پر عائد کسی فرض کی ادائیگی ہو جائے اور مخلوقات کو بھی فائدہ پہنچے یا پھر حسد وغیرہ کا جس میں وہ مبتلا تھے' کفارہ ادا کیا جا سکے۔ مثال کے طور پر جیسے وشوامتر نے بھینسوں کو اس لیے پیدا کیا کہ انسان ان سے حاصل ہونے والی اچھی اور مفید چیزوں سے لطف اندوز ہوں۔

اس سیاق و سباق میں ہندوؤں کے ہاں زمانے کی ایک اور مدت کا تصور بھی ملتا ہے جسے مسلمان مصنفین نے' ہندوؤں کی پیروی میں' سنین عالم یا دنیا کے سال کہا ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ ان سنین کے آغاز کے وقت تخلیق اور اختتام کے وقت فنا واقع ہوتی ہے جو نئی تخلیق و ترکیب کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ لیکن اکثریت کا یہ مسلک نہیں ہے۔ ان کے نزدیک یہ عرصہ برہما کا ایک دن اور ایک رات ہے۔ برہما کے سپرد تخلیق کا کام ہے۔ مزید یہ کہ وجود میں آنا ایک حرکت ہے' جو وجود میں آنے والی چیز میں کسی دوسری چیز سے آتی ہے اور اس حرکت کا سب سے نمایاں سبب ستارے ہیں۔ ان کی حرکت کا اثر نیچے کی دنیا پر اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ وہ ہر سمت کی طرف حرکت نہیں کرتے اور اپنی شکلیں نہیں بدل لیتے۔ اس لیے تخلیق کا کام برہما کے دن تک محدود ہے کیوں کہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق گردش کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں سطح زمین پر تخلیق کا سلسلہ بغیر کسی خلل کے جاری رہتا ہے۔

اس کے برخلاف برہما کی رات میں آسمانوں کی حرکت رک جاتی ہے اور تمام ستارے بے حس و حرکت ایک جگہ ٹھہر جاتے ہیں۔ اس وجہ سے زمین کے حالات و کوائف بھی ایک ہی حالت پر قائم رہتے ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور تخلیق کا کام بھی رک جاتا ہے کیوں کہ وہ جو تخلیق کا کام انجام دیتا ہے' آرام کر رہا ہوتا ہے۔ پس تمام عمل' خواہ فاعلی ہو یا مفعولی' معطل ہو جاتا ہے اور عناصر کی ماہیئت میں تبدیلی اور ترکیب پانے کا عمل بھی رک جاتا ہے اور وہ بھی رات میں آرام کرتے ہیں تاکہ برہما کے آنے والے دن میں وجود پانے والی چیزوں کے لیے خود کو تیار رکھیں۔

برہما کی زندگی میں وجود اسی طرح گردش کرتا رہتا ہے۔ اس مضمون کو ہم تفصیل

سے اس کے مناسب موقع پر بیان کریں گے۔

مصنف کی تنقید

ہندوؤں کے ان افکار کے مطابق تخلیق اور فنا کا یہ عمل سطح زمین تک محدود ہے۔ اس طرح کے تخلیقی عمل سے مٹی کا ایک ڈھیلا بھی' جو پہلے سے موجود نہیں تھا' وجود میں نہیں آتا اور نہ فنا سے وہ ڈھیلا جو پہلے سے موجود تھا' معدوم ہوتا ہے۔ جب تک ہندو مادے کو ازلی تصور کرتے رہیں گے وہ تخلیق کے صحیح مفہوم' یعنی عدم سے وجود میں لانا' کو نہیں سمجھ سکتے۔

ہندوؤں نے اپنے عوام کو مذکورہ بالا مدتوں کے بارے میں یہی بتایا ہے کہ ان میں سے ایک برہما کا دن اور دوسری برہما کی رات ہے۔ بالفاظ دیگر ایک برہما کی بیداری اور دوسری برہما کا خواب ہے۔ ہمیں ان کے ان الفاظ پر اعتراض نہیں کیوں کہ ان سے ایسی چیز مراد ہے جس کی ابتدا اور انتہا ہے۔ مزید یہ کہ برہما کی پوری زندگی ایک سلسلہ ہے یکے بعد دیگرے حرکت اور سکون کے وقفوں کا جو دنیا میں تسلسل کے ساتھ واقع ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ پوری مدت وجود کی مدت ہے عدم کی نہیں کیوں کہ اس کے دوران مٹی کا ڈھیلا بھی موجود رہتا ہے اور اس کی شکل و صورت بھی۔ برہما کی پوری عمر پرش (باب 35) کے ایک دن کے برابر ہے کیوں کہ پرش برہما سے اونچا ہے۔ جب وہ مرتا ہے تو تمام مرکبات اس کی رات میں گھل کر ختم ہو جاتے ہیں اور ان کے مرکبات کے مٹتے ہی وہ چیز بھی معطل ہو جاتی ہے جس کا کام برہما کو نظام طبیعت پر قائم رکھنا تھا اور یہ پرش اور ہر وہ چیز جو اس کی تابع ہے حالت سکون میں آجاتی ہے۔

برہما کے خواب کے متعلق علماء اور عوام کے نظریات

جب ہندو عوام اس موضوع پر کلام کرتے ہیں تو وہ برہما کی رات کی وہی حالت بیان کرتے ہیں جیسی پرش کی رات کی ہے اور چونکہ پرش مرد کو بھی کہتے ہیں اس لیے وہ بیداری اور خواب کو اس سے منسوب کر دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جسم کو جو متضاد اخلاط سے بنا ہے' آرام اور کھوئی ہوئی قوت کی بحالی کے لیے' نیند کی ضرورت ہے۔

اسی طرح بدن کو اپنے وہ اجزا جو حل ہو کر ختم ہوتے رہتے ہیں، از سرنو پیدا کرنے کے لیے کھانے کی اور اپنی نسل کی بقا کے لیے جماع کی ضرورت ہے۔ جسم کو ان کے علاوہ بعض بری چیزوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے لیکن وہ جو انسان سے مافوق ہے اور جس کا کوئی مثل نہیں، ان چیزوں سے بے نیاز ہے۔

دنیا کے خاتمے کے متعلق ہندوؤں کے خیالات

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ دنیا بارہ سورجوں کے، جو ایک ایک کرکے ہر مہینے طلوع ہوتے ہیں، ایک ساتھ طلوع ہو جانے کی وجہ سے جل کر خاکستر ہو جائے گی اور اس کی تمام رطوبت خشک ہو جائے گی اور یہ فنا ہو جائے گی۔ پھر چاروں بارشیں، جو ایک ایک کرکے سال کے مختلف حصوں میں ہوتی ہے۔ ایک ساتھ برس کر دنیا کو فنا کر دیں گی۔ اور چونے اور راکھ کو بہا دیں گی۔ پھر روشنی ختم ہو جائے گی اور اندھیرا اور عدم چھا جائیں گے۔ ان سب سے دنیا ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو جائے گی۔

ان عبارتوں کے سیاق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کلپ کے آخر میں فنا ہوتی ہے۔ اسی سے ابو معشر نے یہ نظریہ اخذ کیا ہے کہ ستاروں کے اجتماع کے وقت طوفان آتا ہے اور ستاروں کا یہ اجتماع ہر چتر یگ کے آخر اور کل یگ کے آغاز میں ہوتا ہے۔ اگر یہ اجتماع مکمل نہیں ہوتا تو اس سے بربادی بھی پوری طرح نہیں ہو پاتی۔ ان امور کی تحقیق اور مطالعے میں ہم جیسے جیسے آگے بڑھتے جائیں گے ان کو سمجھنا آسان ہوتا جائے گا۔ اور قاری اس سیاق و سباق میں آنے والی تمام اصطلات کے معنی اچھی طرح سمجھنے لگے گا۔

اس مسئلہ میں بدھوں کے خیالات جو ہم تک ایران شہری کے ذریعے پہنچے ہیں

ایران شہری نے اس مسئلہ میں بدھوں سے جو روایت نقل کی ہے وہ بھی اسی طرح کی خرافات ہے جیسی کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ بدھوں کے مطابق کہ میرو پہاڑ

کے چاروں اطراف پر چار دنیائیں ہیں جو باری باری آباد اور ویران ہوتی رہتی ہیں۔ یہ اس طرح ویران ہوتی ہے کہ سات سورجوں کے یکے بعد دیگرے نکل آنے سے آگ لگ جاتی ہے چشموں کا پانی خشک ہو جاتا ہے اور آگ ہر طرف پھیل جاتی اور ہر چیز کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ یہ آباد اس طرح ہوتی ہے کہ جب آگ اس میں سے نکل کر دوسری دنیا میں چلی جاتی ہے تو وہاں آندھی آتی ہے اور اس کے ساتھ آنے والے بادل اتنا پانی برساتے ہیں کہ زمین سمندر بن جاتی ہے پھر ان پانی کے جھاگوں سے سیپیاں بنتی ہیں ان سیپوں میں روح پڑ جاتی ہے اور جب پانی خشک ہو جاتا ہے تو انہیں سیپوں سے انسان پیدا ہو جاتے ہیں۔ بعض بدھوں کا خیال ہے کہ انسان مٹنے والی دنیا سے آباد ہونے والی دنیا میں اتفاق سے آجاتا ہے اور تنہائی سے گھبراتا ہے۔ تب اس کے خیال سے اس کے لیے ایک عورت (بیوی پیدا ہو جاتی ہے اور اس جوڑے سے نسل شروع ہو جاتی ہے۔

باب 33

یوم کی قسمیں اور دن رات

دن اور رات کی تعریف

مسلمان، ہندو اور دوسری قوموں، سب کے نزدیک، یوم سے مراد وہ مدت ہے جس میں سورج کائنات کے گرد ایک چکر پورا کرلیتا ہے یعنی دائرہ عظمیٰ کے نصف سے چل کر پھر وہیں واپس آجاتا ہے۔ یوم کے دو حصے ہیں۔ دن، یعنی وہ مدت جس میں دنیا کے کسی حصے کے لوگوں کو سورج دکھائی دیتا رہتا ہے، اور رات (جب سورج ان کی نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے) لیکن سورج کا ظاہر ہونا اور چھپنا اضافی حالت ہے جو افقوں کے اختلاف سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ معلوم ہے کہ خط استوا کا افق (جسے ہندو بغیر عرض کا ملک کہتے ہیں) نصف النہار کے متوازی دائروں کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ اس وجہ سے ان جگہوں پر دن اور رات ہمیشہ برابر ہوتے ہیں۔ لیکن وہ افق جو متوازی دائروں کو کاٹتے ہیں لیکن ان کے قطب سے نہیں گزرتے وہ ان دائروں کو نابرابر حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ اس وجہ سے ان جگھوں کے دن اور رات برابر نہیں ہوتے سوائے سال میں دو دن جب، میرو اور وا دوکھ کے علاوہ ہر جگہ دن اور رات برابر ہوتے ہیں۔ اس وقت دنیا کے تمام مقامات پر، چاہے وہ استوا کے شمال میں ہوں یا جنوب میں، وہی حالت ہوتی ہے جو استوا پر واقع مقامات پر۔ یعنی ان دو موقعوں پر دنیا میں ہر جگہ دن اور رات برابر ہوتے ہیں لیکن ان دو موقعوں کے علاوہ وہ دن اور رات کا فرق قائم رہتا ہے۔

منشیہ ہوراتر

ان کی ابتدا سورج کے افق سے بلند ہونے سے اور رات کی ابتدا سورج کے افق کے پیچھے چھپ جانے سے ہوتی ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک دن پہلے ہے اور رلت بعد میں۔ اسی لیے انہوں نے اس کا نام "ساون" رکھا ہے۔ یعنی دن جس کا انحصار سورج نکلنے پر ہے۔ نیز وہ اسے منشیہ ہوراتر' یعنی انسانی دن بھی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندو عوام اس یوم کے علاوہ کسی اور یوم سے واقف نہیں ہیں۔

چوں کہ قاری "ساون" سے اچھی طرح واقف ہے اس لیے دوسرے ایام کو سمجھانے اور ان کی پیمائش کے لیے ہم ساون کو بطور پیمانہ اور معیار استعمال کریں گے۔ (البیرونی نے یوم کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں۔ ان بیانات کے منتخب اجزا کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔)

باپوں کے دن

انسانی ایام کے بعد پترنا مہوراتر یعنی باپوں (آباؤاجداد) کا دن ہے جن کی روحیں' ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق' چاند کے آسمان پر رہتی ہے۔ اس یوم کے دن اور رات چاند کی روشنی اور تاریکی سے بنتے ہیں' افق پر اس کے نکلنے اور ڈوبنے سے نہیں۔ جب چاند آسمان کے بلند ترین حصے میں ہوتا ہے اور اس کی روشنی اسلاف کی روحوں کی طرف ہوتی ہے تو ان کا دن ہوتا ہے اور جب چاند آسمان کے نچلے حصوں میں ہوتا ہے تو ان کی رات ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کو چاند کی روشنی اس وقت دکھائی دیتی ہوگی' جب چاند پورا ہوتا ہے اور ان کی رات اس وقت ہوتی ہے جب نیا چاند نکلتا ہے۔ اس طرح آباء کے یوم کی مدت چاند کے پورے مہینے کے برابر ہوتی ہے۔ دن اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب چاند آدھا ہوتا ہے اور اس کی روشنی بڑھنا شروع ہو جاتی ہے اور پھر جب چاند گھٹتے گھٹتے آدھا ہو جاتا ہے تو ان کی رات شروع ہو جاتی ہے کیوں کہ اس وقت چاند کی روشنی کم ہونے لگتی ہے۔

دیوتاؤں یا فرشتوں کا یوم

اس کے بعد دویہ ہوراتر یعنی فرشتوں کا یوم ہے۔ یہ معلوم ہے کہ سب سے چوڑا افق جو قطب پر 9 درجے کا زاویہ بناتا ہے خط استوا یا اس کے قریب دکھائی دینے والے افق کے نیچے اس جگہ پر ہے جہاں میرو پہاڑ واقع ہے کیوں کہ افق اور خط استوا کچھ جنوب میں (تھوڑے سے نیچے) ہونے کے باوجود اس کی چوٹی اور پہلو کی سیدھ میں ہیں۔ اس کے علاوہ استوا منطقہ بروج کو دو برابر حصوں میں تنصیف کر دیتا ہے۔ ان میں سے ایک حصہ استوا کے اوپر شمالی جانب ہے اور دوسرا اس کے نیچے جنوب کی طرف۔ سورج جب تک شمال کی طرف رہتا ہے آسیائی گردش کرتا ہے اور افق کے متوازی یومیہ دائرے بناتا چلتا ہے اور جب یہ افق پر ظاہر ہوتا ہے تو قطب شمالی کے لوگوں کا دن طلوع ہوتا ہے۔ اس وقت یہ جنوبی قطب والوں سے پوشیدہ رہتا ہے اس لیے ان کی رات ہوتی ہے اور جب سورج جنوب کی طرف گردش کرتا ہے تو شمالی قطب والوں کی رات اور جنوبی قطب والوں کا دن شروع ہو جاتا ہے۔

دیوک یعنی روحانی ہستیوں کی آبادیاں دونوں قطبوں کے نیچے ہیں اس لیے ان کے نام پر اس یوم کو دیووں کا یوم کہا جاتا ہے۔ آریہ بھٹ کسم پورا کہتا ہے کہ دیو شمسی سال کے ایک نصف کو دیکھتے ہیں اور دانو دوسرے نصف کو۔ اور قمری سال کے ایک نصف کو پتراس اور دوسرے نصف کو انسان دیکھتے ہیں۔ اس طرح فلک بروج میں سورج کی ایک گردش سے دیو اور دانو دونوں کے لیے دن اور رات بنتے ہیں اور ان دونوں (دن اور رات) کا مجموعہ یوم ہے۔

اس اعتبار سے ہمارا ایک سال دیوا کا ایک یوم ہے۔ لیکن فرشتوں کے اس یوم کے دن اور رات برابر نہیں ہوتے (جیسے کہ بزرگوں کے یوم کے ہیں) اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج نصف شمال میں اپنے اوج کے گرد زیادہ دیر تک رہتا ہے جس کے نتیجہ میں دن بڑا ہو جاتا ہے لیکن یہ فرق دکھائی دینے والے افق اور حقیقی افق کے فرق کے برابر نہیں ہوتا اس لیے کرۂ آفتاب پر نہیں دیکھا جا سکتا۔ پھر ہندوؤں کے خیال میں، ان جگھوں کے رہنے والے سطح زمین میں سے بہت بلند ہیں کیوں کہ وہ میرو پہاڑ پر رہتے ہیں۔ اس خیال کے ماننے والوں کے نزدیک میرو پہاڑ کی بلندی وہی ہے جو ہم

اس کتاب کے باب 23 میں بتا چکے ہیں۔ پہاڑ کی اتنی بلندی کی وجہ سے اس کا افق اتنا ہی نیچا (خط استوا سے آگے جنوب کی طرف) ہے اور اس لیے رات کے مقابلے میں دن کے طول کی شرح کم ہو جاتی ہے (یہاں سورج اپنے شمالی اوج کے قریب نہیں پہنچ پاتا اور اس واسطے دن اتنا طویل نہیں ہوتا) اگر یہ عقیدہ ہندوؤں کی مذہبی روایات پر مبنی نہ ہوتا اور اس کی بابت ان کے درمیان بھی اتنا اختلاف نہ ہوتا تو ہم میرو پہاڑ کے افق کی نیچائی کی پیمائش نجوم کے حساب سے کر لیتے لیکن چوں کہ میرو پہاڑ صرف ایک ذہنی اختراع ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں اس لیے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

برہما کا دن

اس کے بعد برہما ہوراتر ہے یعنی برہما کا یوم۔ یہ روشنی اور تاریکی سے نہیں بنتا۔ (جیسا کہ بزرگوں کا یوم ہے۔) نہ کسی ستارے کے طلوع و غروب سے (جیسا کہ دیووں کا یوم ہے) بلکہ مخلوقات کے اس طبعی اقتضاء سے بنتا ہے کہ دن کا وقت حرکت کے لیے اور رات کا وقت آرام کے لیے ہے۔ برہما کا یوم ہمارے 8,640,000,000 (آٹھ ارب چونسٹھ کروڑ) سال کے برابر ہے۔ اس یوم کے اس آدھے حصے میں' جو دن ہے' ایتھر ETHER ان تمام چیزوں کے ساتھ جو اس میں ہیں' حرکت کرتا رہتا ہے' زمین پیدا کرتی رہتی اور اس کی سطح پر وجود اور فنا کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ دوسرے حصے یعنی رات میں حالت اس کے برعکس ہوتی ہے زمین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی کیوں کہ وہ اشیاء جو اس تبدیلی کا موجب ہیں' ساکن ہو جاتی ہیں اور تمام حرکت رک جاتی ہے اور فطرت جس طرح رات کے وقت اور جاڑوں میں آرام کر کے صبح کے وقت اور گرمیوں کے موسم کے لیے تیار اور اپنی قوتوں کو جمع کرتی ہے اسی طرح تمام موجودات طبعی اس رات میں آئندہ دن کی تخلیقی سرگرمیوں کے واسطے تیار ہونے کے لیے آرام کرتے اور اپنی قوتوں کو مجتمع کرتے ہیں۔ برہما کا دن بھی ایک کلپ ہے اور رات بھی ایک کلپ اور یہی وہ مدت ہے جس کو مسلمان علماء "سند ہند" کہتے ہیں۔

پرش کا یوم

آخری پرش ہوراتر یعنی نفس کل کا یوم ہے جس کو مہا کلپ کہتے ہیں، یعنی سب سے بڑا کلپ۔ ہندو اسے زمانہ جدید کے اظہار کے لیے استعمال کرتے ہیں لیکن اس میں دن اور رات کی تخصیص نہیں ہوتی۔ میرے خیال میں مہا کلپ کا دن وہ مدت ہے جس میں نفس ہیولیٰ سے ملا رہتاہے اور اس کی رات وہ مدت ہے جب نفس ہیولیٰ سے جدا ہوتا ہے۔ اس مدت میں روحیں آرام کرتی ہیں اور اس تھکن کو دور کرتی ہیں جو ہیولیٰ سے متصل ہونے کے سبب ان پر طاری ہو جاتی ہے اور روح کے ہیولیٰ سے اتصال اور جدائی کی مدت دونوں کے مجموعے سے مہا کلپ بنتا ہے۔ وشنو دھرم میں ہے "برہما کی عمر پرش کا ایک دن ہے اور پرش کی رات بھی اتنی ہی لمبی ہوتی ہے۔"

باب 34

یوم کی تقسیم وقت کے چھوٹے چھوٹے اجزاء میں

گھٹی

ہندوؤں نے اگرچہ کسی معقول بنیاد کے بغیر وقت کو بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ رکھا ہے لیکن اس کے باوجود ان کے ہاں اس کا کوئی متفق علیہ نظام رائج نہیں ہے۔ ہر دوسرا آدمی اور ہر دوسری کتاب ایک نیا نام استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔

چشک

یوم کی پہلی تقسیم یہ ہے کہ اسے ساٹھ دقیقوں میں بانٹا گیا ہے اور ہر دقیقہ ایک گھڑی کہلاتا ہے پھر ہر دقیقہ کو ساٹھ ثانیوں میں تقسیم کیا گیا ہے جسے چشک یا چھکک اور دگھاتک کہتے ہیں۔

پران

پھر ثانیے کے چھ حصے کیے گئے ہیں جو پران یعنی سانس کہلاتے ہیں۔ چاہے پران کا پیمانہ اختیار کریں (یعنی ایک یوم = 21,600 پران) یا گھٹی کو 360 حصوں میں تقسیم کریں۔ (360x60=21600) یا آسمان کے ہر درجے کو 60 حصوں میں بانٹیں۔ (360x60=21600) سب برابر ہیں۔

شن

اصطلاحات کے اختلافات کے باوجود وقت کے ان اجزا پر تمام ہندوؤں میں اتفاق ہے۔

لیکن بعض ہندو دقیقہ اور ثانیے کے بیچ میں ایک تیسرا درجہ بڑھا دیتے ہیں اور وہ ہے شن۔ یہ 1/4 دقیقے کے برابر یعنی 15 ثانیے کا ہوتا ہے۔ پھر ہر شن کو 15 حصوں میں بانٹا گیا ہے جو کل کہلاتے ہیں ان میں سے ہر ایک دقیقے کا ساٹھواں حصہ 1/60 ہے اسی کو چشک کہتے ہیں لیکن اس کا نام دوسرا ہے یعنی کل۔

نمیش‘ لو اور ترتی

وقت کی اس تقسیم کے نچلے مرتبے میں تین نام آتے ہیں جن کو ہمیشہ ایک ہی ترتیب میں پیش کیا جاتا ہے۔ ان میں سب سے بڑا نمیش ہے یعنی دو پلک جھپکنے کی درمیانی مدت۔ پھر درمیان میں 'لو' ہے اور آخر میں ' ترتی' جو وقت کی سب سے چھوٹی مقدار ہے۔ ترتی کا مطلب ہے چٹکی بجانا جو خوش ہونے کے اظہار کے طور پر بجائی جاتی ہے۔ ان تینوں کے باہمی تناسب کے بارے میں بہت اختلاف ہے لیکن اکثر لوگ کہتے ہیں کہ:

8 ترتی = 1 لو
1 نمیش = 8 لو
1 چشک = 8 نمیش

مندرجہ ذیل جدول میں ان کی تفصیل دی جاتی ہے۔

ان مقداروں کی وہ تعداد جن سے یوم بنتا ہے	چھوٹی مقداروں کی وہ تعداد جن سے بڑی مقدار بنتی ہے	وقت کی مقداروں کے نام
60	60	گھٹی (گھڑی)
240	4	شن
3600	15	چشک‘ ونادی‘ کل

21600	6	پران
172800	8	نمیش
1382400	8	لو
11059200	8	ترتی
88473600	8	انو

پرپر

ہندوؤں نے یوم کو آٹھ پرپر (یعنی پہر) میں تقسیم کردیا ہے جو گھڑیال کی آٹھ نوبتیں ہیں۔ بعض مقامات پر پانی کی گھڑیاں بھی اسی حساب پر درست رکھی جاتی ہیں۔ جب ایک نوبت جو ساڑھے سات گھڑی کی ہوتی ہے' گزرتی ہے تو ڈھول پیٹتے اور سنکھ بجاتے ہیں۔ جسے فارسی میں سفید مہرہ کہتے ہیں۔ میں نے پرشر میں ایسا ہوتے دیکھا ہے۔ ان گھڑیوں کے انتظام کے اخراجات کے لیے نیکوکار لوگوں نے جائیدادیں اور رقومات وقف کردی ہیں۔

مہورت

اس کے علاوہ دن کو تیس مہورتوں میں تقسیم کیا گیا ہے لیکن یہ تقسیم کچھ مبہم سی ہے۔ کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ مہورتوں کا طول ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے۔ خصوصاً جب یہ کہا جاتا ہے کہ ایک مہورت دو گھڑی یا 3 3/4 نوبتیں ایک مہورت کے برابر ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ مہورت کی ایسی ساعتیں جن کی ایک مقررہ مقدار سے یوم بنتا ہے مگر ایسا نہیں ہے۔ ہر عرض البلد پر ان کی مقدار میں فرق ہوتا رہتا ہے اس لیے دن کی مہورتوں کی مقدار رات کی مہورتوں کی مقدار سے مختلف ہوتی ہے۔ پولس کا نظریہ کہ مہورت میں تبدیلی ہوتی ہے یا نہیں' بیان کرکے البیرونی نے اس پر تنقید کی ہے۔

ہندو نجوم میں ساعت یا گھنٹے کا استعمال

ہندو ساعت کو ہور کہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے یہاں ساعت

معوجہ کا استعمال ہوتا ہے۔ (یعنی بروج کے مراکز کا) کیوں کہ ہندو انہیں بھی ہور کہتے ہیں اور ہم مسلمان ان کو 'نیم پہر' کہتے ہیں۔ (باب 80) اس کی وجہ یہ ہے کہ دن اور رات ہر ایک میں ہمیشہ چھ برج افق سے نمودار ہوتے ہیں، اس لیے اگر ساعت برج کے مرکز کا نام ہے تو دن اور رات میں بارہ بارہ ساعتیں ہوتیں اور اس کے نتیجے میں حاکموں کی ساعتیں بھی معوجہ ہوں گی جیسے کہ ہمارے یہاں استعمال ہوتی ہیں اور اصطرلاب پر نقش کی جاتی ہیں۔

چوبیس ساعتوں کے نام

ہندوؤں نے معوجہ ساعتوں کے نام بھی رکھ لیے ہیں۔ ان ناموں کو ہم نے ذیل کے نقشے میں جمع کردیا ہے۔ میرے خیال میں یہ نام 'سرودھو' سے لیے گئے ہیں۔

مبارک ہے یا منحوس	رات کے ہور کا نام	مبارک ہے یا منحوس	دن کے ہور کا نام	ہور کا عدد
منحوس	کل راتری	منحوس	رودر	1
مبارک	رودہنی	مبارک	سومیہ	2
مبارک	ویراہم	منحوس	کرال	3
منحوس	تراسینہ	مبارک	سترا	4
مبارک	گوہینہ	مبارک	ویگ	5
منحوس	مایا	مبارک	دشال	6
مبارک	دمرتیہ	منحوس	مرتیوسار	7
منحوس	جیوہرنی	مبارک	شبھ	8
منحوس	شوشنی	مبارک	کرودھ	9
مبارک	ورشنی	مبارک	چنڈال	10
سب سے زیادہ منحوس	داہریہ	مبارک	کرتیک	11

مبارک	چسما	مبارک	امرت	12

مندرجہ ذیل جدول میں مہورت کے حاکموں کے نام درج کیے جاتے ہیں

رات کے مہرت کے حاکم	دن کے مہورت کے حاکم	مہورت کا عدد
رودر یعنی مہادیو	شیو، یعنی مہادیو	1
اجہ یعنی کھر والے جانوروں کا حاکم	بھوجگ یعنی سانپ	2
اہربدھنیہ یعنی اتر بھدر پد کا حاکم	متر	3
پوشن یعنی ریوتی کا حاکم	پتری	4
انتک یعنی ملک الموت	واسو	5
اگنی یعنی آگ	اپس یعنی پانی	6
دھاتر یعنی حفاظت کرنے والا برہما	وشوا	7
سوم یعنی مرگ سرش کا حاکم	ورنچیہ یعنی برہما	8
گرو یعنی مشتری	کیشور٥ یعنی مہادیو	9
ہری یعنی نارائن	اندرگنی	10
روی یعنی سورج	راجا اندر	11
یم یعنی ملک الموت	نشاکر یعنی چاند	12
تواشتری یعنی چترا کا حاکم	ورن یعنی بادلوں کا حاکم	13
انل یعنی ہوا	آریہ من	14
	بھاگیہ	15

ان ساعتوں کو منجموں کے علاوہ اور کوئی استعمال نہیں کرتا۔ صرف یہی لوگ ان ساعتوں کے حاکموں کا ذکر کرتے ہیں اور یہی حاکم یوم کے بھی ہیں اور یوم کے یہ حاکم رات اور دن دونوں کے حاکم ہیں، کیوں کہ لوگ دن اور رات کے حاکموں کا الگ الگ ذکر نہیں کرتے اور رات کا بالکل ذکر نہیں کرتے اور ان حاکموں کی ترتیب مستوی ساعتوں کی بنیاد پر کرتے ہیں۔

باب 35

مہینوں اور سالوں کی قسمیں

قمری مہینے کی تعریف

قمری مہینہ چاند کے ایک اجتماع سے دوسرے اجتماع تک گردش کی مدت ہے۔ ہم اسے طبعی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اسی طرح نشوونما پاتا ہے جس طرح دنیا کی تمام دوسری چیزیں۔ ان چیزوں کی ایک ابتدا ضرور ہوتی ہے (یعنی عدم سے وجود میں آنا) اور پیدا ہونے کے بعد یہ بڑھنا شروع کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ بالیدگی اور ترقی کی انتہا کو پہنچ کر ٹھہر جاتی ہیں۔ اس کے بعد ان میں کمزوری اور انحطاط پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ رفتہ رفتہ اسی جگہ (عدم) واپس چلی جاتی ہیں جہاں سے ان کا ظہور ہوا تھا۔ یہی حال چاند کی روشنی کا ہے پہلے وہ اندھیری راتوں کے بعد ہلال کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ پھر تیسری رات کے بعد وہ قمراور بعد میں بدر کامل (پورا چاند) بن جاتا ہے اور پھر انہیں منزلوں سے ہوتا ہوا پہلی حالت کی طرف پلٹ جاتا ہے اور آخری رات تک پہنچ جاتا ہے (جو بمنزلہ عدم کے ہے) اور ہماری آنکھوں سے چھپ جاتا ہے - پھر وہ چند راتوں میں اسی طرح غائب رہتا ہے، جیسا کہ سب کو معلوم ہے لیکن شاید یہ بات کم ہی لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ چند راتوں تک اپنی پوری حالت میں قائم کیوں رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چاند کا جسم سورج کے جسم سے بہت چھوٹا ہے اس لیے اس کا روشن حصہ تاریک حصہ سے بڑا ہے۔ یہی سبب ہے کہ پورا ہوکر چاند چند راتوں تک اسی حالت پر قائم رہتا ہے۔

چاندنی کے اثرات

چاند مرطوب چیزوں پر اثر کرتا ہے اور یہ چیزیں واضح طور پر اس سے متاثر ہوتی ہیں اور جوار بھاٹے میں کمی یا زیادتی چاند کی حالتوں کے مطابق ہوتی ہے۔ ساحلوں پر رہنے والے اور سمندر میں سفر کرنے والے اس کیفیت کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اسی طرح اطباء یہ بات جانتے ہیں کہ چاند کا اثر مریضوں کے اخلاط پر بھی ہوتا ہے اور بخار کی تیزی چاند کے دورے کے ساتھ ساتھ آتی جاتی ہے۔ ماہرین طبیعات اس بات سے واقف ہیں کہ جانوروں اور پودوں کی زندگی کا انحصار چاند پر ہے۔ مغز اور دماغ اور انڈوں پر اور مٹکوں میں رکھی شراب کے درد پر اس کا جو اثر ہوتا ہے اور چاندنی میں سونے والوں کے دماغ میں جو ہیجان اس کے اثرات سے پیدا ہوتا ہے اور چاندنی میں سونے والوں کے دماغ میں جو ہیجان اس کے اثرات سے پیدا ہوتا ہے اور کتان پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ تجربے کار لوگ اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ کاشتکار اچھی طرح جانتے ہیں کہ ککڑی، خربوزے اور کپاس وغیرہ کے کھیتوں پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بیج بونے، پودے لگانے، پیوند کاری کرنے اور جانوروں سے بچہ لینے کے لیے، انہیں جفت کرانے کے لیے چاند کی مختلف حالتوں کے مطابق اوقات مقرر کر رکھے ہیں اور علمائے نجوم اچھی طرح جانتے ہیں کہ چاند کی شکلوں کی تبدیلی (یعنی اس کے گھٹنے اور بڑھنے سے) موسمی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر یہ سلسلہ طبعی ہے اور بارہ قمری مہینوں کا سال اصطلاحاً" قمری سال کہلاتا ہے۔

شمسی مہینہ

طبعی سال وہ مدت ہے جس کے دوران سورج فلک بروج کا ایک دورہ پورا کرتا ہے۔ ہم اسے طبعی اس لیے مانتے ہیں کہ یہ سال کے چاروں موسموں میں ہونے والے پیدائشی عمل کے ہر مرحلے پر محیط ہے۔ اس دورے کے دوران میں آفتاب کی جو شعاعیں کھڑکی کے شیشوں سے اندر آتی ہیں اور مقیاس کے سائے پھر اسی مقدار، حالت اور سمت کی طرف لوٹ جاتے ہیں جہاں سے ان کا آغاز ہوا تھا، اسی دورے کی مدت کا

نام سال اور قمری سال کے مقابلے میں شمسی سال کہلاتا ہے جس طرح قمری مہینہ قمری سال کا بارہواں حصہ ہے اسی طرح شمسی سال کا بارہواں حصہ شمسی سال کا ایک مہینہ ہوا۔ یہ وہ مدت بھی ہے جو آفتاب کسی ایک برج میں گزارتا ہے۔

شمسی‘ قمری حساباب

ہندو اجتماع کو اماوس کہتے ہیں جو پورنیما کی ضد ہے اور مہینے کے پہلے اور آخری ربع کو اتھو؟ کہتے ہیں۔ ان میں سے بعض قمری سال‘ قمری مہینے اور قمری دنوں سے حساب لگاتے ہیں اور بعض قمری سال لیکن شمسی مہینوں کی بنیاد پر حساب کرتے ہیں اور ہر برج کو O.. فرض کرکے چلتے ہیں۔ سورج کے برج میں داخل ہونے کو سنکرانت کہتے ہیں۔ یہ ملا جلا شمسی قمری حساب اندازے کی طرح قیاسی ہے حقیقی نہیں۔ اگر وہ اسے مستقل طریقے پر استعمال کریں تو جلد اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ شمسی سال اور مہینوں کا حساب صحیح تر ہے۔ مخلوط حساب میں انہیں مہینوں میں لوند لگانا پڑتا ہے۔

قمری مہینے کی ابتدا

قمری مہینے کو استعمال کرنے والے اس کی ابتدا اجتماع (اماوس) سے کرتے ہیں اور یہی طریقہ عام طور پر رائج ہے لیکن بعض لوگ پورنماشی سے ابتدا کرتے ہیں۔

مہینے کا شمار دو نصف میں

قمری مہینے کے دنوں کا شمار نئے چاند سے شروع کیا جاتا ہے اور قمری مہینے کے پہلے دن کو ’برب‘ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد چاند پورا ہونے پر یعنی پورن ماشی سے پھر گننا شروع کرتے ہیں۔ یعنی پندرہ پندرہ دن گنتے ہیں۔ پہلے پندرہ نئے چاند سے اور دوسرے پندرہ پورے چاند سے۔ وہ دو دن جو نئے چاند یا پورے چاند سے برابر فاصلے پر ہیں ایک ہی نام سے پکارے جاتے ہیں۔ ان دونوں دنوں میں چاند کے جسم میں روشنی اور تاریکی برابر ہوتی ہیں اور ایک میں نکلنے اور دوسرے میں ڈوبنے کا وقت ایک ہی

ہوتا ہے۔

مہینوں کی قسمیں

چونکہ مہینے دنوں سے بنتے ہیں اس لیے مہینوں کی بھی اتنی ہی قسمیں ہیں جتنی دنوں کی۔ ہر مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے۔ یہاں دن سے مراد ساون ہے۔ ایک مہینے میں تیس قمری دن ہوتے ہیں کیونکہ مہینے کے لیے یہی تعداد مقرر ہے جس طرح سال کے لیے 360 کی تعداد مقرر ہے۔ شمسی مہینے میں 30 شمسی دن ہوتے ہیں اور

$$\frac{1362987}{3110400}$$

طلوعی ایام ہوتے ہیں۔
شمسی سال میں

$$365\frac{827}{3200}$$

طلوع ایام ہوتے ہیں۔

باب 36

وقت کے چار ناپ جنہیں مان کہتے ہیں

مان اور پرمان مقدار کو کہتے ہیں۔ ان چار مقداروں یا ناپوں کا ذکر یعقوب ابن طارق نے اپنی کتاب 'ترکیب افلاک' میں کیا ہے لیکن وہ ان سے اچھی طرح واقف نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ان کے نام بھی غلط لکھے ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہو۔ یہ مقداریں حسب ذیل ہیں۔

سورمان	یعنی شمسی مقدار
ساون مان	وہ مقدار جس کا مدار طلوع پر ہے یعنی طلوعی مقدار
چندر مان	یعنی قمری مقدار
نکش تر مان	یعنی چاند کی منزلوں کی مقدار

سورمان، چندرمان اور ساون مان کا مصرف

سورمان کے ذریعے کلپ اور چتر یگ کے چاروں یگوں کے سالوں کا حساب لگایا جا سکتا ہے۔ پھر اس کو پیدائشوں کے سالوں کے لیے اور دن اور رات کے برابر ہونے کے دنوں اور سال کے چھٹے حصے یا موسموں اور یوم کے دن اور رات کا فرق نکالنے میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ ان تمام معاملات میں شمسی سال، مہینے اور دن میں حساب لگایا جاتا ہے۔

چندرمان کا استعمال گیارہ کرنوں (باب 78) لوند کے مہینوں انارات (باب 51) کے دنوں اور سورج اور چاند گرہنوں اور چاند کے نکلنے اور بدر کامل بننے وغیرہ کا حساب

کرنے میں کیا جاتا ہے۔

ساون مان سے وار یعنی ہفتے کے دن کا حساب کیا جاتا ہے اور اہرگن یعنی کسی عہد کے سالوں کا حساب' شادیوں اور روزہ رکھنے کے دنوں کا حساب ساون مان سے لگایا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ ساون مان کو سو تک (باب 51) یعنی ایام نفاس' مردے کے گھر کے برتنوں اور گھر کی ناپاکی کے دن (باب 72) چک تسا یعنی بعض دوائیں دینے اور علاج معالجے کے ایام' وغیرہ کا حساب لگانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ پھر پرا شچت یعنی کفارہ (جو گناہ گاروں کے لئے برہمنوں کی طرف سے ضروری قرار دیا گیا ہے) کے ایام (جن میں گناہ گار کو روزہ رکھنا اور جسم پر گوبر ملنا ہوتا ہے) وغیرہ کے حساب میں ساون مان ہی استعمال ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف نکش تر مان سے کوئی کام نہیں لیا جاتا کیوں کہ وہ چندرمان میں شامل ہیں۔ وقت کی ہر وہ مقدار جسے اتفاق رائے سے یوم کہا جاتا ہے مان کہلائی جا سکتی ہے۔ ایسے بعض ایام گزشتہ باب میں بیان کیے جا چکے ہیں (باب 33) لیکن اصل چار مان وہی ہیں جو اس باب میں بیان کیے گئے ہیں۔

باب 37

مہینے اور سال کے حصے

سال، فلک بروج میں آفتاب کی ایک گردش ہے۔ اسی لیے فلک بروج کی طرح سال کو بھی تقسیم کیا گیا ہے۔ فلک البروج کو وہ نقطہ دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے جہاں سے سورج سال میں ایک بار قطب شمالی کی طرف اور پھر ایک بار قطب جنوبی کی طرف مراجعت کرتا ہے۔ اسی اعتبار سے سال کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں سے ہر ایک کو "آین" کہتے ہیں۔

جب سورج جاڑوں میں اس نقطہ سے قطب شمالی کی طرف روانہ ہوتا ہے تو اس حصہ کو اس لحاظ سے کہ سورج اتر کی طرف راجع ہے، اتر سے منسوب کر کے "اترائن" کہتے ہیں۔ یہ حصہ اس مدت پر مشتمل ہے جو سورج قطب شمالی کے اپنے راستے پر چھ برجوں کو پار کرنے میں لیتا ہے۔ ان چھ بروج میں سے پہلا جدی ہے۔ اس لیے اس کو مکرادی کہتے ہیں۔ اسی طرح جب سورج گرمیوں میں اس نقطے سے ہٹ کر قطب جنوبی کی طرف روانہ ہوتا ہے تو اس حصے کو جنوب سے منسوب کر کے 'کرکاوی' یعنی سرطان سے شروع ہونے والا کہتے ہیں۔

عوام سال کے صرف انہیں دو حصوں کو جانتے ہیں اس لیے کہ وہ سورج کو شمال اور جنوب کی طرف رجوع ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

فلک بروج کی اس کے علاوہ بھی ایک تقسیم ہے اور یہ زیادہ مستند ہے کیوں کہ یہ حساب لگانے کے بعد کی گئی ہے لیکن عوام اس سے واقف نہیں ہیں۔ اس تقسیم کی بنیاد خط استوا سے سورج کی دوری کی سمت پر ہے۔ اس تقسیم کے مطابق بھی فلک

بروج کے دو حصے ہیں ان میں سے ہر ایک کو 'کل' کہتے ہیں۔ جب سورج شمال کی جانب جھکا ہوتا ہے تو اسے 'اتراکل' یا 'میشدی' بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ اس کی ابتدا 'حمل' سے ہوتی ہے۔ اور جب سورج کا جھکاؤ جنوب کی طرف ہوتا ہے تو اسے 'دکشاکل' یا تلادی کہتے ہیں کیوں کہ اس کی ابتدا 'میزان' سے ہوتی ہے۔

موسم

ان دونوں تقسیموں کے اعتبار سے فلک بروج کے چار حصے ہیں اور ہر ایک حصے کو پار کرنے میں سورج کو جتنی مدت درکار ہوتی ہے ان کو سال کے موسم کہا جاتا ہے یعنی بہار' گرمی' خزاں اور سردی۔ اور جو بروج جن موسموں کے سامنے پڑتے ہیں وہ انھیں کی طرف منسوب ہیں لیکن ہندوؤں نے سال کو چار کے بجائے چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو 'رتو' کہتے ہیں۔ ہر رتو دو شمسی مہینوں پر مشتمل ہے یعنی وہ مدت جس میں سورج دو برجوں کو پار کرتا ہے۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ سومناتھ کے علاقے میں سال کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر حصہ چار شمسی ماہ پر مشتمل ہے۔ ان میں پہلا حصہ ورشا کال ہے جو اساڑھ سے شروع ہوتا ہے۔ دوسرا شیت کال یعنی جاڑا اور تیسرا USHNAKALA اوشنا کال یعنی گرمی۔ مہینے کے دو حصے ہوتے ہیں۔ نئے چاند سے پورے چاند تک اور پورے چاند سے نئے چاند تک۔

باب 38

وقت کی وہ مقداریں جو ایام سے بنتی ہیں اور جن میں برہما کی عمر بھی شامل ہے

مفرد اوقات

دن کو دمس کہتے ہیں لیکن لفظ دوس زیادہ فصیح ہے۔ رات کو راتری اور توم کو اہوراتر کہتے ہیں۔ مہینے کو 'ماس' اور آدھے مہینے کو 'پکش' کہتے ہیں۔ مہینے کا پہلا نصف یا سفید نصف 'شکل پکش' کہلاتا ہے اس لیے کہ اس کی ابتدائی راتوں میں لوگوں کے سونے کے وقت سے پہلے چاندنی ہو جاتی ہے اور چاند کی روشنی بڑھتی اور اس کی تاریکی گھٹتی جاتی ہے۔ دوسرے نصف حصہ یا تاریک حصہ کو 'کرشن پکش' کہتے ہیں کیونکہ اس کی راتوں کے ابتدائی حصے تاریک ہوتے ہیں اور چاندنی اس وقت پھیلتی ہے جب لوگ سو چکے ہوتے ہیں ان راتوں میں چاند گھٹنا شروع ہوتا ہے اس کا روشن حصہ کم اور تاریک حصہ بڑھتا رہتا ہے۔

دو مہینوں کے مجموعے کو 'رتو' (رت) کہتے ہیں لیکن یہ مدت تقریباً دو مہینے کی ہوتی ہے کیوں کہ دو پکش والا مہینہ قمری ہوتا ہے اور جن دو مہینے کے مجموعے سے رتو بنتی ہے وہ شمسی مہینے میں یعنی رت دو شمسی مہینوں کا مجموعہ ہے۔

چھ رت مل کر انسانوں کا ایک شمسی سال بنتا ہے۔ اسے برہ' برکھ اور برش کہتے ہیں۔ ہندوؤں کی زبان میں 'ک'، 'کھ' اور 'ش' کا تلفظ تقریباً ایک سا ہے۔ (صحیح تلفظ

ورش ہے)

انسانوں کے تین سو ساٹھ سال فرشتوں کا ایک سال ہے اور اسے دب برہ (دویہ ورش) کہتے ہیں اور اس بات پر سب متفق ہیں کہ فرشتوں کے بارہ ہزار سال ایک چتر یگ شمار ہوتے ہیں۔ اختلاف چتر یگ کے چار حصوں اور وہ زوائد ہیں جن سے مانونتر اور کلپ بنتا ہے۔ اس مضمون کو مناسب جگہ پر زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ (دیکھئے باب 41 اور 45)

باب 39

ایسی مدتیں جو برہما کی عمر سے زیادہ ہیں

بڑے اوقات کا کوئی نظام اور معیار مقرر نہیں ہے

جب کسی میں کوئی نظم نہیں ہوتا یا وہ گزشتہ ابواب میں بیان کیے گئے اصولوں کے منافی ہوتی ہے تو طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اور وہ کانوں پر بھی گراں گزرتی ہے۔ ہندو نام تو بہت سے استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نام ایک ہی ذات واحد کے ہیں جو اول ہے یا پھر اس کے بعد والے کے ہیں جس کی طرف اشارہ کیا جائے لیکن جب اس مضمون کی طرف آتے ہیں جو اس باب کا موضوع ہے تو ان عمروں کو بڑے لمبے لمبے اعداد سے ظاہر کرتے ہیں۔ ان کا مقصد غالباً صرف لمبے چوڑے اعداد استعمال کرنا ہی ہوتا ہے پھر ان اعداد کی کوئی حد اور حساب نہیں۔ چوں کہ ان اعداد میں بھی یہ لوگ کسی ایک بات پر متفق نہیں ہیں اس لیے ہمارے لیے یہ اعداد بے کار ہیں۔

ان خیالی اعداد کے بارے میں ان کے درمیان ایسا ہی اختلاف ہے جیسا کہ یوم کے ان اجزا کے بارے میں جو پران (سانس) سے کم ہیں۔

(اس کے بعد وقت کے بڑے اجزا کے ماخذ کا حوالہ دیا ہے اور کلپ اور ترتس سے بننے والی مدتوں کا ذکر کیا ہے۔)

باب 40

سدھی، یعنی دو مدتوں کا وقفہ

دو سدھیاں

اصل سدھی دن اور رات کے درمیان کا وقفہ ہے یعنی صبح کا تڑکا جسے سدھی اودے کہتے ہیں اور شام کے دھندلکے کا وقت ہے جسے سدھی اسہ من یا غروب کی سدھی کہتے ہیں۔ ہندوؤں کو اس کی ضرورت مذہبی نقطہ نظر سے ہوتی ہے یعنی ان دو وقتوں میں برہمن غسل کرتے ہیں اور ان دونوں وقتوں کے درمیان دوپہر میں کھانا کھاتے ہیں جس کی وجہ سے کسی لاعلم کو یہ دھوکا ہو سکتا ہے کہ تیسری سدھی بھی ہوتی ہے۔ لیکن واقف کار صرف دو سدھیاں ہی شمار کرتے ہیں۔

دوسری سدھیاں

دن کی ان دو سدھیوں کے علاوہ، نجومیوں نے کچھ اور سدھیاں بھی فرض کر رکھی ہیں جو نہ طبعی ہیں اور نہ محسوس، بلکہ محض قیاس پر مبنی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ہر آین کی سدھی بھی قائم کی ہے یعنی سال کے دونوں نصف کے لیے جس میں سورج چڑھتا اور اترتا ہے (چونتیسواں باب) اور ہر نصف کے شروع ہونے سے پہلے کے سات دن کو سدھی قرار دیا ہے۔ اس کی نسبت میرے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ قرین قیاس بھی ہے کہ سدھی کا نظریہ پرانا نہیں بلکہ قریب زمانے کی ایجاد ہے اور ایک ہزار تین سو سکندری یا 989 عیسوی کے قریب ایجاد ہوا ہے یعنی اس وقت سے جب ہندوؤں کو یہ معلوم ہوا کہ 'انقلاب شمسی' ان کے مقرر کردہ وقت 'انقلاب' سے پہلے واقع ہوتا ہے۔

باب 41

کلپ اور چتر یگ

چتر یگ اور کلپ کی مقدار

بارہ ہزار دیو سال کا، جس کا طول بتایا جا چکا ہے (باب 35) ایک یگ اور ایک ہزار چتر یگ کا ایک کلپ ہوتا ہے۔ کلپ وہ مدت ہے جس کی ابتدا اور اختتام پر ساتوں سیارے اپنے اوج و جوزہر سمیت برج حمل کے نقطہ اول میں جمع ہو جاتے ہیں۔ کلپ کے دنوں کو اہرگن کہتے ہیں کیوں کہ آہ کے معنی دن اور ارگن کے معنی مجموعہ ہیں۔ چونکہ یہ طلوعی ایام ہیں اور سورج افق سے نکلتا ہے اس لیے انھیں ’زمنی ایام‘ بھی کہتے ہیں کیوں کہ افق زمین کا ضروری جزو ہے۔

کسی عہد کے ایام کے مجموعے کو بھی بعض لوگ کلپ اہرگن کہتے ہیں۔

مسلمان علما کلپ کے ایام کو ایام سند ہند یا ایام عالم کہتے ہیں اور ان کی تعداد 1,577,916,450,000 ایام (ساون یا طلوعی ایام) شمار کرتے ہیں جو 4320000000 شمسی سال اور 4452775000 قمری سال ہیں۔

کلپ کے ضمن میں 71 چتر یگ ایک منو یعنی منونتر کے برابر ہیں (منونتر سے مراد منو کا دور ہے) اور 14 منو ایک کلپ کے برابر ہوتے ہیں۔

منونتر اور کلپ کا تناسب

71 کو 14 سے ضرب دیں تو حاصل ضرب 994 چتر یگ ہوگا اور کلپ پورا ہونے میں 6 چتر یگ کی کمی رہے گی۔

(ہم نے اس باب میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ برہم گپتا کے نظریات اور دلائل پر مبنی ہے۔)

آریہ بھٹ کبیر، پلس اور آریہ بھٹ کے نظریات

آریہ بھٹ کبیر اور پلس نے منونتر کو 72 چتر یگ سے اور کلپ کو ایسے چودہ (14) سے جن کے درمیان سدھی نہیں ہے مرکب قرار دیا ہے۔ اس لیے ان کے نزدیک ایک کلپ میں 1008 چتر یگ، 12,096,000 دیویہ سال اور 14,354,360,000 نسانی سال ہوتے ہیں۔

مجھے آریہ بھٹ کی کوئی کتاب نہیں ملی ہے۔ اس کے نظریات کے بارے میں ہمیں جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ برہم گپتا کے حوالے سے معلوم ہوا ہے آریہ بھٹ، کسم پورا نے جو آریہ بھٹ کبیر کا پیرو ہے اپنی ایک چھوٹی کتاب السف میں کہا ہے: "1008 چتر یگ برہما کا ایک دن ہے۔ اس کے اول نصف یعنی 4، 5 سال کو 'اتسرپنی' کہتے ہیں اور دوسرے نصف کو 'اوسراپنی' کہتے ہیں۔ اس میں سورج نیچے اترتا ہے ان مدت کے وسط کو 'سم' یعنی 'برابری' کہتے ہیں کیوں کہ یہ دن کا وسط یا نصف النہار ہے اور اس کے دونوں سروں کا نام درتم (۵) ہے۔"

باب 42

چتر یگ کی یگوں میں تقسیم اور یگوں کے متعلق مختلف نظریات

وشنو دھرم کے مطابق چتر یگ کے اجزا

کتاب وشو دھرم کا مصنف کہتا ہے، 1200 دویہ سال کا ایک یگ ہوتا ہے جس کا نام شیہ' ہے۔ اسکا دوگنا 'دواپر' ہے۔ تین گنا 'ترت' ہے اور چار گنا کرت ہے اور ان چاروں یگوں کا مجموعہ ایک چتر یگ ہے یعنی چار یگ یا سم۔

71 چتر یگ ایک منونترا اور 14 منونتر، جس میں ہر دو منونتر کے درمیان ایک کرت یگ کی مدت کے برابر ایک سدھی ہو، ایک کلپ ہے دو کلپ برہما کا ایک یوم اور ان کی عمر سو سال یا پرش کا ایک دن ہے۔ پرش وہ پہلا مرد جس کی ابتدا اور انتہا معلوم نہیں ہے۔

(اس کے بعد البیرونی نے آریہ بھٹ کے نظریات پر برہم گپتا کی 'اہانت آمیز' تنقید کا بیان کیا ہے۔)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ برہم گپتا نے جو بات بیان کی اور جس سے اتفاق ظاہر کیا اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ آریہ بھٹ کی عداوت نے اس کو اندھا کر دیا ہے۔ اس نے آریہ بھٹ کی شان میں انتہائی ناشائستہ کلمات کہے ہیں اور نہ اس مسئلے پر آریہ بھٹ اور پلس دونوں کی رائے ایک ہے۔ اس کے ثبوت میں برہم گپتا کا وہ بیان پیش کیا

جا سکتا ہے جس میں اس نے یہ کہہ کر کہ آریہ بھٹ نے راس اور اوج قمر کے دوروں کو گھٹا کر چاند گرہن کا حساب خراب کر دیا ہے، آریہ بھٹ کو جہالت میں اس کیڑے سے تشبیہ دی جو لکڑی کو کھاتا ہے اور اتفاق سے اس لکڑی میں اس کے کاٹنے کی وجہ سے بعض حروف بن جاتے ہیں لیکن کیڑا نہ ان کو جانتا ہے اور نہ اس نے ارادتا" یہ نشان بنائے تھے۔ آریہ بھٹ کے خلاف اس نے ہر جگہ ایسی ہی ہرزہ سرائی کی ہے۔

باب 43

چاروں یگوں اور چوتھے یگ کے آخر میں ظاہر ہونے والے حالات کا بیان

قدیم یونانی، زمین کے بارے جو مختلف عقیدے رکھتے تھے ان میں سے ایک کو نمونے کے طور پر بیان کیا جاتا ہے:

قدرتی آفات

زمین پر وقتاً" فوقتاً" اوپر یا نیچے سے جو آفتیں نازل ہوتی ہیں، وہ اپنی شدت اور کیفیت میں مختلف ہوتی ہیں، اور اکثر اس پر ایسی آفات بھی آتی ہیں وہ شدت اور کیفیت دونوں میں اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہیں کہ ان کے مقابلے میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی اور نہ ان سے بچنے اور بھاگنے کا کوئی راستہ ہے۔ اس قسم کی آفات میں سیلاب اور زلزلے ہیں۔ ان میں سے اول الذکر ڈبو کر ہلاک کرتا اور آخر الذکر زمین کی سطح کو تہس نہس کرکے برباد کرتا ہے۔ کبھی زلزلے اتنے شدید ہوتے ہیں کہ زمین کے اندر سے پانی یا لاوا نکلنے لگتا ہے اور جلتی ہوئی چٹانیں اور سلگتی ہوئی بھوبل جو زمین سے نکلتی ہیں، ہوا سے منتشر ہوکر بربادی پھیلا دیتی ہیں۔ پھر ان آفات میں برق و رعد کی آندھیاں، بیماریاں، وبائیں ہیں جو بڑی بڑی جگہوں سے ان کے رہنے والوں کا صفایا کر دیتی ہیں۔ لیکن جب یہ بلائیں گزر جاتی ہیں تو زمین پر زندگی کے آثار پھر سے ظاہر ہوتے ہیں اور جانوروں کی طرح پہاڑوں اور غاروں میں چھپے ہوئے لوگ پھر سے جمع ہونے لگتے ہیں۔ پھر وہ اپنے مشترکہ دشمنوں کے خلاف، خواہ یہ دشمن درندے ہوں یا

حملہ آور انسان، ایک دوسرے کی مدد کرتے اور امن و مسرت کی زندگی بسر کرنے میں باہم تعاون کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور رشک و رقابت اور غصہ و حسد اپنے پر پھیلا کر ان پر چھا جاتا ہے اور ان کے سکون و مسرت کو برباد اور ان کی زندگی کو تلخ کر دیتا ہے۔ کبھی کوئی قوم اپنے نسب میں اس شخص سے منسوب ہو جاتی ہے جو سب سے پہلے یہاں آکر بس گیا تھا جس نے کسی خاص میدان میں کوئی امتیاز حاصل کرلیا تھا اور زمانہ گزر جاتا ہے مگر لوگ اس کو نہیں بھولتے، باقی سب کو بھول جاتے ہیں۔

چار زمانے یا یگوں کے بارے میں ہندوؤں کے عقائد

چتر یگ کے بارے میں ہندوؤں کی روایات بھی اسی طرح کی ہیں۔ کیوں کہ ان کا یہ عقیدہ ہے اس کے آغاز میں یعنی کرت یگ کی ابتدا میں خوشی اور سلامتی، زرخیزی اور افراط، صحت اور توانائی اور علم کا دور دورہ اور برہمنوں کی کثرت تھی۔ نیکی اپنی تکمیل کو پہنچ چکی تھی اور اس کی مقدار کل کے چار ربعوں کے بمنزلہ تھی۔ عمر ہر ایک کی، بلاامتیاز، چار ہزار سال تھی۔

اس کے بعد ان چیزوں میں کمی ہونے لگی اور ان کے ساتھ ان کی مخالف چیزیں ملنا شروع ہوگئیں۔ یہاں تک کہ ترت یگ کے شروع میں بھلائی کم ہوکر برائی کا تین گنا رہ گئی اور مسرت و سعادت بھی گھٹ کر تین چوتھائی رہ گئی۔ چھتریوں کی تعداد برہمنوں سے بڑھ گئی لیکن عمر اب بھی وہی رہی جو اس سے پہلے والے دور میں تھی۔ وشنو دھرم میں یہی لکھا ہے لیکن قیاس یہ کہتا ہے کہ عمر بھی اسی قدر گھٹ گئی ہوگی یعنی ایک چوتھائی کے بقدر۔ اس یگ میں آگ کو قربانی پیش کرنے کے لیے لوگ جانور کو مارنے اور پیڑ اکھاڑنے لگے تھے۔ جو پہلے نہیں کرتے تھے۔

اس طرح برائی بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ دواپر کے آغاز میں بھلائی اور برائی کا تناسب برابر ہو جاتا ہے اور اسی طرح خوشی اور دکھ کا۔ آب و ہوا میں تبدیلی آجاتی ہے۔ عمر گھٹ کر 400 سال رہ جاتی ہے۔ جیسا کہ وشنو دھرم میں لکھا ہے اور شیہ یعنی

کل یگ کی ابتدا میں برائی بڑھ کر اچھائی کی تین گنا ہو جاتی ہے۔

ہندوؤں کے ترت اور دواپر یگوں میں مشہور تاریخی واقعات گزرے ہیں۔ مثلاً رام کا واقعہ جس نے راون کو مارا یا پرسو رام برہمن کا واقعہ جو اپنے باپ کی موت کا بدلہ لینے کے لیے جس چھتری کو پاتا قتل کر دیتا تھا۔ ہندوؤں کے خیال میں پرسو رام آسمان پر زندہ ہے اور اکتیس بار زمین پر آچکا ہے اور پھر آئے گا یا پانڈو کی اولاد اور کورو کی اولاد کی لڑائی۔ کل جگ میں برائی بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ یہ بڑھ کر بھلائی کو مٹا دیتی ہے۔ اس وقت زمین کے باشندے ہلاک ہو جاتے ہیں اور جو لوگ خبیث اور شیطان انسانوں سے بھاگ کر پہاڑوں میں یا غاروں میں چھپ گئے تھے ان سے نسل انسانی پھر سے شروع ہوتی ہے۔ اس لیے اس یگ کو غار یگ کہا جاتا ہے جس کے معنی ہے کاموں سے فارغ ہوکر جانے کے لیے تیار ہونا۔

کل یگ کا بیان

سوناک کے قصے میں جو برہما کے حوالے سے بیان گیا ہے۔ خدا نے اس سے ان الفاظ میں گفتگو کی:

"جب کل یگ آتا ہے تو میں مخلوق میں نیکی پھیلانے کے لیے میں سدو دھن کے بیٹے بدھو دن کو بھیجتا ہوں لیکن مہامر یعنی سرخ لباس والے جو خود کو اس کی نسل سے بتاتے ہیں' اس کی لائی ہوئی تمام نیکیوں کو بدل دیں گے اور برہمنوں کا احترام اس درجے ختم ہو جائے گا کہ شودر تک ان سے گستاخی کریں گے۔ ذاتیں ایک دوسرے کے خلاف شورش کریں گی' نسب نامے خلط ملط ہو جائیں گے اور ذاتوں کی تقسیم (چار ذاتیں) مٹ جائے گی۔ مذاہب اور فرقوں کی بہتات ہو جائے گی۔

(وشنو دھرم اور بعض دوسرے ماخذ کے مطابق کل یگ کے حالات کا بیان اگلے ابواب میں دیا گیا ہے۔)

پھر جب یگ کے آخر میں برائی اپنی انتہا کو پہنچ جائے گی تو جسو؟ برہمن کا بیٹا گرگ یعنی کل ظاہر ہوگا۔ اسکے نام پر اس یگ کا نام کل یگ رکھا گیا ہے۔ طاقت میں

کل کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا اور ہتھیاروں کے استعمال میں بھی اس جیسا کوئی اور ماہر نہیں ہے۔ پھر وہ برائی کو ختم کرنے کے لیے تلوار نکال لیتا ہے۔ وہ زمین کو ان کی گندگی سے پاک کرتا اور ان سے خالی کرا لیتا ہے۔ پھر نیک اور پاک باز لوگوں کو نسل جاری رکھنے کے لیے جمع کرتا ہے۔ اب کرت یگ ان کے بہت پیچھے رہ جاتا ہے اور دنیا اور زمانہ پاکی' خیر کل اور مسرت کی طرف واپس آجاتے ہیں۔

یہ ہیں ان یگوں کے حالات جو چتر یگ میں گردش کرتے رہتے ہیں۔

چرک کتاب کے مطابق طب کا آغاز

علی ابن زین طبری نے کتاب چرک سے نقل کیا ہے کہ قدیم زمانے میں زمین زرخیز اور تندرست تھی اور مہا بھوت یا عناصر اعتدال کی حالت میں تھے۔ لوگ محبت کے ساتھ آپس میں مل جل کر رہتے تھے۔ ان میں حرص' جھگڑا اور بغض و حسد نہ تھا اور نہ کوئی ایسی چیز موجود تھی جس سے انسان کا بدن اور نفس بیمار ہو جاتا ہے۔ لیکن جب حسد آیا تو حرص بھی پیدا ہوئی۔ لوگ حرص میں مبتلا ہو کر جمع کرنے کی کوشش کرنے لگے جو بعض کے لیے آسان اور بعض کے لیے مشکل تھا۔ چنانچہ لوگ فکر' پریشانی اور رنج میں مبتلا ہو گئے اور اس کا نتیجہ جنگ' فکر و فریب اور جھوٹ نکلا۔ انسان کے دل سخت ہو گئے۔ طبیعتیں بدل گئیں اور بیماریاں پیدا ہو گئیں۔ بیماریوں نے انسانوں کو خدا کی عبادت اور علم کے فروغ سے غافل کر دیا۔ اس سے جہالت میں اضافہ ہوا اور نفاق بڑھ گیا۔ اس وقت نیک لوگ اطری کے بیٹے کرس (۵) درویش کی خدمت میں حاضر ہوئے اور غور و فکر کرنے لگے۔ پھر درویش پہاڑ پر چڑھ گیا اور خود کو زمین پر گرا دیا اور دعا کی جس پر خدا نے علم طب کو اس پر القا کیا۔

(اسی طرح کی یونانی روایات بھی البیرونی نے نقل کی ہیں۔)

باب 44

منونتر

منونتر، ان کے اندر اور اندر کی اولاد

جس طرح 72000 کلپ برہما کی عمر کی مدت ہے اسی طرح منونتر یعنی منو کی مدت، اندر کی عمر کی مدت ہے۔ اندر کی حکومت منونتر کی مدت ختم ہونے پر ختم ہو جاتی ہے اور ان کا عہدہ دوسرا اندر سنبھال لیتا ہے جو نئے منونتر کے دوران دنیا پر حکومت کرتا ہے۔

(اس کے بعد ایک جدول میں (14) کا عدد، اور وشنو پران کے مطابق منونتروں کے نام، اندر اور منو کی اولاد کے نام، جو ہر نئی مدت کے شروع ہونے پر دنیا پر حکومت کرتے تھے، درج کیے ہیں۔ بعض منونتروں کے متعدد نام ہیں۔ ان کی وجہ البیرونی نے یہ بتائی ہے کہ ہندوؤں کو ناموں کی کثرت پسند ہے، وہ ترتیب کا مطلق لحاظ نہیں کرتے۔)

باب 45

بنات النعش

وششٹ کی بیوی

ہندوستانی زبان میں بنات النعش کو سپت رشی یعنی سات رشی کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ سنیاسی تھے جو صرف حلال رزق پر گزارہ کرتے تھے اور ان کے ساتھ ایک پاک باز عورت سہا بھی تھی۔ (URSA MAJOR STAR 80 by Z)

وہ کھانے کے لیے تالاب سے کنول کے ڈنٹھل چن رہے تھے کہ دھرم نے آکر اس عورت کو ان سے چھپا دیا۔ ان سب نے بہت ندامت کا اظہار کیا اور بے گناہی کی قسمیں کھائیں جن کو دھرم نے پسند کیا اور ان کی عزت افزائی کے لیے انہیں اٹھا کر اس جگہ پہنچا دیا جہاں پر وہ دکھائی دیتے ہیں۔

(پھر ورہ میر کی سمت سے بنات النعش کے حالات نقل کیے ہیں۔ بنات النعش کے مطلع کے بارے میں ہندوستانی علما میں جو اختلاف ہے اس پر تبصرہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں البیرونی نے ایک بڑی معرکتہ الاراء بات کہی ہے اور وہ یہ کہ 'ہمارا زمانہ' یعنی اس کتاب کے لکھنے کا زمانہ 1030ء ہے جو 952 کا ساکا کال کے مطابق ہے۔ البیرونی کے اس خیال کی تائید ساکا کال کی جنتریوں سے ہوتی ہے۔)

ہیئت کے مسائل کو مذہبی روایات کے ساتھ خلط ملط کردیا گیا ہے

یہ تمام اختلافات جن کی ہم نے نشاندہی کی ہے اس وجہ سے ہیں کہ اول تو ہندوؤں کو ہیئتی تحقیق کی سمجھ نہیں اور دوسرے یہ کہ ان مسائل کو مذہبی روایات کے

ساتھ مخلوط کردیا گیا ہے۔ علمائے مذہب بنات النعش کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ 'سات رشی' ثوابت سے بلند ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر منونتر میں ایک نیا منو ظاہر ہوتا ہے جس کی اولاد کو زمین فنا کردیتی ہے لیکن اندر کی حکومت کی اور فرشتوں کی مختلف جماعتوں اور سات رشیوں (بنات النعش) کا احیاء نو یعنی ان کی از سرنو پیدائش ہوتی ہے۔ فرشتوں کی ضرورت اس لیے ہے کہ انسان ان کے لیے قربانی کرے اور ان کا حصہ آگ تک پہنچائے اور سات رشیوں (بنات النعش) کی اس لیے ضرورت ہے کہ وید کی تجدید کریں کیوں کہ ہر منونتر کے ختم پر وید فنا ہو جاتا ہے۔

ہم نے یہ مضمون وشنو پران سے لیا ہے اور وہیں سے ہم نے ہر منونتر کے سات رشیوں کے نام بھی لیے ہیں جو ایک جدول میں درج کیے گئے ہیں۔

(اس جدول میں 14 منونتروں کے سات رشیوں (بنات النعش کے سات ستاروں کے نام بھی درج ہیں۔)

باب 46

نارائن' اس کے نام اور مختلف زمانوں میں اس کا ظہور

نارائن کے نام

ہندوؤں کے نزدیک نارائن ایک فوق فطرت قوت ہے جس کا مقصد نہ دنیا کی حالت کو اچھائی کے ذریعے اچھا بنانا ہے اور نہ برائی کے ذریعے برا بنانا۔ وہ صرف برائی اور ابتری کو تمام ممکن ذرائع سے دفع کرتا ہے۔ اس کے نزدیک اچھائی برائی سے پہلے سے موجود ہے لیکن اگر اچھائی کا سلسلہ جاری نہیں رہتا یا اچھائی موجود نہیں ہوتی تو برائی سے کام لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال اس سوار جیسی ہے جو اناج کے کھیت کے بیچ میں پہنچ گیا ہے۔ جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور وہ وہاں سے نکلنا چاہتا ہے جہاں غلطی سے پہنچ گیا تھا تو اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ پھر اسی راستے سے واپس آئے جس سے گیا تھا اور اس کے واپس آنے سے اناج کی پھر وہی خرابی ہو جیسی پہلے ہوئی تھی لیکن اس کے علاوہ تلافی کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔

ہندو اس قوت اور علت اولی کے درمیان امتیاز نہیں کرتے۔ اسکا دنیا میں رہنا بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ انسانوں کا یعنی بدن اور رنگ کے ساتھ' اسی لیے لوگ اس کی اس زندگی کو مادی زندگی تصور کرتے ہیں لیکن ایسا اس لیے ہے کہ ان کے خیال میں دنیا میں ظہور کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے۔

دوسرے اوقات کے علاوہ اور ایک مرتبہ پہلے منونتر کے تمام ہونے پر وال کھلیہ (

۵) سے جو دنیا کی حکومت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا' نارائن حکومت چھیننے کے لیے ظاہر ہوا۔ نارائن نے وال کھلیہ سے حکومت چھین کر ست کرت' کے حوالے کردی جو پوری سو قربانیاں ادا کرتا تھا اور نارائن نے ست کرت کو اندر بنا دیا۔

(اس کے بعد چھٹے منونتر کے خاتمے پر نارائن کے ظہور کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اس وقت نارائن نے وروچن کے لڑکے راجا بل کو قتل کیا تھا۔)

اسی کتاب وشنو پران میں دوسری جگہ لکھا ہے "وشنو نارائن کا دوسرا نام ہے جو ہر دواپر کے ختم پر وید کو چار حصوں میں تقسیم کرنے آتا ہے کیوں کہ انسان کمزور ہے اور پورے وید پر عمل کرنے سے قاصر ہے۔ اس کی شکل ویاس سے ملتی ہے۔"

(پھر ساتویں منونتر کے ویاس کے ناموں کی فہرست پیش کی ہے۔)

باب 47

واسو دیو اور بھارت کی لڑائیاں

فطرت کے حالات بھی انسانی تاریخ جیسے ہیں

دنیا کی آبادی کا انحصار کھیتی اور اولاد کی پیدائش ہے۔ دونوں میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا ہے۔ ان کی زیادتی کی کوئی حد نہیں جب کہ دنیا محدود ہے۔ جب پودوں یا جانوروں کی کوئی نوع جسامت کے اعتبار سے نہیں بلکہ تعداد کے حساب سے بڑھتی رہتی ہے اور ایک بار پیدا ہوکر اور مر کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ بار بار اپنی نوع کو پیدا کرتی رہتی ہے اور ایک نہیں بلکہ ایک ایک بار میں کئی کئی کو پیدا کرتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صرف ایک ہی نوع کے درخت یا ایک ہی نوع کے حیوان زمین پر اس قدر پھیل جائیں گے کہ ہر طرف وہی وہ دکھائی دیں گے۔

کسان اپنے کھیت کو صاف کرتا ہے اور جس چیز کی اسے ضرورت ہے وہی اگاتا ہے اور باقی کو اکھاڑ پھینکتا ہے۔ مالی پودوں کی ان شاخوں کو رکھتا ہے جنہیں وہ اچھا سمجھتا ہے اور باقی شاخوں کو چھانٹ دیتا ہے۔ شہد کی مکھیاں اپنی ان ہم جنسوں کو جو صرف کھاتی ہیں اور کام نہیں کرتیں، مار کر ختم کر دیتی ہیں۔

فطرت کا یہی انتظام ہے لیکن وہ فرق نہیں کرتی۔ اس کے عمل سے ہر ایک متاثر ہوتا ہے۔ وہ پتے، پھل اور شاخیں سب کو مٹا دیتی ہیں اور درخت کو وہ کام کرنے سے روک دیتی ہے جس کے لیے وہ بنا تھا۔ لیکن وہ ایسا اس لیے کرتی ہے کہ پرانے درختوں کو ہٹا کر نئے پودوں کے لیے گنجائش اور جگہ نکالے۔

اس طرح جب دنیا میں لوگوں کی کثرت سے خرابی پیدا ہو جاتی ہے یا پیدا ہونے کے قریب ہوتی ہے تو اس کا حاکم' جس کا تدبر اور حکمت اس کے ذرے ذرے سے ظاہر ہے' اپنے کسی قاصد کو بھیجتا ہے تاکہ وہ اس زیادتی کو کم کرے اور برائی کو قطع کرے۔

واسو دیو کی پیدائش کا واقعہ

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ ایسے قاصدوں میں سے ایک واسو دیو ہے جس کو آخری بار انسان کی شکل میں واسو دیو کے نام سے اس وقت بھیجا گیا تھا جب دنیا میں عفریتوں کی کثرت ہوگئی تھی اور انھوں نے ساری دنیا کو اپنے ظلم سے دہشت زدہ کر دیا تھا۔ زمین ان کے بوجھ کی زیادتی کی وجہ سے لڑکھڑانے لگی تھی۔ اس وقت متھرا شہر میں واسو دیو کا' راجا کنس کی بہن کے بطن سے جنم ہوا ----- یہ لوگ جاٹ خاندان کے تھے اور مویشی پالتے تھے اور اصل میں یہ لوگ نیچ ذات کے شودر تھے۔ کنس کو ایک ندائے غیبی کے ذریعے' جو اسے اپنی بہن کی شادی کے وقت سنائی دی تھی' یہ معلوم ہوگیا تھا کہ اس کی موت اس کے بھانجے کے ہاتھوں ہوگی۔ اس لیے اس نے چند لوگ مقرر کر دیے تھے کہ وہ اس کے (بہن کے) جو بھی بچہ پیدا ہو لے آئیں۔ آخر میں اس کے (بہن کے) ہاں . بلبدر پیدا ہوا۔ اس بچے کو گلے بان کی بیوی یشودا نے لے لیا۔ اس کے بعد وہ آٹھویں بار حاملہ ہوئی اور بھادرپد ماہ کی ایک اندھیری برساتی رات میں واسو دیو کو جنم دیا۔ جب قیدخانے کے محافظ گہری نیند سو رہے تھے تو باپ اس بچے کو چھپا کر متھرا کے قریب نند کلا لے گیا۔ وہاں واسو دیو کی پرورش یشودا کے ہاتھوں ہوئی۔ یشودا کو یہ پتہ نہیں تھا کہ واسو دیو اس کا حقیقی بیٹا نہیں ہے .... لیکن پھر بھی کنس کو اس معاملے کی بھنک پڑ گئی تھی۔

کورو اور پانڈو کی لڑائی کے واقعات درج ذیل ہیں :

کورو کی اولاد (یعنی دھرت راشٹر) اپنے چچا زاد بھائیوں (پانڈو کی اولاد) کے درپے آزار رہتی تھی۔ دھرت راشٹر نے انہیں مہمان بنایا اور ان کے ساتھ جوا کھیلا اور ان

کی تمام املاک کو جیت لیا۔ پانڈو ہر ہر چیز ہارتے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دھرت راشٹر نے ان سے یہ شرط لی کہ وہ دس برس سے زیادہ جلا وطن رہیں اور اس مدت کے بعد ملک کے کسی ایسے دور دراز گوشے میں جہاں انہیں کوئی نہ جانتا ہو، روپوش ہو جائیں۔ اگر وہ یہ شرط پوری نہ کریں تو انہیں اتنے ہی سال اور جلا وطن رہنا ہوگا۔ یہ شرط پوری کی گئی اور آخرکار لڑائی کے لیے ان کے سامنے آنے کا وقت آگیا۔

ہر فریق اپنی پوری جماعت اور مددگاروں کے ساتھ 'تھانی سر' کے میدان میں پہنچ گیا اور میدان میں اتنے لوگ جمع ہوگئے جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ لوگ اٹھارہ اکشوہنی تھے۔ ہر فریق نے واسو دیو کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی۔ اس پر واسو دیو نے یہ پیش کش کی کہ یہ لوگ یا تو تنہا اس کی ذات کو لے لیں یا اس کے بھائی بل بھدر اوراس کی فوج کو۔ لیکن پانڈووں نے تنہا واسو دیو کو ساتھ لینے کو ترجیح دی۔ پانڈو پانچ بھائی تھے، یدھ شٹر، ان کا سردار تھا، ارجن، جو سب میں بہادر تھا، اور ان دونوں کے علاوہ سہ دیو، بھیک سین اور نکل تھے۔ ان کے ساتھ اکشوہنی تھے جب کہ ان کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اگر واسو دیو کی عیاریاں اور تدبیریں ان کے ساتھ نہ ہوتیں تو ان کو فتح حاصل نہ ہوتی۔ واسو دیو کی وجہ سے ان کو فتح حاصل ہوئی مگر تمام کی تمام فوج موت کے گھاٹ اتر گئی ارو صرف یہ پانچ بھائی زندہ بچے۔ لڑائی کے بعد واسو دیو اپنے گھر واپس آکر اپنے خاندان والوں سمیت، جو یادو کہلاتے تھے، چل بسے اور پانچوں بھائی بھی لڑائی ختم ہونے کے ایک سال کے اندر وفات پا گئے۔

البیرونی نے واسو دیو اور پانچ پانڈو بھائیوں کے خاتمے کے بارے میں کچھ مزید تفصیل بھی بیان کی ہے۔ واسو دیو کا ایک بھائی اور عزیز ایک کڑھائی کو کرتے میں چھپا کر رشی درداسا کے پاس گئے اور پوچھا کہ ہمارے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ رشی کو اس مذاق پر سخت غصہ آیا اور اس نے کہاکہ تمہارے عزیز کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسی سے تمہاری اور تمہارے عزیز کی موت ہوگی۔ واسو دیو نے یہ سوچ کر کہ یہ بددعا صحیح ثابت ہوگی، کڑھائی کو دریا میں پھکوا دیا۔ کڑھائی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا، ایک مچھلی نے کھا لیا۔ جس مچھیرے نے اس مچھلی کو پکڑا اس نے اس کے پیٹ سے نکلے لوہے کے

ٹکڑے سے تیر بنوا لیا۔ اسی تیر سے واسو دیو' جو ایک پیڑ کے نیچے پالتی مار کے بیٹھے تھے' ہلاک ہوئے۔ مچھیرے نے انہیں ہرن سمجھ کر ان پر تیر چلایا تھا۔ کڑھائی کے دوسرے ٹکڑوں سے بردی کی ایک جھاڑی پیدا ہوگئی۔ جب یادو اس کے قریب پہنچے اور بیٹھ کر شراب پینے لگے تو ان میں تکرار ہوگئی اور انہوں نے ایک دوسرے کو اس کے گھٹوں سے مار ڈالا۔ ارجن جس کو واسو دیو نے اپنی لاش پھونکنے اور خواتین کو واپس لے جانے کا حکم دیا تھا' راستے میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اگرچہ ارجن نے ڈاکوؤں کو پسپا کر دیا تھا لیکن اسے محسوس ہوا کہ اس کی طاقت جواب دے رہی تھی۔ وہ اور اس کے بھائی شمال کی طرف چلے گئے اور پہاڑوں میں داخل ہوگئے لیکن وہاں سردی کی شدت سے وہ سب یکے بعد دیگرے ہلاک ہوگئے۔

باب 48

اکشوہنی سے کیا مراد ہے؟

ایک اکشوہنی میں	10	(دس) انت کنی ہوتے ہیں
ہر انت کنی میں	3	چم ہوتے ہیں
ہر چم میں	3	پری تن ہوتے ہیں
ہر پری تن میں	3	واہنی ہوتی ہیں
ہر واہنی میں	3	گن ہوتے ہیں
ہر گن میں	3	گلم ہوتے ہیں
ہر گلم میں	3	سینا مکھ ہوتے ہیں
ہر سینا مکھ میں	3	پتی ہوتے ہیں
ہر پتی میں	3	رتھ ہوتے ہیں

شطرنج میں رتھ کا نام رخ ہے۔ یونانی اس کو لڑائی کا رتھ کہتے ہیں۔ اس کو منقالوس نے ایجاد کیا تھا۔ ایتھنز والوں کا دعویٰ ہے کہ سب سے پہلے وہ جنگ کے رتھوں پر سوار ہوئے تھے۔ اس سے پہلے افروڈی سیس ہندو، جب وہ مصر کا بادشاہ تھا، طوفان سے تقریباً 900 سال قبل، اس کو ایجاد کر چکا تھا۔ اس مصری رتھ کو دو گھوڑے کھینچتے تھے۔

ہر رتھ سے متعلق ایک ہاتھی، تین سوار اور پانچ پیادے ہوتے ہیں یہ ترتیب لڑائی کی تیاری، خیموں کی تنصیب اور کوچ کرنے کی غرض سے قائم کی گئی ہے۔ ایک اکشوہنی میں 21,870 رتھ، 21870 ہاتھی، 65610 سوار اور 109350 پیادے ہوتے

ہیں۔

ہر رتھ میں چار گھوڑے اور چار کوچوانوں کے علاوہ گاڑی کا سردار ہوتا ہے جو تیرکمان سے لیس ہوتا ہے۔ پھر ہر ہاتھی پر اس کا مہاوت اور ایک نائب مہاوت جو ہودج کے پیچھے سے' جس پر سردار تیر انداز اپنے دو معاون نیزہ بازوں کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے' ہاتھی کو انکش مارتا رہتا ہے۔ ہاتھی پر اس فوجی عملے کے علاوہ ایک مسخرا (ہاؤ ہاؤ) بھی ہوتا ہے۔ عام حالات میں یہ مسخرا ہاتھی کے آگے آگے چلتا ہے۔

اس حساب سے رتھوں اور ہاتھیوں پر 2,84,323 سوار ہوتے ہیں۔ گھوڑا سواروں کی تعداد 87,480 ہوتی ہے۔ ایک اکشوہنی میں 21,870 ہاتھی' 21,870 رتھ' 153,090 اگھوڑے اور 4,59,283 افراد ہوتے ہیں۔

ایک اکشوہنی میں جان داروں (ہاتھی، گھوڑے اور افراد) کی مجموعی تعداد 634,243 ہوتی ہے۔ اس حساب سے 18 اکشوہنی میں ان کی تعداد 11,416,374 ہوتی ہے جس میں 3,93,660 ہاتھی 275620 گھوڑے اور 8,267,094 افراد ہوتے ہیں۔

یہ ہے تفصیل ایک اکشوہنی اور اس کے اجزاء کی۔

باب 49

تاریخی ادوار کا مختصر بیان

ادوار سے تاریخ اور نجوم کی مدتوں کو متعین کیا جاتا ہے۔

ہندوؤں کے چند ادوار

ہندو بڑے بڑے اعداد کے استعمال سے اکتاتے نہیں بلکہ اسے پسند کرتے ہیں لیکن اکثر اوقات بعض عملی دشواریوں کی وجہ سے چھوٹے اعداد استعمال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ان کی تاریخ کے ادوار میں سے بعض یہ ہیں۔

(1) برہما کے وجود کی ابتدا

(2) برہما کے موجودہ یوم کی ابتدا یعنی کلپ کی ابتدا

(3) ساتویں منونتر کی ابتدا، جو ہمارا زمانہ ہے۔

(4) اٹھائیسویں چتر یگ کی ابتدا، جس میں ہم لوگ اس وقت ہیں۔

(5) موجودہ چتر یگ کے چوتھے یگ یعنی 'کلی کال' (کلی کا زمانہ) کی ابتدا۔ کیوں کہ یگ اسی کی طرف منسوب ہے۔ اگرچہ اس کا صحیح زمانہ اس یگ کا آخری حصہ ہے۔ ہندو 'کلی کال' سے کل یگ کی ابتدا مراد لیتے ہیں۔

(6) پانڈو کال یعنی پانڈوں اور بھارت کی لڑائیوں کا زمانہ۔ یہ سب زمانے یا ادوار بہت قدیم ہیں جن کو گزرے ہوئے سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں۔ اس لیے ان سے کام لینا منجموں اور دوسرے لوگوں کے لیے دشوار ہی نہیں

ناممکن بھی ہے۔

مصنف 400 یزدجرد کو معیار بناتا ہے

ہندوؤں کے ان زمانوں یا ادوار کو سمجھانے کے لیے ہم ہندوؤں کا وہ سن لیتے ہیں جس کا بڑا حصہ 400 یزدجرد میں پڑتا ہے۔ یہ عدد صرف سیکڑے کا ہے' اس میں اکائی دہائی نہیں ہیں۔ اس خصوصیت کی وجہ سے یہ سال دوسرے سالوں سے ممتاز ہے۔ پھر یہ سال اس لیے بھی یادگار ہے کہ اس سے تقریباً ایک سال قبل دین کا مضبوط ترین ستون گر پڑا یعنی سلطان محمود' علیہ الرحمتہ' جیسے شیرعالم اور یگانہ روزگار شخص کا انتقال ہوا۔ ہندوؤں کا یہ سال یزدجری سال کے نوروز (یعنی پہلے دن) کے صرف بارہ دن پہلے اور سلطان کی وفات کے ٹھیک دس ایرانی ماہ بعد شروع ہوتا ہے۔

اس یزد جردی سنہ کی بنیاد پر ہم ان سالوں کا حساب لگالیں گے جو اس ہندو سال کے آغاز پر ختم ہوتے ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا اور جو نو روز سے صرف بارہ دن پہلے شروع ہوتا ہے۔

(ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے اقتباسات اور بعض دوسری علمی کتابوں کی مدد سے البیرونی نے مندرجہ ذیل باتوں کا حساب لگایا ہے۔ (1) برہما کی کتنی عمر گزر چکی ہے۔ (2) رام کا زمانہ اور (3) موجودہ کل یگ کی کتنی مدت گزر چکی ہے۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل نسبتاً زیادہ اہم ادوار کے آغاز کی تاریخیں بھی متعین کی ہیں۔ (1) شری ہرش کا زمانہ (2) وکرما دتیہ کا زمانہ (3) شک کا زمانہ (4) وبھ کا زمانہ (5) گپت کال۔

شری ہرش کا دور

شری ہرش کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ مٹی کو دیکھ کر زمین کے ساتویں طبقے کی گہرائی تک جو خزانے دفن ہیں ان کا پتہ چلا لیتے تھے اور انہیں نکال لیتے تھے جس کی وجہ سے انہیں اپنی رعایا پر سختی کرنے کی ضرورت نہیں تھی (یعنی محصول' لگان وغیرہ کے معاملے میں)۔ ان کا سنہ متھرا اور قنوج کے نواح میں مستعمل ہے۔ شری

ہرش اور وکرمادتیہ کے درمیان 400 سال کی مدت ہے جیسا کہ مجھے اس علاقے کے بعض باشندوں نے بتایا ہے۔ لیکن کشمیری جنتری میں میں نے یہ پڑھا ہے کہ ہرش، وکرما دتیہ کے 664 سال بعد ہوا ہے۔ اس اختلاف نے مجھے شبہ میں ڈال دیا ہے اور مجھے اب تک اس معاملے میں کوئی مستند معلومات حاصل نہیں ہو سکی ہے۔

وکرمادتیہ کا عہد

وکرمادتیہ کا سنہ استعمال کرنے والے ہندوستان کے جنوبی اور مغربی حصوں میں رہتے ہیں۔ یہ سنہ مندرجہ ذیل طریقہ پر کام میں لایا جاتا ہے۔ 342 کو 3 سے ضرب دیتے ہیں اور حاصل ضرب 1026 میں موجودہ 'ششت یابد' یعنی ساٹھ سالہ 'سموتسر' کے گزرے ہوئے سال جوڑ دیتے ہیں۔ یہی وکرما دتیہ کا سن ہے۔

شک سال

شک کا زمانہ یا شک کال وکرما دتیہ کے زمانے کے 135 سال بعد ہے۔ مذکورہ شک نے ان کے ملک کے اس حصہ پر، جو دریائے سندھ اور سمندر کے بیچ میں ہے، قبضہ کرکے اس کے وسط میں آریہ ورت کو اپنا صدر مقام بنایا۔ اس نے ہندوؤں کو اس بات سے منع کردیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو 'شک' کے علاوہ کسی اور ذات سے منسوب کریں۔ بعض ہندوؤں کا خیال ہے کہ وہ شہر منصورہ کا شودر تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ ہندوستان کا رہنے والا نہیں تھا بلکہ پچھم سے آیا تھا۔ ہندو اس کے ہاتھوں سخت مصیبت میں مبتلا رہے۔ یہاں تک کہ پورب سے وکرما دتیہ نے پیش قدمی کرکے اس پر حملہ کیا اور شکست دی اور کرور کے اطراف میں، جو ملتان اور لونی قلعہ کے درمیان واقع ہے، اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ تاریخ مشہور ہوگئی اور اس کو اس زمانے کا سن بنا لیا گیا۔ منجموں نے خاص طور پر اس سن کو استعمال کیا۔ انھوں نے اس فاتح کی تعظیم کے لیے اس کے نام میں شری کا لفظ بڑھا دیا۔ چوں کہ وکرما دتیہ کے سن اور شک کے قتل کے سن کے درمیان بڑا وقفہ حائل ہے۔ اس لیے ہمارا خیال ہے کہ جس وکرما دتیہ کی طرف یہ سن منسوب ہے وہ وکرما دتیہ نام کا کوئی دوسرا شخص تھا، وہ وکرما دتیہ

نہیں تھا جس نے شک کو مارا تھا۔

ولبھ کا سال

یہ سن ولبھ کے نام پر ہے جو شہر ولبھ کا حاکم تھا۔ یہ شہر انہلواڑہ سے تقریباً 30 یوجن جنوب میں واقع ہے۔ یہ سن شک (شاکا) سن کے 241 سال بعد کا ہے۔ لوگ اسے اس طرح کام میں لاتے ہیں وہ شک کال کے سن سے چھ کے مکعب اور پانچ کے مربعہ کو گھٹاتے ہیں یعنی (216x25=241)241 کم کرتے ہیں۔ جو بچتا ہے وہی ولبھ کا سن ہے۔ ولبھ کی تاریخ مناسب مقام پر بیان ہوئی ہے۔ (دیکھئے باب 17)

گپت کال

اب آیئے گپت کال کی طرف گپت لوگوں کے متعلق یہ خیال کہ وہ شریر اور طاقتور قوم تھی اور جب یہ قوم فنا ہوگی تو اسی کو ان کا سن بنا لیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید ولبھ ہی اس قوم کا آخری شخص تھا کیوں کہ گپت سن اور ولبھ سن معاصر ہیں اور دونوں شک کے سن سے 241 سال پیچھے ہیں۔

منجموں کا سن

منجموں کا سن شک کال کے 587 سال بعد شروع ہوتا ہے۔ برہم گپت کی زیچ "کھنڈ کھڈ ایک" جو مسلمانوں میں "ارکند" کے نام سے مشہور ہے، بنیاد اسی سن پر ہے۔

سموت سرس کے حساب سے مستعمل تاریخوں کو نکالنے کا طریقہ

عام لوگ سالوں کو ایک ایک کرکے صدی شمار کرتے ہیں اور اس کو 'سموت سرس' کہتے ہیں۔

جب ایک صدی پوری ہو جاتی ہے تو اسے چھوڑ دیتے ہیں اور نئی صدی کا شمار کرنے لگتے ہیں۔ اس کو 'کل لوک' یعنی پوری قوم کا سن کہتے ہیں۔ لیکن اس صدی کے متعلق لوگوں کے بیانات اس قدر مختلف ہیں کہ میرے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے

کہ ان میں سے صحیح کون سا ہے۔ ایسا ہی اختلاف سال کے آغاز کے متعلق بھی ہے۔ میں نے اس کے بارے میں جو کچھ سنا ہے وہ بیان کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ایک نہ ایک دن یہ ابہام رفع ہو جائے گا اور میں اس کی حقیقت کو دریافت کرلوں گا۔ (اس کے بعد ملک کے مختلف حصوں میں سال کی جو ابتدا تسلیم کی گئی ہے اسکا بیان کیا ہے۔)

ہم پہلے ہی یہ عذر کر چکے ہیں کہ اس باب میں جو کچھ بیان لیا گیا ہے اس کی تحقیق نہیں ہو سکی ہے۔

ہندوؤں کے یہاں تاریخ شماری کے مشہور طریقے

اس باب میں جن سنوں کا ذکر ہوا ہے ان کی عملی توجیہہ نہیں کی جا سکتی کیوں کہ ان میں جو مدتیں استعمال ہوتی ہیں وہ صدی سے زیادہ ہیں اور سو سال سے قبل کے واقعات کے بارے میں روایات میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔

کابل کے راجاؤں کے خاندان کی ابتدا

ہندوؤں کے راجا کابل میں بھی تھے۔ یہ وہ ترک تھے جن کا خاندان تبت کا تھا۔ ان کا پہلا شخص "برہا تاکن" کابل آیا اور ایک غار میں داخل ہوگیا۔ اس غار میں صرف لیٹ کر یا کھسک کر داخل ہوا جا سکتا تھا۔ غار میں پانی موجود تھا۔ کھانے کا کئی دن کا سامان بھی اس نے وہاں رکھ لیا تھا۔ یہ غار ہمارے زمانے تک 'ور' کے نام سے مشہور ہے۔ جو لوگ برہاتاکن کے نام کو مبارک سمجھتے ہیں وہ تکلیف اٹھا کر اس غار میں جاتے اور وہاں کا پانی لے کر واپس آتے ہیں۔ اس غار کے دہانوں میں کسانوں کی کئی ٹولیاں کام کرتی تھیں۔ اس قسم کے کام بغیر کسی کو شریک کیے انجام نہیں پا سکتے اور اس وقت تک راز میں نہیں رکھے جا سکتے جب تک کہ راز داروں سے قول و قرار نہ لے لیے جائیں۔ جس شخص کو اس نے ملایا اور اپنا رازدار بنایا تھا اس نے لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ باری باری دن رات وہاں کام کرتے رہیں تاکہ وہ جگہ کسی وقت لوگوں سے خالی نہ رہے۔

غار میں داخل ہونے کے چند دن بعد اس نے لوگوں کی موجودگی میں غار سے اس

طرح باہر کی طرف کھسکنا شروع کیا جیسے ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ ترکی لباس، سامنے سے کھلی ہوئی قبا، اونچی ٹوپی اور جوتے پہنے ہوئے تھا اور ہتھیاروں سے لیس تھا۔ لوگ اس کے اس طرح نمودار ہونے کو ایک معجزہ سمجھے اور انہوں نے یہ خیال کرکے کہ اسے بادشاہ بنا کر پیدا کیا ہے، اس کی تعظیم کرنے لگے اور وہ واقعی ان مقامات پر قابض ہوکر حکمرانی کرنے لگا اور اپنے لیے شاہ کابل کا لقب اختیار کیا۔ اس کے بعد اس کے خاندان کے دوسرے لوگ وہاں کئی نسلوں تک حکومت کرتے رہے۔ ان راجاؤں کی تعداد تقریباً 60 ہے۔

بدقسمتی سے ہندو واقعات کی تاریخی ترتیب کا بالکل خیال نہیں کرتے اور نہ بادشاہوں کی تخت نشینی کو تاریخی ترتیب سے بیان کرتے ہیں اور جب انہیں کوئی الجھن یا دقت پیش آتی ہے تو من گھڑت کہانیاں بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم وہ تمام روایات بیان کر دیتے جو ہمیں بعض لوگوں نے سنائی ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ شاہی خاندان کا شجرۂ نسب ریشم کے پارچے پر لکھا ہوا نگر کوٹ کے قلعے میں موجود ہے۔ میں اسے دیکھنا چاہتا تھا لیکن بعض وجوہ سے ایسا نہ کرسکا۔

(اس کے بعد ان کے ایک بادشاہ 'کنک کا' جس نے پرشاور وہار بنوایا تھا اپنے وزیر کے ہاتھوں معزول اور قید کر دیے جانے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اس کے معزول ہونے کے بعد حکومت برہمن بادشاہوں کے ہاتھوں میں آگئی۔)

تبتی خاندان کا خاتمہ اور برہمن خاندان کی ابتدا

اس خاندان کا آخری بادشاہ لگ تورمان تھا۔ اسکا وزیر کلر ایک برہمن تھا۔ کلر کے مقدر نے یاوری کی اور اسے چھپا ہوا خزانہ مل گیا جس سے اس کا اثر اور طاقت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تبتی خاندان کا آخری بادشاہ، اپنے خاندان کی طویل حکومت کو گنوا بیٹھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ لگ تور مان کے اخلاق و عادات اتنے بگڑ گئے تھے کہ لوگوں نے وزیر سے اس کی شکایت کی۔ وزیر نے اس کو گرفتار کرلیا اور اصلاح کے لیے قید کردیا۔ مگر اب اقتدار کا مزہ وزیر کے منھ لگ چکا تھا چنانچہ

اس نے اپنی دولت اور اس سے حاصل ہونے والے اثرورسوخ کے بل بوتے پر تخت سلطنت پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد دوسرے برہمن بادشاہوں نے حکومت کی۔ اور سمند (سامنت) کملو، بھیم جے پال، آنند پال اور تروجن پال یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ آخرالذکر یعنی (تروجن پال) 412 ہجری میں قتل کیا گیا اور اس کا بیٹا پانچ سال بعد یعنی 1026 عیسوی میں قتل ہوا۔

ہندو بادشاہوں کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور اب اس خاندان کا ایک بھی فرد باقی نہیں ہے۔ ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس خاندان کے سلاطین اپنے جاہ و حشم کے باوجود لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے اور اچھے کام کرنے میں پیش پیش تھے اور نہایت شریف النفس تھے۔ مجھے آنند پال کے اس خط کا، جو اس نے سلطان محمود کو اس وقت لکھا تھا جب دونوں کے تعلقات نہایت کشیدہ تھے۔ مندرجہ ذیل ٹکڑا بہت پسند آیا:

"میں نے سنا ہے کہ ترکوں نے آپ کے خلاف بغاوت کر دی ہے اور خراسان میں پھیل گئے ہیں۔ اگر آپ منظور کریں تو پانچ ہزار سوار، دس ہزار پیادے اور سو ہاتھی کے ساتھ ہم خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور اگر آپ فرمائیں تو اپنے بیٹے کو اس سے دوچند کمک کے ساتھ بھیج دیں۔ ہماری اس پیش کش کا آپ پر کیا اثر ہوگا۔ مجھے اس کا مطلق کوئی خیال نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ آپ مجھے شکست دے چکے ہیں اور میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ کسی سے شکست کھائیں۔"

یہ راجا اس وقت سے مسلمانوں سے سخت نفرت کرتا تھا جب سے اس کے بیٹے کو قید کیا گیا تھا لیکن اس کا بیٹا ترلوچن پال اس معاملے میں اپنے باپ کی ضد تھا۔

باب 50

ایک کلپ اور ایک چتر یگ میں ستاروں کی گردشیں

افزاری اور یعقوب ابن طارق کے اقوال

کلپ کی ایک شرط یہ ہے کہ اس میں سیارے اپنے اپنے اوج اور جوزہر کے ساتھ حمل کے 0° میں اعتدال ربیعی کے نقطہ پر جمع ہوجائیں۔ اس کے نتیجے میں ایک کلپ کے دوران ہر سیارہ اپنی چند گردشیں مکمل کرتا ہے۔

افزاری اور یعقوب ابن طارق نے اپنی زیچوں میں ان گردشوں کو ایک پنڈت سے معلوم کرکے بیان کیا ہے۔ یہ پنڈت 154 ہجری (771 عیسوی) میں سندھ کے وفد کے ساتھ خلیفہ منصور کے دربار میں بغداد آیا تھا۔ جب ہم اس پنڈت کے بیان کا مقابلہ ہندوؤں کے اصل بیانات سے کرتے ہیں تو ان دونوں میں بہت فرق نظر آتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ اختلاف افزاری اور یعقوب کے ترجمے سے پیدا ہوا یا ہندو پنڈت نے ایسا لکھوایا یا بعد میں برہم گپت یا کسی اور شخص کی تصحیح سے پیدا ہوا ہے۔ کیوں کہ جب کوئی عالم ستاروں کے حساب میں کوئی غلطی پائے گا تو اسے صحیح کرنے کی کوشش ضرور کرے گا جیسا کہ، مثال کے طور پر محمد ابن اسحاق سرخ نے کیا ہے۔

برہم گپت کے یہاں آریہ بھٹ کا حوالہ

برہم گپت نے، آریہ بھٹ کے حوالے سے چاند کے اوج اور جوزہر کے دوروں کے متعلق دوسرا نظریہ پیش کیا ہے جسکو ہم نقل کرتے ہیں۔ ہم نے خود آریہ بھٹ کی کتاب میں اسے نہیں پڑھا ہے بلکہ برہم گپت نے آریہ بھٹ کا جو اقتباس دیا ہے ہم

نے صرف اسے پڑھا ہے۔

(اس کے بعد سیاروں کے نام' ایک کلپ میں ان کی گردشوں کی تعداد' اور ان کے اوجوں اور جوزہروں کے دوروں کی تعداد ایک جدول میں درج کی ہے)

عرب مصنّفین کے ہاں لفظ آریہ بھٹ کی تحریف

افزاری اور یعقوب نے کبھی کبھی اپنے ہندو پنڈت کو یہ کہتے سنا کہ اس نے دوروں کا حساب سدھانت کبیر سے بیان کیا ہے اور آریہ بھٹ کا حساب اس کے ہزارویں حصے کی بنیاد پر ہے۔ یہ لوگ یہ سمجھے کہ آریہ بھٹ (عربی : ارجب ہد) کے معنی ہزاروں حصہ ہیں۔ ہندو اس لفظ کے دال کو اس طرح بولتے ہیں کہ اس کی آواز 'دال' اور 'ر' کے درمیان ہوتی ہے۔ اس طرح 'دال' 'ر' میں تبدیل ہو گیا اور ارجب ہد بدل کر ارجب ہر ہو گیا۔ اس کے بعد اس میں ایک بار پھر تبدیلی ہوئی اور 'ر' مبدل بہ 'ز' ہو گئی اور یہ لفظ ارجب ہر سے ارجب ہز ہو گیا۔ اب اگر یہ لفظ ہندوؤں کو سنایا جائے یا ان کے سامنے لایا جائے تو وہ اسے پہچان نہ سکیں گے۔

باب 51

ادھی ماس' انراتر اور اہرگن وغیرہ اصطلاحوں کی توضیح

لوند کا مہینہ

ہندوؤں کے مہینے قمری ہیں لیکن ان کے سال شمسی ہیں۔ اس لیے ان کے سال کی ابتدا شمسی سال سے اتنے دن پہلے ہوتی ہے جتنے دن قمری سال شمسی سال سے چھوٹا ہوتا ہے اور جو تخمیناً "گیارہ دن ہیں اور جب اس طرح کرتے کرتے یہ فرق ایک مہینے کے برابر ہو جاتا ہے تو ہندو بھی وہی کرتے ہیں جو یہودی لونڈ کے سال میں کرتے ہیں یعنی اذار کے مہینے کو دوبارہ شمار کرکے سال کو تیرہ مہینے کا بنا دیتے ہیں یا جیسا کفار عرب کیا کرتے تھے اور جسے انس کہتے ہیں۔ وہ نئے سال کی ابتدا کو اتنا پیچھے کر دیتے تھے جس سے پہلے والا سال تیرہ مہینے کا ہو جاتا تھا۔

ہندو ایسے سال کو جس میں کوئی مہینہ مکرر ہوتا ہے' عام زبان میں مل ماس کہتے ہیں مل ہاتھ کے میل کو کہتے ہیں اور جیسے میل کو پھینک دیا جاتا ہے اسی طرح اس مہینے کو بھی حساب سے نکال کر پھینک دیا جاتا ہے اور سال کے بارہ مہینے ہی شمار ہوتے ہیں۔ کتابوں میں لوند کے مہینے کو آدھی ماس کہا گیا ہے۔ جس مہینے میں شمسی سال اور قمری مہینے کے حساب سے ہونے والا فرق ایک مہینے کے برابر ہو جاتا ہے وہی مہینہ دہرا دیا جاتا ہے۔

جب مہینے کو دہرایا جاتا ہے تو پہلے (یعنی اصل) مہینے کا نام وہی رہتا ہے جو تھا لیکن دوسرے کے (دہرائے ہوئے) نام کے آگے 'درا' بڑھا دیتے ہیں تاکہ اس کے اور پہلے

کے درمیان امتیاز ہو سکے۔ مثال کے طور پر اگر ساڑھ کا مہینہ مکرر ہوا تو پہلے کا نام اساڑھ اور دوسرے کا نام ’درا اساڑھ‘ ہوگا۔ حساب کرنے میں پہلا مہینہ شمار نہ کیا جائے گا۔ ہندو اسے منحوس سمجھتے ہیں اور اس میں تقریبات منعقد نہیں کرتے۔ مہینے کی سب سے منحوس ساعت وہ ہے جس دن مہینہ ختم ہوتا ہے۔ آدھی ماس سے مراد پہلا مہینہ ہے کیوں کہ آدھی کے معنی ابتدا کے ہیں۔ یعقوب ابن طارق اور افزاری نے اس لفظ کو پدماس لکھا ہے۔ پد کے معنی اختتام کے ہیں۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ ہندو اسے دونوں ناموں سے پکارتے ہوں۔ لیکن قاری کو یہ بھی جان لینا چاہیے کہ یہ دونوں مصنف اکثر ہندی الفاظ کے ہجے غلط لکھتے ہیں یا انہیں بگاڑ دیتے ہیں اس لیے ان کی روایت پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم نے اس کا ذکر اس لیے کردیا ہے کہ پلس نے دونوں ہم نام مہینوں میں سے بعد والے کو حساب سے خارج قرار دیا ہے۔

پورا اور جزوی مہینہ اور دن

مہینہ سورج اور چاند کے ایک برج میں جمع ہونے سے دوسرے ایسے ہی اجتماع تک کے وقت کا نام ہے اور یہ چاند کی ایک گردش ہے جس کے دوران وہ برجوں میں سورج سے ہٹ کر گردش کرتا ہے اور دونوں میں اجرام فلکی یعنی سورج اور چاند کی گردش کا فرق ہے کیوں کہ دونوں کی گردش کی سمت ایک ہی ہے۔ اگر ہم کسی کلپ کی شمسی گردشوں کو اسی کلپ کی قمری گردشوں سے گھٹائیں تو جو باقی بچے گا وہ ان قمری مہینوں کی تعداد ہوگی جو ایک کلپ میں شمسی مہینوں سے زیادہ ہوں گے۔ پورے کلپ کے مہینے اور دن پورے مہینے اور دن کہلاتے ہیں اور جو کلپ کے کسی حصے مثلاً چتریگ کے ہیں انہیں آسانی کے لیے جزوی مہینے اور دن کہیں گے۔

پورے ادھی ماس مہینے

سال میں بارہ شمسی اور بارہ قمری مہینے ہوتے ہیں۔ قمری سال بارہ مہینے میں مکمل ہو جاتا ہے۔ لیکن شمسی سال اس فرق کی وجہ سے جو دونوں سالوں میں ہے ادھی ماس سمیت تیرہ مہینے کا ہوتا ہے۔ کل شمسی اور قمری مہینوں کا فرق یہی زائد مہینے ہیں جن

سے سال تیرہ مہینے کا ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہی مہینے پورے ادھی ماس مہینے ہیں۔

انزاتر کی حقیقت

انزاتر کی ضرورت کی وجہ اس لیے پیش آتی ہے کہ:

جب ایک یا چند سالوں میں ہر ایک سال بارہ مہینے کا قرار دیا جاتا ہے تو یہ اس کے شمسی مہینے ہوئے۔ اور مہینوں کی اس تعداد (یعنی 12) کو 30 سے ضرب دینے سے سال کے شمسی دنوں کی تعداد نکل آتی ہے۔ اس مدت میں کتنے قمری مہینے اور دن ہوں گے ان کا حساب قمری ایام میں ادھی ماسے کے زائد مہینوں کو جمع کر دینے سے معلوم ہوگا اور اگر اس اضافے کو ادھی ماس مہینوں میں تبدیل کرلیں اور اس میں کل شمسی مہینوں اور کل آدھی ماس مہینوں کے تناسب کا خیال رکھا جائے اور پھر ان تبدیل شدہ مہینوں میں سال کے مہینوں یا دنوں کی تعداد جمع کر دیں تو حاصل جمع جزوی قمری ایام ہوں گے۔ لیکن ہمارا مقصد اس تعداد کو جاننا نہیں بلکہ ان سالوں کے ایام طلوعی کو جاننا ہے جن کی تعداد قمری دنوں سے کم ہوتی ہے کیوں کہ ایک طلوعی یوم ایک قمری یوم سے بڑا ہوتا ہے اس لیے طلوعی ایام معلوم کرنے کے لیے قمری ایام کی تعداد میں سے کچھ گھٹانا ہوگا اور یہی تعداد جو گھٹائی جاتی ہے 'انزاتر' کہلاتی ہے۔

باب 52

اہر گن یعنی سالوں اور مہینوں کے دن بنانے اور مہینوں کو سالوں میں تبدیل کرنے کا طریقہ

ساون اہر گن معلوم کرنے کا عام قاعدہ

سالوں کے مہینے اور مہینوں کے دن بنانے کا عام قاعدہ یہ ہے:

پورے سالوں کو 12 سے ضرب دیا جائے اور اس میں موجودہ سال کے گزرے ہوئے مہینوں کی تعداد جوڑ دیجائے (اور حاصل جمع کو 30 سے ضرب دیا جائے) اور جو عدد برآمد ہو اس میں موجودہ مہینے کے گزرے ہوئے ایام جمع کر دیے جائیں تو ان سب کا مجموعہ 'ساون اہرگن' کہلاتا ہے یعنی جزوی شمسی ایام کا مجموعہ۔

اس تعداد کو دو جگہ لکھو۔ ان میں سے ایک کو 5311 (پورے ادھی ماس مہینوں کی تعداد) سے ضرب دو اور اس حاصل ضرب کو 1,72,800 (یعنی پورے شمسی مہینوں کی تعداد) سے تقسیم کرو اور خارج قسمت کے پورے دنوں کی تعداد کو دوسری جگہ لکھے ہوئے عدد میں جمع کر دو تو ان کا مجموعہ چندر اگرہن' یعنی جزوی قمری ایام کا مجموعہ ہوگا۔

اب اس عدد کو بھی دو جگہ لکھو۔ ایک کو 55,739 سے (جو پورے انراتر دنوں کی تعداد ہے) سے ضرب دو اور حاصل ضرب کو 3,562,220 (جو پورے قمری دنوں کی تعداد ہے) سے تقسیم کرو۔ خارج قسمت کے پورے دنوں کی تعداد کو دوسری جگہ لکھے ہوئے عدد سے گھٹاؤ۔ جو باقی بچے گا وہی 'ساون اہرگن' یعنی مطلوبہ ایام طلوعی کی تعداد

ہے۔

قاری کو یہ جان لینا چاہیے کہ یہ طریقہ صرف ان تاریخوں کے لیے ہے جن میں ادھی ماس اور انز اتر دونوں پورے ہوں اور ان میں کسر نہ ہو۔ اس لیے اگر دیے ہوئے سالوں کی ابتدا کلپ، چتر یگ سے ہوگی تو یہ طریقہ صحیح ہوگا۔ لیکن اگر دیے ہوئے سالوں کی ابتدا دوسرے وقت سے ہوگی تو ہو سکتا ہے کہ اتفاق سے یہ طریقہ صحیح ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے ادھ ماس وقت کی موجودگی ثابت ہو جائے اور ممکن ہے کہ ایسا نہ ہو بلکہ اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ سال کلپ' چتر یگ یا کل یگ کے کس خاص لمحے سے شروع ہوتا ہے تو اس کے حساب کا ایک خاص طریقہ ہے جس کی مثالیں آگے بیان ہوں گی۔

(اس باب کے باقی ماندہ حصے میں مندرجہ ذیل نکتوں پر بحث کی ہے۔ آخرالذکر طریقہ کا اطلاق مندرجہ ذیل پر ہوتا ہے:

(ا) شک کال 953 (ii) چتر یگ' پلس کے نظریہ کی روشنی میں (ب) آریہ بھٹ اور یعقوب ابن طارق نے اہرگن کا جو قاعدہ بیان کیا ہے۔ (ج) انزاتر معلوم کرنے کا برہم گپت کا بتایا ہوا طریقہ (د) کلپ' چتر یگ اور کل یگ کے سالوں کے ادھی ماسے دریافت کرنے کا طریقہ (ہ) دنوں کی بنیاد پر مہینوں اور سالوں کو دریافت کرنا یعنی اہرگن کا برعکس۔)

باب 53

اہرگن یعنی سالوں کو مہینوں اور دنوں میں تبدیل کرنے کے طریقے جو مختلف اوقات کے لیے مخصوص ہیں

خاص تاریخوں کے لیے اہرگن کا قاعدہ

زیچوں میں جن تاریخوں کو دنوں میں تبدیل کیا جاتا ہے ان میں سے تمام کی ابتدا ایسے اوقات سے نہیں ہوتی جن میں ادھی ماس اور انزاتر پورے ہوتے ہوں اس لیے زیچ کے مرتبین کو ادھی ماسوں اور انزاتر کا حساب لگانے کے لیے گھٹانے یا بڑھانے کے لیے بعض اعداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہندوؤں کی جنتریوں اور زیچوں کے مطالعے سے اس عمل کے قاعدوں کے متعلق ہمیں جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ بیان کرتے ہیں۔

پہلے ہم 'کھانڈ کھڈ ایک' کے قاعدے بیان کریں گے کیوں کہ یہ سب سے مشہور زیچ ہے اور نجومی اس کو تمام دوسری زیچوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

(آگے چل کر البیرونی نے 'کھانڈ کھڈ ایک' جسے تمام دوسری زیچوں پر فوقیت حاصل ہے' کا اصول بیان کیا ہے۔ اس کے بعد بعض دوسری زیچوں کے قاعدے بیان کیے ہیں اور ان کو اپنے مقرر کردہ آزمائشی سال پر منطبق کیا ہے۔)

باب 54

سیاروں کا وسط معلوم کرنا

کسی دیئے ہوئے وقت پر سیارے کا وسط متعین کرنے کا طریقہ

اگر کسی کلپ یا چتر یگ کے دوران سیاروں کی گردشوں یا دوروں کی تعداد معلوم ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ دیئے ہوئے وقت تک کتنے دورے گزر چکے ہیں تو ہم اس کلپ یا چتر یگ کے گزرے ہوئے ایام کی تعداد معلوم کرلیں گے اور ان گزرے ہوئے ایام کی تعداد ان سیاروں کی گردش کی تعداد کے برابر ہوتی ہے۔ اس کا سب سے زیادہ استعمال ہونے والا طریقہ یہ ہے:

کلپ یا چتر یگ کے گزرے ہوئے ایام کی تعداد کو سیارے کے دوروں یا اس کے اوج یا جوزہر کے دوروں کی تعداد سے ضرب دو اور حاصل ضرب کو کلپ یا چتر یگ کے پورے ایام کی تعداد سے تقسیم کرو۔ خارج قسمت سیارے کے مکمل شدہ دوروں کی تعداد ہے۔ چوں کہ ہمیں یہ عدد دریافت کرنا نہیں اس لیے اس کو خارج کر دو اور تقسیم کے بعد جو کچھ باقی بچا تھا اسے 12 سے ضرب دو اور حاصل ضرب کو کلپ یا چتر یگ کے مجموعی دنوں کی تعداد سے‘ جس طرح پہلے کیا تھا‘ تقسیم کر دو۔ خارج قسمت برجوں کی تعداد ہے۔ اس تقسیم سے جو بچا ہو اسے 30 سے ضرب دو اور حاصل ضرب کو اسی عدد سے تقسیم کرو جس سے ابھی کیا تھا اب جو خارج قسمت آیا وہ درجوں کی تعداد ہے۔ اس تقسیم سے جو بچا ہو اسے 60 سے ضرب دے کر پھر اسی عدد سے تقسیم کرو تو خارج قسمت دقیقوں کی تعداد ہو گا۔

اگر یہ عمل اسی طرح کیا جاتا رہے تو اس سے ثانئے اور وقت کی دوسری مقداریں معلوم ہوں گی اور اس کے خارج قسمت سے اس سیارے کا مقام اس کی رفتار کی نسبت سے معلوم ہو جائے گا اور اس کے اوج یا جوزہر کا وسط بھی معلوم ہو جائے گا۔

(اس کے بعد سیاروں کا وسط دریافت کرنے کا پولس کا بتایا ہوا طریقہ بیان کیا ہے اور برہم گپت کے طریقے کا ذکر کرتے ہوئے کھانڈ کھڈ ایک اور کرن تلک کے اقتباسات پیش کیے ہیں اور اس باب کو یہ کہہ کر ختم کردیا ہے کہ:)

...... یہ طریقے بہت پیچیدہ ہیں اور ان کا کوئی شمار نہیں ہے اور ان میں سے کسی کو استناد کا درجہ حاصل نہیں اس لیے ان کا بیان بے قاعدہ طول کلام کا باعث ہوگا۔ اس کے بعد کی تقویم اور اس سے متعلق حسابات کا ہماری کتاب کے موضوع سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔

باب 55

سیاروں کی ترتیب، ان کے فاصلے اور جسامت

لوکوں کے ذکر میں وشنوپران اور پاتن جلی کی شرح کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے کہ ان کتابوں کے مطابق سیاروں کی ترتیب میں چاند کی جگہ سورج کے نیچے ہے۔ ہندوؤں کا مذہبی عقیدہ بھی یہی ہے۔

اب ہم اس نظریے کی تائید کرنے والی کتابوں سے چاند، سورج اور ستاروں کے بارے میں پہلے کچھ حوالے پیش کریں گے اور پھر علمائے نجوم کی رائے بیان کریں گے اگرچہ ہمیں اس کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔

(اس کے بعد سورج کی شکل، اس کی حرارت اور روشنی وغیرہ کے بارے میں وایوپران کے اقتباسات نقل کیے ہیں۔)

ستاروں کی ماہیت

ستاروں کے اجسام کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ یہ ہے کہ سب کروی شکل کے ہیں، آبی جوہر رکھتے ہیں اور بے نور ہیں۔ لیکن سورج اپنے مزاج میں آتشی اور اپنی ذات سے روشن ہے اور جب کسی دوسرے ستارے کے سامنے آتا ہے تو اسے بھی کچھ وقت کے لیے روشن کر دیتا ہے۔ وہ دکھائی دینے والے ستاروں میں ان چمک دار چیزوں کو بھی گن لیتے ہیں جو حقیقت میں ستارے نہیں ہیں بلکہ ثواب پانے والوں کی روحیں ہیں جنہیں روشنیوں میں بدل دیا گیا ہے اور جو آسمان کی بلندی پر بلور کی کرسیوں پر متمکن ہیں۔

ہندو تمام ستاروں کو 'تارا' کہتے ہیں۔ لفظ تارا "ترن" سے مشتق ہے جس کے معنی راستے کے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا کی برائی سے گزر کر آرام کی جگہ پہنچ گئے ہیں اور ستارے بھی اسی طرح دورہ کرکے آسمان کو عبور کرلیتے ہیں۔ لفظ نکش تر چاند کی منزلوں کے ستاروں کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے۔ چوں کہ ان سب کو 'ثوابت' (غیر متحرک ستارے) کہا جاتا ہے اس لیے نکش تر کا اطلاق ثوابت پر بھی ہوتا ہے کیوں کہ اس لفظ کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو نہ بڑھے اور نہ گھٹے۔ میرے خیال میں 'نہ گھٹنا اور نہ بڑھنا' کا اطلاق ان کی تعداد اور باہمی فاصلے پر ہوتا ہے۔ لیکن وشنو پران کے مصنف نے اسے ان کی روشنی پر بھی منطبق کردیا ہے۔

(اس کے بعد ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے حوالے سے سیاروں کا قطر اور محیط بھی بیان کیا ہے اور ثوابت کا بھی البیرونی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:)

...... اس موضوع پر ہندوؤں کے موہوم و مبہم نظریات' جن سے ہم واقف ہو سکے یہی ہیں۔ اب ان کے منجموں کے نظریات بیان کرتے ہیں۔

ہندو منجموں کے نظریات

سیاروں کی ترتیب وغیرہ کے بارے میں ہم میں اور ہندو منجموں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہماری ہی طرح وہ بھی اس کو مانتے ہیں کہ سورج سیاروں کے وسط میں ہے اور زحل اور چاند ان سیاروں کے دونوں کناروں پر اور ثوابت ان کے (یعنی سیاروں کے) اوپر ہیں۔ ان میں سے بعض کا بیان گزشتہ ابواب میں ہو چکا ہے۔

ہندو علمائے مذہب' اور ان سے بھی بڑھ کر ہندو منجموں کا عقیدہ ہے کہ چاند' سورج اور دوسرے سیاروں کے نیچے ہے۔

یعقوب ابن طارق کے مطابق ستاروں کے فاصلے

ستاروں کے درمیانی فاصلوں کے متعلق ہم کو ہندوؤں کی وہی روایتیں ملی ہیں جن کو یعقوب ابن طارق نے اپنی کتاب 'ترکیب افلاک' میں نقل کیا ہے۔ ان روایتوں کو یعقوب نے اس ہندو پنڈت سے حاصل کیا تھا جو 161 ہجری میں ایک وفد کے ساتھ بغداد

آیا تھا۔

(اس کے بعد ایک نقشے میں ستاروں کے نام، اور زمین کے وسط سے ان کا فاصلہ اور ان کے قطر درج کیے ہیں۔)

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ یہ معلوم کرنے کا کہ دو ستاروں میں سے اوپر کون سا ہے اور نیچے کون سا ہے صرف ایک طریقہ ہے یعنی ایک ستارے کا دوسرے کو ڈھک لینا یا اختلاف منظر کا بڑھ جانا۔ اول الذکر کا وقوع شاذ ہی ہوتا ہے اور اختلاف منظر صرف ایک سیارے یعنی چاند کا دکھائی دیتا ہے کسی دوسرے ستارے کا نہیں۔ پھر ہندوؤں کا یہ بھی خیال ہے کہ تمام ستاروں کی حرکتیں بمساوی ہیں لیکن باہمی فاصلہ مختلف ہے۔ اس بنیاد پر ان کا خیال ہے کہ اوپر کے سیاروں کی حرکت کے ست ہونے کی وجہ ان کے مداروں کی مقابلتاً" زیادہ وسعت ہے۔ اس کے برخلاف نیچے کے سیاروں کی رفتار کی تیزی کی وجہ یہ ہے کہ ان کا فلک یا مدار چھوٹا ہے۔ مثال کے طور پر فلک زحل کا ایک دقیقہ فلک قمر کے 262 دقیقوں کے برابر ہے۔ اس لیے ان دونوں ستاروں کو ایک ہی فاصلے طے کرنے میں، دونوں کی حرکت مساوی ہونے کے باوجود، مختلف وقت لگتا ہے۔ اس موضوع پر ہندوؤں کی کوئی مستقل تصنیف میری نظر سے نہیں گزری۔ صرف اعداد مختلف جگہوں پر نظر سے گزرے ہیں اور وہ بھی غلط۔

(اس باب کے بقیہ حصے میں البیرونی نے مندرجہ ذیل امور پر گفتگو کی ہے:

1- زمین سے ستاروں کا فاصلہ یا ان کا نصف قطر۔

2- ستاروں کے قطر

3- کسی دیے ہوئے وقت پر سورج اور چاند کی جسامت معلوم کرنے کا طریقہ۔

4- براہم گپت کا قطر ظل کے حساب کا طریقہ۔

5- ہندوؤں کے دوسرے ماخذ کے مطابق آفتاب اور ماہتاب کے قطر معلوم کرنے کے طریقے۔)

باب 56

چاند کی منزلیں

ہندوؤں کا چاند کی منزلیں مقرر کرنے کا طریقہ وہی ہے جو بروج کے متعین کرنے کا ہے جس طرح منطقہ بروج کو 12 حصوں میں تقسیم کرکے ہر حصے کو ایک برج شمار کرتے ہیں اسی طرح منطقہ بروج کو 27 برابر حصوں میں تقسیم کرکے ہر حصے کو چاند کی ایک منزل قرار دیا ہے۔ ہر منزل $13\frac{1}{3}$ درجے اور 800 دقیقے کی ہے۔ سیارے ان میں داخل ہوتے اور ان سے باہر نکل کر اپنے شمالی اور جنوبی عرض البلد میں آتے جاتے ہیں۔ منجمین کے نزدیک ان منزلوں کی وہی صفات ہیں جو دوسرے بروج کی ہیں اور حالات کی طرف اشارہ کرنے میں بھی ان کی حالت وہی ہے جو دوسرے بروج کی۔

27 کا عدد اس لیے رکھا گیا ہے کہ چاند $27\frac{1}{3}$ یوم میں پورے منطقہ کو طے کرلیتا ہے۔ اس عدد کی کسر حساب میں نہیں لی گئی ہے۔ عرب مغرب میں چاند کی پہلی رویت سے شروع کرکے مشرق کی رویت تک چاند کی منزلوں کا حساب کرتے ہیں۔

لیکن عرب ان پڑھ تھے جو نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ حساب کرسکتے تھے۔ وہ صرف گننے اور آنکھ سے دیکھنے پر انحصار کرتے تھے۔ ان کے پاس مشاہدہ کے علاوہ تحقیق کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا اور وہ غیر متحرک ستاروں (ثوابت) کے وجود کے بغیر قمری منزلوں کا تعین نہیں کرسکتے تھے۔ ہندوؤں نے بھی اس قسم کی حدبندی کرنی چاہی تو بعض ستاروں کے متعلق عربوں سے اتفاق کیا۔ لیکن دوسرے معاملات میں اختلاف کیا۔

مجموعی طور پر، عرب چاند کے راستوں سے دور نہیں ہٹتے اور چاند کی منزلیں متعین کرتے وقت صرف ان سیاروں کو شمار کرتے ہیں جن کے ساتھ چاند اپنے دورے میں یا

تو یکجا ہو جاتا یا ان کے قریب ہوتا ہے۔

ہندوؤں کے یہاں چاند کی منزلیں ستائیس ہیں یا اٹھائیس

ہندو اس کی پابندی نہیں کرتے اور ستاروں کے آمنے سامنے ہونے اور ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہونے کو بھی شمار کرلیتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ نسر واقع FALLING EAGLE کو بھی چاند کی منزل شمار کرتے ہیں جس سے ان منازل کی تعداد 28 ہو جاتی ہے۔

اس سبب سے ہمارے منجموں اور کتب 'انواء' کے مصنفوں کو دھوکا ہوا اور انہوں نے بیان کردیا کہ قمری منزلیں ہندوؤں کے نزدیک اٹھائیس ہیں لیکن ایک منزل کو جو ہمیشہ سورج کی کرنوں سے ڈھکی رہتی ہے' حساب میں شامل نہیں کیا ہے۔ شاید ان لوگوں نے سنا تھا کہ ہندو اس منزل قمر کو 'جلتی ہوئی' اور اس منزل کو جس سے چاند نکل کر اس میں داخل ہوا ہے' اجتماع کے بعد متروکہ کہتے ہیں۔ اور جس منزل میں چاند اس کے بعد جائے گا اسے 'دھویں والی' کہتے ہیں۔ بعض مسلمان عالموں نے صراحت کی ہے کہ ہندو جس منزل قمر کو حساب سے خارج سمجھتے ہیں وہ 'زبانا' ہے اور اس کی توجیہہ یہ کرتے ہیں میزان کے آخر اور عقرب کی ابتدا میں چاند کا جو راستہ ہے وہ جلتا ہوا (محرقہ) ہے۔

ہمارے علماء کا یہ خیال اس وجہ سے ہے کہ وہ ہندوؤں کے نزدیک چاند کی منزلوں کی تعداد 28 سمجھتے ہیں اور یہ کہ بعض اوقات ان میں سے ایک منزل کو ساقط کردیا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے یعنی یہ کہ چاند کی منزلیں ان کے 27 ہی ہیں اور بعض حالات میں ان میں ایک کا اضافہ کرکے ان کی تعداد 28 کردی جاتی ہے۔

'کھانڈ کھڈ ایک' کے مطابق چاند کی منزلوں کی جدول

ہندو ثابت ستاروں سے بہت کم واقفیت رکھتے ہیں۔ مجھے ان میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ملا جو چاند کی منزلوں کے ستاروں کو دیکھ کر پہچان سکتا اور انگلی کے اشارے سے انہیں مجھ کو بتا سکتا۔ ہم نے ان ستاروں کی تحقیق میں بڑی محنت کی ہے اور اپنی

تحقیق کے نتائج کو اپنے ایک رسالے "تحقیق منازل قمر" میں درج کیا ہے۔ یہاں ان کے صرف وہی نظریات پیش کیے جائیں گے جو موقع کے مناسب ہیں لیکن اس سے پہلے ہم 'کھانڈ کھڈایک' کے مطابق چاند کی منزلوں کے طول اور عرض اور ان کی تعداد بیان کرتے ہیں تاکہ اس موضوع کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس لیے ہم نے تمام تفصیلات ایک ذیل کی جدول میں جمع کردی ہیں جو اسی کتاب میں دی گئی ہے۔

ورہ میر کے اقوال پر مصنف کی تنقید

ہم نے اس موضوع پر ہندوؤں کے خیالات کی پراگندگی کی جو کیفیت بیان کی اس کی تائید شرتن (اشونی) کے متعلق ورہ میر کے قول سے بھی ہوتی ہے حالاں کہ ہندو خود اپنے خیالات کی اس پراگندگی سے لاعلم ہیں۔ ورہ میر کا قول ہے کہ "ان چھ منزلوں میں" جن میں سے ایک اشونی بھی ہے' مشاہدہ حساب سے آگے بڑھ جاتا ہے۔ حالاں کہ ہمارے زمانے میں اس کے دونوں ستارے حمل کے 2/3 کے اندر ہیں (یعنی 10° اور 20° کے درمیان) اور ورہ میر کا زمانہ ہمارے زمانے سے تقریباً 526 سال پہلے ہے۔ اس لیے ثوابت کی حرکت کا کسی بھی قاعدے سے حساب لگایا جائے ورہ میر کے زمانے میں اشونی کسی حساب سے بھی حمل کے 1/3 سے کم میں نہیں تھا۔

(اس کے بعد البیرونی نے ثوابت کی حرکت سے ہندوؤں کی بہت کم واقفیت پر تنقید کی ہے اور اس کم علمی کی مثال کے طور پر ورہ میر کی سمت کا ایک اقتباس نقل کیا ہے۔)

باب 57

تحت الشعاع سے ستاروں کا طلوع اور اس وقت ادا کی جانے والی رسمیں

ستارے کی رویت کے لیے آفتاب سے کتنا فاصلہ ضروری ہے

ستاروں اور ہلال کی رویت کے متعلق ہندوؤں کے حساب کا طریقہ وہی ہے جو سند ہند کی زیچوں میں درج ہے۔ وہ سورج سے ستارے کے اس فاصلے کے درجوں کو جو اس کی رویت کے لئے ضروری ہے کالم شک کہتے ہیں۔

اس اعتبار سے ستاروں کو تین قسموں میں بانٹا گیا ہے۔ پہلی قسم ہیں وہ ستارے ہیں جن کو یونانی اول اور دوئم درجہ اہمیت کے سمجھتے تھے۔ دوسرے قسم میں وہ ستارے ہیں جو اہمیت میں تیسرے اور چوتھے درجے کے اور آخری قسم وہ ہے جن کا شمار اہمیت میں پانچویں اور چھٹے درجے میں ہوتا ہے۔

برہم گپت کو "کھانڈ کھڈ" ایک کی تصحیح میں یہ تفصیل بیان کرنی چاہیے تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا ہے۔ اس نے مجموعی طور پر صرف یہ کہا ہے کہ تمام قمری منزلوں کے ستاروں کی رویت کے لیے سورج سے 14 درجے کا فاصلہ ضروری ہے۔ (پھر اگس تیہ یعنی سہیل کے طلوع کو دریافت کرنے کا طریقہ بیان کیا ہے اور برہم گپت کی تصحیح "کھانڈ کھڈ ایک" کے اقتباسات نقل کیے ہیں۔)

بعض ستاروں کی رویت کے وقت کی رسمیں

کتاب سمہت میں مختلف ستاروں کی رویت کے وقت کی رسوم اور قربانیاں مذکور ہیں۔ اب ہم ان کو درج کرتے ہیں اور ان حصوں کا ترجمہ بھی درج کرتے ہیں جو بالکل خرافات ہیں کیوں کہ ہم نے اپنے اوپر یہ فرض کرلیا ہے کہ ہم ہندوؤں کی کتابوں میں جو کچھ ہے اسے جوں کا توں پیش کردیں گے۔

(اس کے بعد اگس تیہ روہنی' سواتی اور ساون کے طلوع اور ان کے طلوع کے وقت کی قربانیوں کے بارے میں ورہ میر کے طویل اقتباسات نقل کیے ہیں۔)

باب 58

سمندر میں مدوجزر کس طرح آتا ہے

اس باب کے آغاز میں راجا اوروا کا قصہ مسیار پران سے نقل کیا ہے اور سمندر کے پانی کا ایک حال میں ٹھہرے رہنے کا سبب، جیساکہ کتاب مذکور میں بیان ہوا ہے، درج کیاہے، راجا فرشتوں سے برہم ہوگیا تھا لیکن بعد میں مان گیا تھا اور جب اس نے ان سے پوچھاکہ میں اپنے غصے کی آگ کو کیا کروں تو فرشتوں نے مشورہ دیا کہ اسے سمندر میں ڈال دے۔ یہ آگ سمندر کا پانی پیتی رہتی ہے اور اس میں سیلاب نہیں آنے دیتی ہے۔ اس کے بعد پرجاپتی کے چاند کو بددعا دینے اور چاند کے جسم پر جذام کے داغ پیدا ہونے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ بعد میں چاند نے ندامت کا اظہار کیا اور درخواست کی کہ اس کے چہرے کے داغ دور کر دے جائیں۔ پرجاپتی نے کہاکہ اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ مہادیو کے لنگ کی صورت کھڑی کرکے چاند اس کی پرستش کرے۔ چاند نے اس کی تعمیل کی اور سومنات کا پتھر وہی لنگ ہے۔

اس کے بعد البیرونی نے سلطان محمود کے ہاتھوں سومنات کے انہدام کا واقعہ نقل کیا ہے حالانکہ البیرونی نے عام طور پر سیاسی واقعات کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ اس ضمن میں اس نے سومنات کی اہمیت کے اقتصادی اسباب پر بھی روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ سومنات کی تجارتی اہمیت اس وجہ سے تھی کہ یہ ایک بندرگار تھی جسے مشرقی افریقہ اور چین سے تجارت کے لیے استعمال کیا جاتا تھا ...... سوم کے معنی چاند ہیں اور ناتھ کے معنی ہیں حاکم یعنی سومنات کا مطلب ہوا چاند کا حاکم۔

سومنات کا بت

سومنات کا بت سلطان محمود نے 416 میں اکھڑوا دیا۔ اس نے حکم دیا کہ اس کا اوپری حصہ توڑ دیا جائے۔ اور باقی ماندہ حصے کو اس کے جڑاؤ غلاف اور جواہرات کے ساتھ اس کے دارالسلطنت غزنی بھجوایا جائے اس کا ایک ٹکڑا ایک دوسرے بت چکر سوامی کے ساتھ (جو پیتل کا بنا ہوا تھا اور تھانی سر سے لایا گیا تھا) غزنی کے میدان میں پڑا ہے۔ سومنات کے بت کا دوسرا ٹکڑا غزنی کی جامع مسجد کے دروازے کے سامنے پڑا ہے جس پر لوگ اپنے پیروں کی مٹی اور کیچڑ صاف کرتے ہیں۔

لنگ کی بنیاد

لنگ مہادیو کے عضو تناسل کی صورت ہے۔

(اس کے بعد البیرونی نے لنگ کی پرستش کی ابتدا اور لنگ کی تعمیر کی شرائط ورہ میر کی برہت سمت سے نقل کی ہیں۔)

سومنات کے بت کی پرستش

ملک سندھ کے جنوب مغرب کے علاقے میں، ہندوؤں کے اکثر مندروں میں لنگ کی صورت موجود ہے لیکن ان سب مندروں میں سومنات سب سے زیادہ مشہور تھا۔ اس پر چڑھانے کے لیے روزانہ گنگا سے ایک گھڑا پانی اور کشمیر سے ایک ٹوکرا پھول لائے جاتے تھے۔ ہندوؤں کا یہ اعتقاد تھا کہ لنگ سے پرانی بیماریوں کو شفا ہو جاتی ہے اور ہر لاعلاج مرض اچھا ہوتا ہے۔

سومنات کی شہرت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ ایک بندرگاہ تھا اور سفالہ (افریقہ میں) اور چین آنے جانے والے تاجروں کی ایک منزل تھی۔

مدوجزر کے اسباب کے متعلق عوام کا اعتقاد

بحر ہند کے مدوجزر (ہندی میں مد کو بھرن (۵) اور جزر کو دہر کہتے ہیں) کے متعلق ہندو عوام کا عقیدہ یہ ہے کہ اس سمندر میں ایک آگ ہے جس کا نام 'وڑ وانل' ہے۔ یہ آگ ہمیشہ بھڑکتی رہتی ہے۔ مد کی وجہ آگ کا سانس کو اندر کھینچنا اور سانس کے

ذریعے اندر جانے والی ہوا کا آگ کو بھڑکا دینا ہے اور جزر اس وقت واقع ہوتا ہے جب آگ سانس باہر نکالتی ہے اور آگ کا بھڑکنا بند ہو جاتا ہے۔

سومنات کا نام اسی مدوجزر سے پڑا ہے (یعنی چاند کا حاکم) کیوں کہ سومناتھ کے لنگ کا پتھر پہلے ساحل پر، سرسوتی کے دہانے سے تقریباً تین میل پر، سونے سے بنے ہوئے قلعے بروی کے مشرق میں (جو واسو دیو کی رہائش کے لیے ظہور پذیر ہوا تھا) ان کے اور ان کے اہل خاندان کے قتل ہونے اور جلائے جانے کی جگہ پر نصب ہوا تھا۔ جب بھی چاند نکلتا یا ڈوبتا ہے تو سمندر کے پانی میں تلاطم پیدا ہوتا ہے اور پانی مذکورہ جگہ تک پھیل کر اسے چھپا لیتا ہے۔ جب چاند دائرہ نصف النہار اور نصف لیل پر پہنچتا ہے تو پانی جزر کی وجہ سے اترتا اور اس کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اس طرح چاند گویا برابر اس کی خدمت اور اسے غسل دینے میں لگا رہتا ہے اور اسی وجہ سے یہ جگہ چاند سے منسوب کر دی گئی۔ جو قلعہ اس بت اور اس کے خزانوں کے گرد بنا ہوا تھا وہ پرانا نہیں تھا بلکہ تقریباً سو برس پہلے تعمیر ہوا تھا۔

باب 59

سورج اور چاند گرہن

کسوف و خسوف کے متعلق جن نظریات کا اظہار ورہ میر نے کیا تھا ان کے اقتباسات 'سمت' سے پیش کیے گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ورہ میر چاند گرہن کے بارے میں یہ مانتے تھے کہ یہ اس وقت واقع ہوتا ہے جب چاند زمین کے سائے میں آجاتا ہے اور سورج گرہن اس وقت واقع ہوتا ہے جب چاند اس کو ہماری نظروں سے چھپا لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چاند مغرب سے اور سورج گرہن مشرق سے شروع نہیں ہوتا ورہ میر نے گرہن کے متعلق مشہور لیکن غیرسائنسی نظریات کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے "عوام نے یہ مشہور کررکھا ہے کہ راس سورج گرہن کا سبب ہے۔ اگر راس ظاہر ہوکر گرہن نہ لگائے تو برہمن اس وقت کا واجب غسل نہ کریں۔"

البیرونی نے اس بات پر حیرت ظاہر کی ہے کہ ورہ میر نے اپنی اول الذکر توجیہہ کے بعد جو اس کو ایک عالم ثابت کرتی ہے' ان خیالات کو کیوں پیش کیا۔ شاید اس نے ایسا اس لیے کیا کہ وہ برہمنوں سے بگاڑنا نہیں چاہتا تھا کیوں کہ وہ خود برہمن تھا اور ان سے ناتا توڑنا نہیں چاہتا تھا' پھر بھی ہم اسے مورد الزام قرار نہیں دے سکتے کیوں کہ اس کے پیر مضبوطی سے سچ کی بنیاد پر جمے ہوئے ہیں۔

(اس کے بعد البیرونی نے گرہن کے متعلق برہم گپتا کے نظریات پیش کیے ہیں اور برہم سدھانت کے پہلے باب سے مندرجہ ذیل اقتباس پیش کیا ہے۔)

برہم سدھانت کا اقتباس

"بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ گرہن کا سبب راس نہیں ہے۔ ایسا سمجھنا محض حماقت

ہے کیوں کہ وہی گرہن لگانے والا ہے اور ساری دنیا کے لوگ کہتے ہیں کہ راس ہی گرہن لگاتا ہے۔ وید، جو برہما کے منھ سے نکلا ہوا خدا کا کلام ہے، یہی کہتا ہے کہ راس گرہن لگاتا ہے۔ منو کی تصنیف کردہ کتاب سمرتی اور برہما کے بیٹے گرگ کی سمہت بھی یہی کہتی ہے۔ اس کے برعکس ورہ میر سریشین، آریہ بھٹ اور وشنو چندریہ کہتے ہیں کہ گرہن کا سبب راس نہیں بلکہ وہ چاند اور زمین کے سایے کی وجہ سے پڑتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ کہنا اکثریت کی مخالفت اور مذکورہ کلام الہی سے انکار کرنے کے مترادف ہے کیوں کہ اگر گرہن کا سبب راس نہ ہوتی تو جو کچھ برہمن گرہن کے وقت کرتے ہیں (یعنی گرم تیل کی مالش اور وہ تمام عبادات و رسوم جو گرہن کے وقت کے لیے مقرر ہیں) وہ سب اکارت جاتا اور اس پر کوئی ثواب نہ ملتا۔ ان رسموں کو لغو ٹھہرانا، اکثریت کی متفقہ رائے سے انحراف کرنا ہے جو جائز نہیں ہے۔

البیرونی نے پھر اس بات پر حیرت ظاہر کی ہے کہ برہم گپتا نے جو ان کے منجموں میں سب سے زیادہ ممتاز تھا، ایسے غیر سائنسی نظریات کا اعادہ کیوں کیا ہے۔ برہم گپتا نے ایک لفظ، جمہور کی رائے، استعمال کیا ہے۔ اگر جمہور کی رائے کا مطلب ساری آباد دنیا کے لوگوں کی رائے سے ہے تو ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ساری دنیا کے لوگوں کی رائے معلوم کرنا ناممکن ہے۔ ہندوستان، تمام دنیا کے مقابلے میں ایک چھوٹی سی جگہ ہے اور ہندوؤں سے دینی اور عقلی امور میں اختلاف رائے رکھنے والے لوگوں کی تعداد، ان سے اتفاق رکھنے والوں کی تعداد سے بہت زیادہ ہے اور اگر اس کی مراد ہندوؤں کی اکثریت سے ہے تو یقیناً ہندو عوام کی تعداد پڑھے لکھے ہندوؤں سے بہت زیادہ ہے لیکن ان کے تمام دینی معاملات میں عوام کو ہمیشہ جاہل، شکی اور ناشکرا سمجھا گیا ہے یعنی ان کی رائے کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

میرا اپنا یہ خیال ہے کہ برہم گپت نے جو کچھ کہا ہے اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ وہ کم سنی میں غیر معمولی علم و فضل اور ذکاوت کا حامل ہونے کی وجہ سے سقراط جیسی مصیبت میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اس نے جس وقت ‘برہم سدھانت’ لکھی اس وقت وہ صرف تیس سال کا تھا۔ اگر ایسا ہے تو وہ قابل معافی ہے۔ اس لیے اس

معاملے کو یہیں پر ختم کر دینا چاہیے۔ اس سے قبل البیرونی یہ کہہ چکا تھا کہ شاید برہم گپتا نے یہ نظریات اس لیے پیش کیے کہ وہ برہمن تھا اور برہمنوں کے بتائے ہوئے نظریات کی تائید کرنا چاہتا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ ان نظریات کے اظہار سے ان کے مبلغین کا مذاق اڑانا چاہتا ہو۔

باب 60

پرو

پرو کے معنی

جن وقفوں کے درمیان گرہن کا واقع ہونا ممکن ہے اور ان کے درمیان جتنے مہینے ہوتے ہیں ان کا مدلل بیان مجسطی کے چھٹے مقالے میں درج ہے۔ ہندو اس مدت کو پرو کہتے ہیں جس کی ابتدا یا اختتام پر چاند گرہن ہوتا ہے۔

(اس موضوع پر ورہ میر کے اقوال اس کی سمت سے نقل کیے ہیں۔ اسی کے ساتھ گرہنوں کا دورہ، ہر پرو کے حاکم اور احکامات ایک جدول میں پیش کیے ہیں۔ ورہ میر نے پرو کے جو احکام بیان کیے ہیں۔ البیرونی کے خیال میں وہ ورہ میر کے علم و فضل کے شایان شان نہیں ہیں۔

پرونوں کو دریافت کرنے کے قاعدے 'کھانڈ کھڈ ایک' سے نقل کیے ہیں۔)

باب 61

وقت کی مختلف مقداروں کے مذہبی اور نجومی حاکم اور ان سے متعلقہ امور

کن اوقات کے حاکم ہیں اور کن کے نہیں

زمانہ یا وقت خدائے خالق سے منسوب ہے۔ اور اسی کی طرح ابدی ہے۔ نہ اس کی انتہا ہے اور نہ ابتدا۔ حقیقت میں یہ اس کی ابدیت ہے۔ یہ لوگ اکثر اسے 'روح' یا پرش سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن عام وقت جس کا شمار حرکت سے ہوتا ہے' اور اس کے اجزا کا اطلاق' ان موجودات پر ہے جو خالق (خدا) کے علاوہ ہیں اور ان اشیاء پر جو روح کے علاوہ ہیں' ہوتا ہے۔ کلپ کا تعلق برہما سے ہے کیونکہ وہ برہما کا دن اور رات ہے اور اس کی عمر کا حساب اسی سے لگایا جاتا ہے۔

ہر منونتر کا ایک حاکم ہوتا ہے جسے منو کہتے ہیں۔ منو کے خاص اوصاف بیان کیے گئے ہیں جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے لیکن میں نے چتر یگوں یا یگوں کے حاکموں کے بارے میں کبھی کچھ نہیں سنا ہے۔

(البیرونی نے سال اور مہینے کے حاکموں کو دریافت کرنے کا طریقہ 'کھانڈ کھڈایک' سے نقل کیا ہے۔ یہ طریقہ تمام دوسرے طریقوں کے مقابلے میں زیادہ رائج ہے۔ اس کے علاوہ البیرونی نے کتاب 'وشنو دھرم' سے سیاروں کے حاکموں کی جدول بھی نقل کی ہے۔)

باب 62

ساٹھ سال یعنی سموتسر جسے شَشت یا بد کہتے ہیں

سموتسر اور شَشت یا بد کی تشریح

لفظ سموتسر، جس کے معنی 'سالوں' ہیں، اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اور اس سے مراد سالوں کہ وہ دورے لیے جاتے ہیں جن کی بنیاد مشتری اور سورج کی گردش پر ہے اور اس کی ابتدا مشتری کے تحت الشعاع سے نمودار ہونے کے وقت سے شمار کی جاتی ہے۔ اس کا دورہ ساٹھ سال میں ہوتا ہے اور اسی لیے اس کو 'شَشت یا بد' یا ساٹھ سال کہتے ہیں۔

بڑے ساٹھ سالہ دورے کے اندر چھوٹے چھوٹے دورے

بڑے بڑے یگ، منزل دھن شٹ کی ابتدا اور ماگھ مہینے کے آغاز میں مشتری کی تشریق کے وقت سے شروع ہوتے ہیں۔ ہر بڑے یگ کے اندر چھوٹے چھوٹے یگوں کا باقاعدہ سلسلہ ہے، جو مختلف اقسام میں بٹے ہوئے ہیں۔ یہ چھوٹے یگ چند سالوں پر پھیلے ہوتے ہیں اور ان میں ہر ایک کا الگ الگ حاکم ہوتا ہے۔ ان چھوٹے یگوں کی قسمیں ایک جدول میں درج ہیں۔

سموتسر سالوں کے نام

سموتسر کے ساٹھ سالوں میں سے ہر ایک سال کا اپنا الگ نام اور یگوں کے بھی الگ الگ نام ہیں جو ان کے حاموں کے ناموں پر ہیں۔

جدول کو استعمال کرنے کا طریقہ وہی ہے جو اس سے قبل جدول کا ہے۔

یعنی ہر سال کا نام اس کے عدد کے نیچے درج ہے۔ ان ناموں کے معنی اور ہر سال کی خصوصیات اور اس کے احکام کی تشریح بیان کرنا طول کلام کا سبب ہوگا۔ یہ تفصیلات کتاب 'سمت' میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

جب میں نے 'سم و تسرا' کے ان لغو ناموں میں قوموں' درختوں اور پہاڑوں کے ناموں کو سنا تو مجھے اپنے مخبروں پر شک ہوا کیوں کہ بات کو کچھ کا کچھ بنا دینا ان کے لیے ایک عام بات تھی۔ چنانچہ میں نے ہر نام کی نہایت احتیاط سے تحقیق کی اور دوسرے لوگوں سے ان کی ترتیب بدل کر پوچھا لیکن ہر جگہ سے مختلف جواب ہی ملا۔ واللہ اعلم۔

باب 63

وہ باتیں جو برہمنوں کے لیے مخصوص ہیں اور جن کا عمر بھر کرنا ان پر فرض ہے

برہمن کی زندگی کا پہلا دور

سات سال کی عمر کے بعد برہمن کی زندگی چار حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ پہلا حصہ آٹھویں سال سے شروع ہوتا ہے جب برہمن اس کے پاس آکر اسے اس کے فرائض سناتے اور ان کو تمام زندگی ادا کرتے رہنے کی تاکید کرتے ہیں۔ پھر وہ اس کی کمر میں ایک پٹکا باندھتے اور گلے میں ایک 'یجن پوتیا' پہناتے ہیں۔ ان یجن پوتیاؤں میں سے ایک مضبوط سوت کے نو تاروں سے بٹی ہوئی اور ایک کپڑے سے بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اسے وہ بائیں کندھے پر رکھ کر دائیں بغل کے نیچے لٹکا لیتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے ایک چھڑی دی جاتی اور 'دربھ' گھاس سے بنی انگوٹھی دی جاتی ہے۔ یہ انگوٹھی اس کی دائیں چھنگلی میں پہنا دی جاتی ہے اور 'پوتر' کہلاتی ہے اور اس کو دائیں ہاتھ کی چھنگلی میں پہنانے کی یہ غرض ہوتی ہے کہ اس ہاتھ سے وہ جو کچھ دے اس میں برکت ہو لیکن انگوٹھی پہننا اتنا ضروری نہیں جتنا کہ 'یجن پوتیا' کیوں کہ 'یجن' کو کسی صورت میں بھی اتار نہیں سکتا۔ اگر اس کو کھانا کھانے یا رفع حاجت کے لیے بھی اتارے تو یہ ایسا گنا ہے جس کا کفارہ روزہ رکھ کر اور صدقہ دے کر ہی ادا کیا جا سکتا ہے۔

برہمن کی زندگی کا پہلا دور پچیسویں سال تک رہتا ہے اور وشنو پران کے مطابق اڑتالیسویں سال تک رہتا ہے۔ اس دور میں ترک لذات اس پر فرض ہے یعنی زمین پر سوئے، وید اور اس کی تفسیر پڑھے، اور شریعت کے احکام سیکھے اور رات دن اپنے استاد یا گرو کی خدمت کرتا رہے۔ ہر روز تین بار غسل کرے، اور صبح اور شام آگ کی قربانی کرے۔ قربانی کے بعد استاد کو سجدہ کرے، ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن کھائے لیکن گوشت کھانا اس کے لیے حرام ہے۔ استاد کے گھر رہے، اور وہاں سے صرف پانچ گھر سے بھیک مانگنے نکلے۔ جو کچھ بھیک میں ملے اسے پہلے استاد کے آگے رکھے تاکہ اس میں جو چیز اسے پسند آئے وہ لے لے۔ اور باقی چیزیں استعمال کرنے کی اسے اجازت دے دے۔ وہ استاد کے پس خوردہ کو کھا کر گزران کرے۔ آگ کی قربانی کے لیے پلاس اور دربھ کی لکڑی لائے کیوں کہ ہندو آگ کو مقدس سمجھتے اور اس پر پھولوں کی نذر چڑھاتے ہیں۔ تمام دوسری قوموں کا بھی یہی حال ہے۔ سب کا عقیدہ یہی تھا کہ قربانی اسی وقت مقبول ہوتی ہے جب اس پر آگ نازل ہو جائے اور بتوں، ستاروں، گایوں، گدھوں اور مورتوں کی پرستش بھی انہیں آگ کی پرستش سے باز نہ رکھ سکی۔ عربی شاعر بشار ابن برد نے کہا ہے "آگ جب سے وجود میں آئی ہے معبود ہی رہی ہے۔"

برہمن کی زندگی کا دوسرا دور

برہمن کی زندگی کا دوسرا دور پچیس سال سے پچاس سال کی عمر تک اور وشنو پران کے مطابق ستر سال کی عمر تک رہتا ہے۔ اس دور میں گرو اسے شادی کرنے کی اجازت دے دیتا ہے چنانچہ وہ شادی کرکے گھر بساتا اور اولاد پیدا کرنے کی نیت کرتا ہے لیکن اسے مہینے میں صرف ایک بار بیوی کے پاس جانے کی اجازت ہے اور وہ بھی اس وقت جب وہ حیض سے پاک ہو چکی ہو۔ اسے ایسی عورت سے شادی کرنے کی اجازت نہیں جس کی عمر بارہ سال سے زیادہ ہو۔ اس کی گزر بسر کا ذریعہ برہمنوں اور چھتریوں کو پڑھانا ہے لیکن وہ ان سے اجرت نہیں لے سکتا، صرف نذرانہ لے سکتا ہے۔ اس

کی گزر بسر کا دوسرا ذریعہ وہ نذرانے ہیں جو لوگ اسے قربانی کرانے کے لیے دیتے ہیں یا راجاؤں اور امیروں سے سوال کرنے پر حاصل ہونے والی رقومات یا تحائف ہیں لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اپنے سوال پر اصرار نہ کرے اور دینے والے اپنی خوشی سے جو چاہیں دے دیں۔ ان لوگوں کے گھروں میں مذہبی کاموں کو انجام دینے کے لیے ایک برہمن ہمیشہ رہتا ہے۔ یہ برہمن پروہت کہلاتا ہے۔ اس کے گزارے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ زمین سے کچھ چن لے (اناج وغیرہ) یا پیڑوں سے پھل وغیرہ توڑے۔ اسے کپڑے اور سپاری کی تجارت کرنے کی اجازت ہے لیکن اچھا یہ ہے کہ وہ خود تجارت کا کام نہ کرے بلکہ کسی درویش کو یہ کام سپرد کر دے۔ شاید یہ اس وجہ سے ہے کہ تجارت میں دغا اور جھوٹ شامل رہتا ہے۔ پھر تجارت کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب اس کے پاس گزارے کی کوئی اور صورت نہ ہو۔ برہمنوں کیلیے راجا کو وہ ٹیکس یا محصول ادا کرنا لازم نہیں، جو دوسرے لوگوں کے لیے لازم ہیں لیکن مویشی مثلاً گھوڑے اور گائے رکھنا اور سود لینا اس کے لیے جائز نہیں۔ نیلا رنگ اس کے لیے ناپاک ہے اور اگر اس کے بدن پر لگے جائے تو غسل کرنا واجب ہے۔ اس پر واجب ہے کہ وہ آگ کے سامنے ڈھول بجائے اور مقررہ منتر پڑھے۔

تیسرا دور

برہمن کی زندگی کا تیسرا دور پچاس سال سے پچھتر سال کی عمر تک اور وشنو پران کے مطابق نوے سال کی عمر تک ہے۔ اس دور میں وہ خانہ داری کی زندگی کو ترک کر دیتا ہے اور اپنی بیوی اور گھربار کو اپنے بچوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ البتہ اگر اس کی بیوی اس کے ساتھ بیابان میں رہنا پسند کرے تو اسے اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ وہ آبادی سے دور کسی صحرا میں اسی طرح زندگی گزارتا ہے جس طرح پہلے دور میں گزارتا تھا وہ چھت کے نیچے نہیں رہتا اور کپڑے نہیں پہن سکتا۔ پتوں وغیرہ سے ستر چھپا سکتا ہے۔ وہ زمین پر بغیر بستر کے سوتا ہے اور صرف، پھل، ترکاریاں اور جڑیں کھاتا ہے، بال بڑھا لیتا ہے مگر ان میں تیل نہیں لگاتا۔

چوتھا دور

چوتھا دور آخر عمر تک رہتا ہے۔ اس دور میں وہ سرخ لبادہ پہنتا اور ہاتھ میں ڈنڈا رکھتا ہے۔ ہمیشہ دھیان میں لگا رہتا ہے' ذہن کو دوستی اور دشمنی سے پاک کرتا اور خواہش' شہوت اور غصہ سے نجات پا لیتا ہے اور کسی سے ملتا جلتا او بات نہیں کرتا ہے۔ اگر ثواب کے لیے کسی مقدس جگہ پر جاتا ہے تو راستے میں آنے والے کسی گاؤں میں ایک دن سے زیادہ اور شہر میں پانچ دن سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔ اگر کوئی شخص اسے کچھ دے تو اس میں دوسرے دن کے لیے کچھ نہیں رکھ سکتا۔ اسے صرف نجات حاصل کرنے کی دھن اور ایسا موکش پانے کی فکر ہوتی ہے کہ پھر دنیا کی طرف آنا نہ پڑے۔

برہمن کے عام فرائض

برہمن پر ساری عمر نیک کام کرنا' صدقہ دینا اور لینا لازم ہے۔ اس لیے کہ برہمن جو دیتے ہیں اس کا ثواب پتروں کو پہنچتا ہے۔ برہمن کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ ہمیشہ پڑھتا رہے' قربانیاں انجام دیتا رہے' آگ کی نگرانی کرتا رہے' اس کو قربانیاں پیش کرے' اس کی پرستش کرے اور اس کو بجھنے نہ دے، تاکہ مرنے کے بعد اسی میں جلایا جائے۔ اس کا نام ہوم ہے۔

ہر روز تین بار غسل کرے' طلوع کی سدھی کے وقت' غروب کی سدھی کے وقت اور ان دونوں وقتوں کے درمیان دوپہر میں۔ صبح کا غسل اس لیے واجب ہے کہ بدن کے مسامات ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ اس غسل سے نیند کا اثر زائل ہو جاتا ہے اور اتفاقی ناپاکی دھل جاتی ہے اور وہ عبادت کے قابل ہو جاتا ہے۔ ان کی عبادت کا طریقہ یہ ہے کہ خدا کی تعریف بیان کرتے اور اپنے قاعدے کے مطابق سجدہ کرتے ہیں۔ اس طرح کہ دونوں ہتھیلیاں جڑی رہتی ہیں اور ان کا رخ سورج کی طرف ہوتا ہے کیونکہ ان کا قبلہ سورج ہے چاہے اس کا رخ' جنوب کے علاوہ' کسی بھی طرف ہو۔ ہندو ثواب کا کوئی کام جنوب کی طرف رخ کرکے نہیں کرتے۔ صرف برائی اور بدبختی کے کاموں

میں جنوب کی طرف رخ کرتے ہیں۔

آفتاب کے ڈھلنے کا وقت ثواب حاصل کرنے کے لیے نہایت مناسب وقت ہے اس لیے اس وقت برہمن کا پاک رہنا لازم ہے اور اسی لیے شام کا وقت رات کے کھانے اور عبادت کا وقت ہے۔ یہ دونوں کام بغیر غسل کے بھی کیے جا سکتے ہیں اسی لیے شام کے غسل (تیسرے غسل) کا حکم اتنا سخت نہیں جتنا کہ پہلے اور دوسرے غسل کا ہے۔

گرہن کی صورت میں برہمن پر رات کا غسل بھی واجب ہے اور یہ اس لیے ہے تاکہ گرہن کی قربانیاں اور دوسری رسمیں ادا کنے کے لیے وہ پاک ہو جائے۔

برہمن زندگی بھر صرف دو وقت کھاتا ہے' دوپہر کے وقت اور رات کے وقت۔ کھانا کھانے سے پہلے اسے ایک دو آدمیوں کی خوراک صدقے کے لیے نکالنا ہوتی ہے۔ خصوصاً ان برہمنوں کے لیے جو شام کے وقت بھیک مانگنے آتے ہیں ان کا خیال نہ رکھنا گناہ عظیم ہے۔ پھر کھانے کا کچھ حصہ جانوروں' چڑیوں اور آگ کے لیے بھی نکالا جاتا ہے۔ جو کچھ بچتا ہے اسے خدا کا نام لے کر کھاتا ہے۔ اس میں سے بھی اگر کچھ بچ جائے تو اسے گھر سے باہر رکھ دیتا ہے اور اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتا۔ وہ کھانا اس کے لیے جائز نہیں بلکہ یہ اس حاجت مند کا حق ہے جو اتفاقاً ادھر سے گزرے' خواہ انسان ہو' جانور ہو یا کتا اور چڑیا۔

برہمن کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے پانی کا برتن علیحدہ ہو۔ اگر کوئی دوسرا شخص اس منہ لگا لے تو اسے توڑ دیا جاتا ہے۔ اس کے کھانے کے برتنوں کے لیے بھی یہی شرط ہے۔ میں نے ایسے برہمن دیکھے ہیں جو اپنے عزیزوں کے ساتھ ایک برتن میں کھانا جائز سمجھتے ہیں مگر ان کی اکثریت اسے پسند نہیں کرتی۔

برہمن کو چاہیے کہ وہ ایسی جگہ ہے جو اتر کی طرف دریائے سندھ اور دکھن کی طرف دریائے چرمن دتی کے درمیان واقع ہو۔ ان دونوں حدوں کو پار کرکے ترکوں یا کرناتوں کی حدوذ میں جانا اس کے لیے منع ہے۔ مزید براں اسے ایسے مقام پر رہنا چاہیے جو پوربی سمندر اور پچھمی سمندر کے درمیان ہو۔ لوگ کہتے ہیں کہ برہمن کا

ایسے ملک میں رہنا جائز نہیں جہاں وہ گھاس نہیں پیدا ہوتی جس سے چھنگلی میں پہننے والی انگوٹھی بنتی ہے اور جہاں سیاہ بالوں والے ہرن نہیں ہیں۔ جو ممالک ان حدود کے آگے ہیں، برہمن کا ان میں جانا گناہ ہے۔

ایسی جگھوں پر جہاں کھانا کھانے کے گھروں کی پوری زمین مٹی سے لیپی نہیں جاتی بلکہ صرف کھانے والوں کے آگے کی تھوڑی زمین پر پانی ڈال کر گوبر کا لیپ کردیا جاتا ہے، وہاں برہمن کے آگے کی لپی ہوئی زمین مربع کی شکل کی ہونی چاہیے۔ جہاں اس قسم کے دسترخوان استعمال ہوتے ہیں وہاں کے لوگ اس رواج کی توجیہہ یہ پیش کرتے ہیں کہ کھانا کھانے کی جگہ کھانا گرنے کی وجہ سے گندی ہو جاتی ہے چنانچہ اسے دھویا جاتا ہے اور لپائی کردی جاتی ہے لیکن چونکہ محض لپائی کی بنیاد پر اسے باقی گھر سے ممیز نہیں رکھا جا سکتا اس لیے پہچاننے میں آسانی کے لیے ایسا کیا جاتا ہے۔

دھرم کی رو سے برہمن پر پانچ سبزیاں کھانا حرام ہیں، پیاز، لہسن، کدو، گاجر کی مانند پودے کی جڑ جو کرنن؟ کہلاتی ہے اور تالابوں (نالیوں) کے کنارے اگنے والی ایک قسم کی سبزی۔

باب 64

دوسرے طبقے پر زندگی میں جن رسوم کی پابندی واجب ہے

مختلف طبقات کے فرائض

چھتری وید کو پڑھ اور سیکھ سکتا ہے لیکن اس کی تعلیم نہیں دے سکتا۔ آگ کی قربانی کرسکتا ہے اور پرانوں کے احکام پر عمل کرسکتا ہے۔ وہ جب کھانا کھانے کی ایسی جگہ پر بیٹھے گا جہاں کھانا کھانے کے لیے زمین پر چوکے بنائے جاتے ہیں اور جن کا ذکر ہم ابھی کر چکے ہیں تو اس کے لیے جو چوکا بنایا جائے گا وہ تکونا ہوگا۔ اس کا کام لوگوں پر حکومت کرنا اور ان کا دفاع کرنا ہے اور وہ اسی کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ جب اس کی عمر بارہ سال کی ہو جائے تو اسے ایک یجن پوتیا تیس دھاگوں سے بٹا ہوا اور ایک ایک موٹے دھاگے کا پہننا چاہیے۔

ویش کے فرائض میں کاشت کرنا' مویشی پالنا اور برہمنوں کی ضرورتیں پوری کرنا شامل ہیں۔ اس کے لیے صرف دو دھاگوں کا ایک یجن پوتیا پہننا کافی ہے' شودر کی حیثیت برہمن کے غلام کی ہے۔ اس کو برہمن کے کاموں میں مصروف اور اس کی خدمت کرنا چاہیے۔ اگر افلاس کے باوجود وہ یجن پوتیا کے بغیر نہ رہنا چاہے تو موٹے کپڑے کی ایک پٹی پہن لے۔ ہر وہ کام جو برہمن کے لیے مخصوص ہے مثلاً پوجا کرنا' وید پڑھنا اور آگ کی قربانی دینا' وہ شودر اور ویش کے لیے اس درجہ منع ہے کہ اگر

شودر یا ویش کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے وید پڑھا تو برہمن اسے اس الزام میں حاکم کے سامنے پیش کرے گا اور حاکم اس کی زبان کٹوا دے گا۔ البتہ خدا کا دھیان، نیک کام اور صدقہ دینا ممنوع نہیں ہے۔ جو شخص ایسا پیشہ کرے جو اس کے طبقے کے لیے جائز نہیں، مثلاً برہمن تجارت کرے یا شودر کھیتی کرے، تو وہ گناہ کا مرتکب ہوگا اور اس گناہ کی حیثیت چوری سے کچھ ہی کم ہے۔

(البیرونی نے یہاں ہندوؤں کی ایک روایت نقل کی ہے کہ رام کے زمانے میں لوگوں کی عمر بہت لمبی ہوتی تھی اور وہ بہت صحت مند ہوتے تھے اور کوئی بچہ اپنے باپ سے پہلے نہیں مرتا تھا۔ اتفاق سے ایک بار برہمن کا بیٹا باپ کے سامنے ہی فوت ہوگیا۔ برہمن اس کو راجا رام کے محل لے گیا اور آہ و زاری کرنے لگا۔ رام نے تحقیقات کا حکم دیا۔ ایک دن مخبروں نے اطلاع دی گنگا کے کنارے ایک چنڈال ریاضت کرتا ہے۔ راجا وہاں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک پیڑ سے الٹا لٹکا ہے۔ راجا نے کمان میں تیر جوڑ کر اس کے پیٹ میں مارا۔ تب وہ بولا "میں انہیں اس لیے مارتا ہوں کہ مجھے اس کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے جب کہ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ نہیں۔" جب راجا محل میں واپس آئے تو انہوں نے برہمن کے مردہ بیٹے کو زندہ پایا۔

مذہبی نقطہ نظر سے سب برابر ہیں

چنڈالوں کے علاوہ وہ سب لوگ جو ہندو نہیں ہیں ملیچھ یعنی ناپاک کہلاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قتل کرتے، ذبح کرتے اور گائے کا گوشت کھاتے ہیں۔

یہ تمام چیزیں درجات کی کمی بیشی اور ذات کی اونچ نیچ کا نتیجہ ہیں اور ایک طبقے نے دوسرے کو احمق سمجھ رکھا ہے۔ ورنہ سب برابر ہیں۔ واسو دیو نے طالب نجات کے متعلق کہا ہے "عقلمند کے نزدیک برہمن اور چنڈال، دوست اور دشمن، وفادار اور دھوکے باز، یہاں تک کہ سانپ اور نیولا برابر ہیں لیکن جاہلوں کو وہ علیحدہ اور مختلف نظر آتے ہیں۔"

باب 65

قربانیاں

اسو میدھ

وید کا بڑا حصہ آگ کی قربانیوں اور ان کی اقسام اور احکام کے بیان پر مشتمل ہے۔ ان کی حیثیت اس درجہ مختلف ہے کہ ان میں سے بعض کو صرف بڑے بڑے راجا ہی انجام دے سکتے ہیں۔ ایسی ایک قربانی اسو میدھ ہے۔ یہ ایک ایسی گھوڑی کی قربانی ہے۔ جسے آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ بے روک ٹوک سارے ملک چرتی پھرتی ہے۔ اس کے پیچھے پیچھے سپاہی ہوتے ہیں جو اسے ہانکتے اور اعلان کرتے جاتے ہیں۔ ”یہ گھوڑی دنیا کی بادشاہ ہے جو اس سے انکار کرے سامنے آئے“ برہمن اس کے پیچھے رہتے ہیں اور جہاں جہاں وہ لید کرتی ہے وہاں آگ کی قربانی کرتے جاتے ہیں۔ جب وہ اس طرح ساری دنیا کا چکر لگا لیتی ہے تو اپنے مالک اور برہمنوں کا لقمہ بن جاتی ہے۔

قربانیوں میں ان کی مدت کے اعتبار سے فرق ہے۔ اور ان میں بعض تو ایسی ہیں جنہیں انجام دینے کا موقع صرف اس شخص کو مل سکتا ہے جس نے بہت طویل عمر پائی ہو اور ایسے طویل عمر لوگ ہمارے زمانے میں ہوتے نہیں اس لیے بہت سی قربانیاں اب متروک ہوگئی ہیں اور اب ان میں کی بہت کم قربانیاں رائج ہیں اور انجام دی جاتی ہیں۔

آگ کی عام قربانیاں

ہندوؤں کے نزدیک آگ ہر چیز کو کھا جاتی ہے اس لیے اگر اس میں کوئی نجس چیز

پڑ جائے تو یہ بھی پانی کی طرح ناپاک ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ ایسی آگ اور پانی کو جو کسی غیر ہندو کے پاس ہیں استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتے کہ اس کے لمس سے یہ دونوں چیزیں ناپاک ہو جاتی ہیں۔

آگ کو جو چیز کھلائی جاتی ہے وہ دیووں کے پاس پہنچ جاتی ہے اس لیے کہ آگ ان کے منھ سے نکلتی ہے۔ برہمن آگ کو تیل اور اناج مثلاً گیہوں، جو اور چاول وغیرہ کھلاتے ہیں۔ جب وہ خود اپنے لیے یہ قربانی کرتے ہیں تو آگ پر وید کے مقررہ منتر بھی پڑھتے جاتے ہیں اور جب وہ دوسروں کے لیے آگ کی قربانی انجام دیتے ہیں تو کچھ نہیں پڑھتے۔

(اس کے بعد وشنو دھرم سے آگ کے جذام میں مبتلا ہونے کا واقعہ نقل کیا ہے۔)

باب 66

یاترا اور مقدس مقامات کی زیارت

مقدس تالابوں کی تعمیر

ہندوؤں پر یاترا فرض نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت نفل اور ثواب کے کام کی ہے۔ یاترا کرنے والا کسی مقدس شہر، کسی بڑے بت یا کسی مقدس دریا پر جاتا ہے۔ وہاں وہ پوجا کرتا ہے، بت کی پوجا کرتا اور نذر چڑھاتا ہے۔ منتر اور دعائیں پڑھتا ہے، برت رکھتا ہے، برہمنوں اور پجاریوں وغیرہ کو صدقہ دیتا ہے اور سر اور داڑھی منڈا کر گھر واپس آجاتا ہے۔

پاک اور واجب التعظیم تالاب میرو کے گرد سرد پہاڑوں میں واقع ہیں۔

ہم ہندوؤں کا یہ عقیدہ بیان کر چکے ہیں کہ دویپوں میں دریائے گنگا جیسے مقدس دریا ہیں۔ ہند ہر اس مقام پر جس کی کوئی فضیلت مشہور ہے، تالاب بناتے ہیں۔ یہ تالاب غسل کے لیے ہوتے ہیں۔ تالاب بنانا ان لوگوں کا خاص ہنر ہوگیا ہے اور جب ہماری قوم کے لوگ ان کو دیکھتے ہیں تو عش عش کرتے ہیں وہ ایسے تالابوں کو بنانا تو درکنار ان کو بیان بھی نہیں کرسکتے۔ یہ لوگ ان تالابوں کو بڑے بڑے پتھروں سے جو مضبوط نوک دار میخوں سے جڑے رہتے ہیں کئی درجوں کا چبوترا نما بناتے ہیں۔ یہ درجے یا زینے تالاب کے چاروں طرف گولائی میں بنائے جاتے ہیں اور قدآدم سے زیادہ بلند ہوتے ہیں۔ پھر ان درجوں کے درمیان برجی نما سیڑھیاں ہوتی ہیں۔ اس طرح گولائی میں بنے ہوئے زینے تالاب کے گرد آنے جانے کے لیے اور برجی نما

سیڑھیاں تالاب میں اترنے اور واپس آنے کا کام دیتی ہیں۔ یہ برجی نما سیڑھیاں چوں کہ متعدد ہوتی ہیں اس لیے کتنے ہی آدمی تالاب میں جائیں یا اوپر آئیں ان کا راستہ کبھی نہیں رکتا۔

مقدس تالاب

ملتان میں ایک تالاب ہے جس میں نہانا عبادت ہے بشرطیکہ انہیں روکا نہ جائے (اس کے بعد ورہ میر کی سمت سے تھانی سر کے ایک تالاب کا ذکر کیا ہے جسے بہت زیادہ مقدس مانا جاتا ہے۔)

کسی تالاب کی فضیلت اس وجہ سے مشہور ہوتی ہے کہ یا تو اس مقام پر کوئی اہم اور بڑا واقعہ پیش آیا ہے یا کتابوں اور روایات میں ان کے بارے میں کچھ لکھا ہے۔ ہم شیولنگ کی باتوں کا ذکر کر چکے ہیں۔ دیوی زہرہ نے یہ باتیں برہما کے حوالے سے سونک سے کہی تھیں۔ اس گفتگو میں راجا بل اور اس کے ان افعال کا ذکر ہے جو جب تک کرتا رہے گا جب تک نارائن اس کو زمین کے سب سے نچلے طبقے میں دھنسا نہیں دیں گے۔

مخلوق میں اختلاف مدارج

اس روایت میں ہے کہ ”ہم اس کے ساتھ ایسا اس لیے کریں گے کہ وہ انسانوں کے درمیان جو مساوات قائم کرنا چاہتا ہے وہ مٹ جائے اور ان کی حالت میں فرق باقی رہے اور اس طریقے سے دنیا میں انتظام قائم ہو۔ اور لوگ اس کی عبادت چھوڑ کر میری عبادت کریں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ متمدن لوگوں کے درمیان باہم امداد و تعاون اسی وقت ہو سکتا ہے جب ان کی حالتوں میں فرق ہو اور اس وجہ سے ایک کو دوسرے کی ضرورت ہو۔ اسی طرح اللہ نے دنیا کی طبیعتیں اور ملکوں کی حالتیں جداگانہ بنائی ہیں۔ کوئی ملک نہایت سرد ہے اور کوئی گرم، ایک کی مٹی اور آب و ہوا پاکیزہ ہے۔ دوسری کی زمین ناقص اور پانی میلا اور بدبودار اور ہوا مضر صحت ہے۔ اور اسی قسم کے دوسرے اختلافات بھی ہیں مثلاً کہیں خوش حالی اور سامان معیشت کی فراوانی، کہیں کمی،

کہیں قدرتی آفات کا بار بار آتے رہنا اور کہیں مطلق نہ آنا اور انہیں حالات کے لحاظ سے لوگ شہر بسانے کے لیے جگہ کا انتخاب کرتے ہیں۔"

"جو چیز انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے وہ ان کے مروجہ رسوم ہیں۔ لیکن مذہبی احکام رسوم و عادات سے زیادہ طاقتور ہوتے اور رسوم و عادات کے مقابلے میں انسانی طبائع کو زیادہ متاثر کرتے ہیں۔ رسوم و عادات کو دلائل پر پرکھتے اور اسی اعتبار سے انہیں اختیار کرتے یا چھوڑتے ہیں لیکن مذہبی احکام کو جوں کا توں رہنے دیا جاتا ہے' ان کی تحقیق نہیں کی جاتی ہے اور زیادہ تر لوگ ان کو اعتقاد کی وجہ سے اختیار کرلیتے ہیں اور اس کے بارے میں موشگافیاں نہیں کرتے۔ جس طرح بنجر ملک کے رہنے والے زمین کے بنجر ہونے کے بارے میں کوئی برائی نہیں کرتے کیونکہ وہ یہیں پیدا ہوئے۔ یہی ان کا وطن ہے اور انہیں اپنی وطن سے محبت ہے اور اس کو چھوڑ کر جانا ان پر گراں ہوتا ہے۔ جب وطن کی محبت کا یہ حال ہے تو مذہب کی محبت کا کیا حال ہوگا۔ اس سے لوگوں کو اس قدر لگاؤ اور تعلق ہوتا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔"

بنارس

ہندوؤں میں بعض مقامات کو اس لیے مقدس مانا جاتا ہے کہ ان کا تعلق ان کے مذہب اور شریعت سے ہے جیسے بنارس (وارانسی) ہندو سادھو بن کر وہاں سکونت اختیار کرلیتے ہیں جس طرح کعبہ کے مجاورین مکہ میں۔ ان کی تمنا ہوتی ہے کہ ان کی موت بنارس میں ہوتا کہ مرنے کے بعد ان کی عاقبت اچھی ہو۔ ہندوؤں کا کہنا ہے کہ قاتل اپنے جرم کی سزا ہر جگہ پائے گا لیکن اگر وہ بنارس میں داخل ہو جائے تو اس کا گناہ بخش دیا جاتا ہے۔

ان مقدس مقامات میں سے ایک تھانی سر ہے۔ اسے کروک شیر یعنی کر کا ملک بھی کہتے ہیں۔ کرو ایک نیک اور پاکباز کسان تھا جس سے کرامات صادر ہوتی تھیں۔ اس لیے یہ سرزمین اس کی طرف منسوب ہوکر واجب التعظیم قرار پائی۔ پھر اسی جگہ بھارت کی لڑائی کے دوران واسو دیو نے اپنے کارنامے انجام دیے اور بدکاروں کی

ہلاکت ہوئی۔ اسی وجہ سے لوگ اس جگہ کی زیارت کرتے ہیں۔

متھرا بھی ہندوؤں کا مقدس مقام ہے جہاں برہمنوں کی کثرت ہے یہ اس لیے واجب التعظیم ہے کہ واسو دیو کی پیدائش اور پرورش یہاں سے قریب نند کول نامی مقام پر ہوئی تھی۔

آج کل ہندو زیارت کے لیے کشمیر بھی جاتے ہیں۔ جب تک ملتان کا بت خانہ برباد نہیں ہوا تھا اس وقت یہ لوگ زیارت کے لیے ملتان جایا کرتے تھے۔

باب 67

صدقات' نیز یہ کہ آمدنی کو کس طرح خرچ کرنا چاہیے

ہندوؤں پر روزانہ' جتنا زیادہ سے زیادہ ممکن ہو' صدقہ خیرات کرنا فرض ہے۔ مال پر سال گزرنے کا انتظار نہیں کیا جاتا کیوں کہ اس طرح صدقہ کی ادائیگی ایک ایسے وقت پر ٹل جاتی ہے جس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ اس وقت تک زندہ رہے گا یا نہیں۔

کسی شخص کو جو آمدنی فصلوں یا مویشیوں سے ہوتی ہے اس میں سے ملک کے حاکم کو زمین یا چراگاہ کے مقررہ محصول کی ادائیگی سب پر مقدم ہے۔ اس کے بعد آمدنیکا چھٹا حصہ حاکم کو اس حفاظت کے عوض ادا کرنا ہوتا ہے جس کا انتظام اس کے جان و مال کے لیے حکومت کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ عام لوگوں پر بھی یہ حفاظتی محصول اسی طرح عائد ہے لیکن یہ لوگ اپنی آمدنی اور مال و اسباب کے بارے میں جھوٹے بیانات دے کر مقررہ محصول ادا کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ یہ محصول تجارت پر بھی ہے لیکن برہمن تمام محصولوں سے مستثنٰی ہیں۔ ان محصولوں کی ادائیگی کے بعد آمدنی میں سے جو باقی رہتا ہے اس کے مصرف کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کی رائے میں اس کا نواں حصہ صدقہ کر دینا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ آمدنی کی اس رقم کو تین حصوں میں بانٹا جائے۔ ایک تہائی آئندہ کے لیے جمع رکھا جائے تاکہ دل کو اطمینان رہے۔ دوسرے تہائی کو تجارت میں لگا دیا جائے تاکہ نفع سے مال میں اضافہ ہوتا رہے اور باقی ماندہ تہائی مال کا ایک تہائی (کل کا نواں حصہ) صدقہ کر دیا جائے اور دو تہائی گھر خرچ کرنا چاہیے۔

بعض اس آمدنی کے چار حصے کرتے ہیں۔ ایک چوتھائی گھر کے خرچ کے لیے، ایک چوتھائی کار خیر کے لیے، ایک چوتھائی صدقے کے لیے اور ایک چوتھائی آئندہ کے لیے محفوظ رکھا جائے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ جمع شدہ مال تین سال کے خرچ سے زیادہ نہ ہو۔ اگر جمع شدہ رقم اس سے زیادہ ہو تو فاضل رقم صدقہ کر دی جائے۔

سود لینا حرام ہے۔ اور اس ذریعے سے اصل مال میں جتنا اضافہ ہوگا اسی قدر زیادہ گناہ ہوگا۔ صرف شودروں کو سود لینے کی اجازت ہے بشرطیکہ نفع اصل کے پچاسویں حصے سے زیادہ (یعنی دو روپیہ سیکڑہ) نہ ہونے پائے۔

باب 68

کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں

ہندوؤں پر کسی کو جان سے مارنا اسی طرح حرام تھا جس طرح عیسائیوں اور مانویوں پر حرام ہے۔ لیکن چونکہ لوگوں کو گوشت کی طرف رغبت ہے اس لیے وہ اس کی حرمت کے ہر حکم کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ حکم اب برہمنوں کے لیے مخصوص ہوگیا ہے اس لیے کہ وہ دین کے محافظ ہیں اور دین انہیں نفسانی خواہشات کو پورا کرنے سے روکتا ہے۔

حلال اور حرام جانوروں کی فہرست

اس صورت میں بعض جانوروں کو گلا گھونٹ کر مارنے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن ان کے علاوہ دوسرے جانوروں کو کھانے کے لیے مارا نہیں جا سکتا۔ جو جانور حلال ہیں ان میں اگر کوئی خود اپنی موت سے مر جائے تو اس مرے ہوئے جانور کا گوشت حرام ہے۔ جن جانوروں کا مارنا جائز ہے ان میں بھیڑ' بکری' ہرن' خرگوش' گینڈا' بھینس' مچھلی اور پانی کے پرندے شامل ہیں۔ خشکی کے پرندوں میں گوریا' فاختہ' تیتر' کبوتر' مور اور تمام وہ پرندے جس سے کراہت نہ ہو' حلال ہیں۔

جن جانوروں کا کھانا حرام ہے وہ گائے' گھوڑا' خچر' گدھا' اونٹ' ہاتھی' پالی ہوئی مرغی' کوا' توتا' کوئل ہیں۔ انڈے اور شراب بھی مطلق حرام ہے۔ لیکن شراب پینا شودر کے لیے جائز ہے لیکن اس کا بیچنا اس کے لیے اسی طرح حرام ہے جس طرح کہ گوشت بیچنا۔

گائے کا گوشت کیوں حرام کیا گیا

بعض ہندوؤں کا خیال ہے کہ 'بھارت' (نام) کے اقتدار سے پہلے گائے حلال تھی اور بعض قربانیوں میں گائے ماری جاتی تھی لیکن بھارت کے بعد جب لوگ کمزوری کی وجہ سے فرائض ادا کرنے کے قابل نہیں رہے تو گائے حرام کردی گئی۔ اسی طرح وید جو پہلے ایک تھا' چار حصوں میں تقسیم کردیا گیا تاکہ لوگوں کے لیے اس کا پڑھنا آسان ہو جائے لیکن یہ بات خلاف عقل معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ گائے کو حرام کرنے سے آسانی اور وسعت نہیں پیدا ہوئی بلکہ پرانے قانون کے مقابلے میں یہ شدت اور تنگی پیدا کرنے کا سبب ہوا ہے۔

بعض ہندوؤں نے مجھے یہ بتایا کہ برہمنوں کو گائے کا گوشت کھانے سے تکلیف ہوتی ہے کیونکہ ان کا علاقہ گرم ہے اور وہاں اندرونی بدن ٹھنڈا رہتا ہے۔ حرارت عزیزی کمزور اور قوت ہاضمہ اتنی کم ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ اس کو طاقت پہنچانے کے لیے کھانے کے بعد پان اور سپاری چباتے ہیں۔ پان اپنی تیزی سے بدن کی حرارت کو بھڑکاتا ہے' چونا رطوبت کو مارتا ہے اور سپاری دانتوں' مسوڑوں اور معدے کو مضبوط کرتی ہے۔ اس وجہ سے گائے کا گوشت' جو ثقیل اور سرد ہوتا ہے' حرام کردیا گیا۔

اس معاملے میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا اور نہ کوئی رائے دے سکتا ہوں۔

(یہاں سے کتاب کی عبارت مٹی ہوئی ہے۔)

جہاں تک گائے کی حرمت کی معاشی مصلحت کا تعلق ہے' ہم کو یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ گائے ایک ایسا جانور ہے جو سفر میں بار برداری کے کام آتا ہے اور کاشتکاری میں جوتنے اور تخم ریزی کے کام آتا ہے اور گھر کے لیے دودھ اور جو چیزیں دودھ سے بنتی ہیں انہیں مہیا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا گوبر بھی استعمال ہوتا ہے اور جاڑوں میں اس کے سانس سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اسی لیے اسے حرام قرار دے دیا گیا جس طرح حجاج نے اس وقت کیا تھا جب لوگوں نے اس سے یہ شکایت کی تھی کہ بابل غیر آباد ہوتا جارہا ہے۔

باب 69

شادی' حیض' جنین اور نفاس

ازدواج کی ضرورت

کوئی قوم ازدواج کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس سے شہوانیت' جس کو ہر مہذب ذہن برا سمجھتا ہے بے لگام ہونے سے رک جاتی ہے اور ان وجوہات کا انسداد ہو جاتا ہے جو حیوانات کو ایسا مشتعل کر دیتے ہیں جن سے ان کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگر آپ ان جانوروں پر غور کریں جو جوڑے کی شکل میں رہتے ہیں اور دیکھیں کہ اس جوڑے کا ہر فرد کس طرح دوسرے کی مدد کرتا ہے اور جوڑا بن کر رہنے کی وجہ سے یہ کس طرح دوسرے جانوروں کی شہوت سے محفوظ رہتے ہیں تو آپ بلا تامل یہ کہہ اٹھیں گے کہ ازدواج ایک ضروری ادارہ ہے اور زنا ایک ایسا شرمناک عمل ہے جو انسان کو جانوروں کی سطح سے بھی نیچے گرا دیتا ہے حالانکہ حیوانات کا درجہ انسان سے بہت نیچے ہے۔

شادی کا قانون

ہر قوم میں اور خاص طور پر اس قوم میں جو الٰہی شریعت اور احکام کی پابندی کی دعوے دار ہے' شادی کا دستور مقرر ہے۔

ہندوؤں کے یہاں بیاہ بہت کم عمری میں ہو جاتا ہے اور والدین رشتہ طے کرتے ہیں۔ بیاہ کی تقریب میں برہمن قربانی کی رسمیں ادا کرتے ہیں اور برہمنوں اور دوسرے لوگوں کو خیرات تقسیم کی جاتی ہے۔ شادی کے موقع پر خوشی کے شادیانے بجائے جاتے

ہیں۔ زوجین کے درمیان مہر کا کوئی ذکر نہیں آتا۔ مرد اپنی مرضی سے عورت کو کوئی تحفہ دیتا ہے اور جو کچھ دینا ہوتا ہے اسی وقت دے دیا جاتا ہے اور واپس نہیں لیا جا سکتا البتہ اگر عورت چاہے تو اپنی خوشی سے واپس دے سکتی ہے۔ شوہر اور بیوی کے درمیان صرف موت ہی تفریق کر سکتی ہے اس لیے کہ ان میں طلاق نہیں ہے مرد کو ایک سے زیادہ چار بیویاں تک رکھنے کا حق ہے لیکن چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن اگر چار میں سے کوئی بیوی مر جائے تو ایک شادی اور کر سکتا ہے تاکہ چار کی تعداد پوری ہو جائے لیکن اس سے زیادہ کی قطعی اجازت نہیں۔

بیوہ

اگر کسی عورت کا شوہر مرجائے تو وہ دوسرا بیاہ نہیں کر سکتی۔ اسے دو صورتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوتا ہے یا تو زندگی بھر بیوہ رہے یا خودسوزی کرلے اور خود سوزی یعنی ستی ہو جانے کو بہتر تصور کیا جاتا ہے۔ راجاؤں کی بیویوں کو جلا دیا جاتا ہے وہ جلنا چاہیں یا نہ چاہیں۔ یہ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کر سکیں جس سے ان کے نامور شوہر کے نام کو بٹہ لگے۔ صرف عمر رسیدہ عورتیں اور وہ عورتیں جن کے بچے ہیں، اس سے مستثنیٰ ہیں کیوں کہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری ان کے بیٹوں پر چھوڑ دی جاتی ہے۔

بیاہ کرنا کس سے جائز ہے اور کس سے حرام ہے

ہندوؤں کے شادی کے قانون کے مطابق غیر کفو میں شادی کرنے کو ترجیح دی جاتی ہے جو لوگ قرابت میں جتنے دور ہوں گے اتنے ہی پسندیدہ ہوں گے۔ سلسلہ نسب سے براہ راست تعلق رکھنے والی عورتوں سے شادی کرنا حرام ہے جیسے پوتی اور پڑپوتی اور اسی طرح ماں، دادی اور پردادی۔ ان کے علاوہ بہن، بھتیجی، پھوپھی، خالہ اور ان کی بیٹیوں سے بھی شادی کرنا حرام ہے۔ البتہ اگر فریقین میں پانچ نسلوں کی دوری ہو تو ان کی شادی جائز تو ہے لیکن پسندیدہ نہیں۔

بیویوں کی تعداد

بعض لوگوں کے خیال میں مختلف طبقات کے لیے بیویوں کی تعداد مختلف ہے۔ یعنی برہمن چار بیویاں رکھ سکتا ہے، چھتری تین، ویش دو اور شودر صرف ایک بیوی رکھ سکتا ہے۔ شادی صرف اپنے طبقے یا اپنے سے نیچے کے طبقے کی عورت سے کی جا سکتی ہے لیکن اپنے سے اونچے طبقے کی عورت سے شادی کرنا حرام ہے۔

اولاد کا نسب

اولاد ماں کی طرف منسوب ہوگی یعنی جو ماں کی ذات ہے وہی اولاد کی ذات ہوگی مثلاً اگر برہمن کی بیوی بھی برہمن ہے تو اولاد بھی برہمن ہوگی لیکن اگر بیوی شودر ہے تو اولاد بھی شودر ہوگی۔ ہمارے زمانے میں برہمن اپنی ہی ذات کی عورت سے شادی کرتے ہیں اگرچہ ان کے لیے غیرذات میں شادی کرنا جائز ہے۔

حیض کی مدت

مشاہدہ کے مطابق حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت سولہ دن ہے۔ لیکن تحقیق کے اعتبار سے یہ صرف پہلے چار دن جاری رہتا ہے۔ حیض کی حالت میں شوہر بیوی کے ساتھ صحبت نہیں کرسکتا بلکہ اس کے قریب جانے کی بھی اجازت نہیں کیونکہ حیض کی حالت میں عورت ناپاک ہوتی ہے۔ چار دن گزر جانے کے بعد وہ غسل کرکے پاک ہو جاتی ہے، چاہے خون آنا بند نہ ہو اور اس سے صحبت کرنا جائز ہو جاتا ہے اس لیے کہ یہ خون حیض کا نہیں بلکہ جنین کا مادہ ہے۔

قیام حمل اور ولادت

برہمن جب بچہ پیدا کرنے کی خاطر بیوی سے صحبت کرنا چاہتا ہے تو اسے گربھ دھن نامی آگ کی قربانی دینا واجب ہوتا ہے۔ چونکہ اس قربانی میں عورت کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے اور یہ حیا کے منافی ہے اس لیے یہ قربانی نہیں دی جاتی اور اسے آگے بڑھا کر دوسری قربانی کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے جو حمل کے چوتھے مہینے میں واجب ہوتی ہے اس قربانی کا نام 'سمم تونانیم' ہے۔ جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو ایک قربانی اس کا

دودھ شروع ہونے سے پہلے کی جاتی ہے۔ اس قربانی کو 'جات کرمن' کہتے ہیں۔

بچے کا نام نفاس کی مدت ختم ہونے پر رکھا جاتا ہے۔ اس موقع پر جو قربانی دی جاتی ہے اسکا نام 'نام کرمن' ہے۔ جب تک عورت نفاس کی حالت میں رہتی ہے کسی برتن کو ہاتھ نہیں لگاتی نہ اس کے گھر میں کوئی چیز کھائی جاتی ہے اور نہ برہمن وہاں آگ جلاتا ہے۔ یہ مدت برہمن کے لیے آٹھ دن' چھتری کے لیے بارہ دن' دیش کے لیے پندرہ دن اور شودر کے لیے تیس دن ہے ایسے نیچ ذات لوگوں کے لیے جو کسی ذات میں شمار نہیں ہوتے کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔

دودھ پلانے کی زیادہ سے مدت تین سال ہے لیکن اس معاملے میں کوئی سختی نہیں ہے۔ بچے کا مونڈن تیسرے سال ہوتا ہے اور کان چھیدن ساتویں یا آٹھویں برس۔ مونڈن کے وقت بھی قربانی دی جاتی ہے۔

زناکاری کی وجوہات

لوگ سمجھتے ہیں کہ ہندوؤں کے نزدیک زناکاری جائز ہے۔ جب مسلمانوں نے کابل کو فتح کیا تو وہاں کے اسپ ہبد نے اسلام قبول کیا تو اس نے یہ شرط لگائی کہ اسے گائے کا گوشت کھانے اور اغلام بازی کرنے پر مجبور نہ کیا جائے (اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اغلام بازی اور زنا دونوں کو یکساں نفریں سمجھتا تھا) حقیقت حال وہ نہیں جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں بلکہ قصہ یہ ہے کہ لوگ زنا کی سزا میں سختی نہیں کرتے اور یہ تصور ان کے راجاؤں کا ہے نہ کہ عوام کا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی برہمن ناچنے اور گانے والی عورتوں کا وجود مندروں میں برداشت نہ کرتا۔ لیکن راجاؤں نے ان عورتوں کو اپنے شہروں کی آرائش کا اور اپنی رعایا کے لیے لطف و نشاط اور عیش کا ذریعہ بنا دیا ہے اور اس کی غرض مالی منفعت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ قحبہ خانوں سے جو رقم محصول اور جرمانوں کے طور پر وصول ہوتی ہے اس کے ذریعے خزانے کی وہ رقم پوری کر دی جاتی ہے جو فوج کے مصارف کے لیے نکالی جاتی ہے۔

اسی قسم کی حرکت عضدالدولہ نے بھی کی تھی لیکن اس کی اس کے علاوہ ایک غرض اور بھی تھی اور وہ تھی فوج کے غیرشادی شدہ سپاہیوں کی شہوت سے اپنی رعایا کو محفوظ رکھنا۔

باب 70

مقدمے

منصف یا جج' مدعی سے ملزم (مدعاعلیہ) کے خلاف تحریری دعویٰ طلب کرتا ہے جسے ایسے رسم خط میں تحریر کرنا چاہیے۔ جو عدالتوں کے لیے مناسب ہو۔ مدعی کو اپنے دعویٰ کی دلیل بھی اپنے عرضی دعوے میں لکھ دینی چاہیے۔ اگر تحریری دعویٰ دائر نہیں کیا گیا ہے تو گواہی لے کر مقدمے کا فیصلہ کردیا جاتا ہے۔

گواہوں کی تعداد چار سے کم نہ ہونا چاہیے البتہ چار سے زیادہ ہوسکتی ہے۔ جب گواہ کی راست بازی ثابت ہو جاتی ہے تب ہی اس کی شہادت مانی جاتی ہے اور صرف اسی ایک گواہ کی شہادت پر مقدمہ کا فیصلہ کردیا جاتا ہے۔

خفیہ تحقیقات اور ظاہری علامات سے واقعہ کی تہہ تک پہنچنے کے علاوہ قیاس اور نظائر سے بھی کام لیا جاتا ہے اور حقیقت حال معلوم کرنے کی ہر تدبیر اختیار کی جاتی ہے جیساکہ ایاس ابن معاویہ کیا کرتا تھا۔

اگر مدعی اپنے دعوے کو ثابت نہ کرسکے تو مدعاعلیہ سے حلف لیا جاتا ہے لیکن قاضی یہ بھی کرتا ہے کہ مدعی سے حلف لینے کو کہتا ہے اور اسے حکم دیتا ہے "حلف اٹھا کر کہہ کہ تیرا دعویٰ سچا ہے تاکہ میں مقدمے کا فیصلہ تیرے حق میں کردوں۔"

حلف کی مختلف صورتیں

دعوے کی قیمت یا مقدار کے لحاظ سے حلف کی متعدد قسمیں ہیں۔ اگر معمولی چیز کا دعویٰ ہو اور مدعی اس بات پر رضامند ہوکہ ملزم سے حلف لیا جائے تو ملزم پانچ

برہمنوں کی موجودگی میں قسم کھا کر کہتا ہے ''اگر میں جھوٹ بولوں تو میرے نیک کاموں کا اتنا ثواب، جو دعویٰ کی مقدار کا آٹھ گنا ہو، مدعی کو دے دیا جائے۔''

(اس کے بعد حلف کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں۔ حلف لینے کے جو طریقے بیان کیے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

1- مدعاعلیہ - ملزم کو زہر پینے کو کہا جاتا ہے۔

2- اس کو دریا میں پھینک دیا جاتا ہے۔

3- سرخ گرم لوہا ہاتھ میں تھامنے کو کہا جاتا ہے۔

اگر وہ بے گناہ ہے تو ان میں سے کوئی بھی چیز اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔)

باب 71

سزائیں اور کفارے

اس معاملے میں ہندوؤں کا حال عیسائیوں جیسا ہے کیوں کہ ان کی بنیاد نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کے اصولوں پر ہے مثلاً کسی حال میں بھی قتل کا ارتکاب نہ کرنا' اگر کوئی تمہارا کوٹ اتار لے تو قمیض بھی اس کو دے دو' اگر کوئی تمہارے ایک رخسار پر طمانچہ مارے تو دوسرا رخسار بھی اس کے سامنے کر دو' اپنے دشمن کے لیے دعائے خیر کرو۔ میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ اعلیٰ درجے کا فلسفہ حیات ہے' لیکن دنیا کے سارے لوگ فلسفی نہیں ہوتے۔ ان میں زیادہ تر جاہل اور غلط کار ہیں اور انہیں صرف تلوار اور کوڑے کے ذریعے سیدھے راستے پر رکھا جا سکتا ہے۔

ابتدا میں ہندو قوم پر برہمن حکومت کرتے تھے

یہی حال ہندوؤں کا بھی ہے۔ ہندوؤں کا کہنا ہے کہ ماضی میں ملک کا انتظام اور جنگ کا کام برہمنوں کے ہاتھوں میں تھا۔ لیکن اس سے ملک میں ابتری اور بدنظمی پھیل گئی۔ اس لیے کہ وہ لوگ ریاست مذہبی کتابوں میں بتائے گئے فلسفیانہ اصولوں کے مطابق چلاتے تھے لیکن سماج کے مفسد اور شرانگیز لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے ان پر عمل کرنا اور کرانا ناممکن ہوگیا اور حالت یہاں تک خراب ہوگئی کہ انہیں دین کا کام چلانا بھی دشوار ہوگیا۔ اور مجبور ہوکر انہیں خدا کے سامنے منت و زاری کرنی پڑی۔ اس پر برہما نے انہیں صرف دینی امور کی انجام دہی کے لیے مخصوص کردیا اور جس پر وہ اب بھی مامور ہیں اور ریاست کا انتظام اور جنگ کے امور چھتریوں کے سپرد کر دیے

اور اس وقت سے برہمن سوال کر کے اور بھیک مانگ کے اپنا گزارہ کرتے ہیں اور جرائم کی سزا علماء کی طرف سے نہیں بلکہ بادشاہوں کی طرف سے دی جانے لگی۔

قتل کا قانون

قتل کے متعلق ان کے ہاں یہ قانون ہے۔ اگر قاتل برہمن ہے اور مقتول کسی دوسری ذات کا، تو برہمن کو اس جرم کی سزا نہیں دی جاتی، اسے صرف اس کا کفارہ ادا کرنا ہوتا ہے اور وہ برت، پوجا پاٹ اور صدقہ خیرات سے ادا ہو جاتا ہے۔

اگر مقتول بھی برہمن ہو تو اس سے آخرت میں مواخذہ کیا جائے گا اور دنیا میں کفارہ ادا کرنے کی اجازت نہ ہوگی کیوں کہ کفارہ گناہ کو دھو ڈالتا ہے۔ لیکن برہمن کے کبیرہ گناہوں کو کوئی چیز نہیں دھو سکتی اور سب سے بڑا گناہ برہمن کا قتل ہے جسے "وجر برہما ہتیا" کہا جاتا ہے۔ دوسرے کبیرہ گناہوں میں گائے کو ذبح کرنا، شراب پینا، زنا کرنا، خصوصاً اپنے باپ اور استاد کی بیوی سے۔ لیکن حکام برہمن یا چھتری کو ان میں سے کسی جرم کے لیے سزائے موت نہیں دیتے بلکہ اس کا مال و اسباب ضبط کر کے اپنے ملک سے نکال دیتے ہیں۔

اگر برہمن اور چھتری کے علاوہ کسی اور ذات کا کوئی شخص اپنی ذات والے کسی شخص کو قتل کر دے تو اس کے لیے وہ کفارہ ادا کر سکتا ہے لیکن کفارے کے باوجود بادشاہ دوسروں کی عبرت کے لیے اسے سزا بھی دیتے ہیں۔

چوری کا قانون

چوری کے جرم کی سزا کا قانون یہ ہے کہ سزا مال مسروقہ کی قیمت کے مطابق دی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے کبھی چوری کی سزا سخت ہوتی ہے، کبھی اوسط اور کبھی ہلکی۔ کبھی صرف جرمانہ عائد کیا جاتا ہے۔ کبھی صرف یہ کافی سمجھا جاتا ہے کہ اسے سب کے سامنے گشت کرا دیا جائے تاکہ اسے خفت اور شرمندگی ہو۔ اگر مال مسروقہ بیش قیمت ہو تو حکام برہمن کی آنکھیں نکلوا لیتے اور اس کا بایاں ہاتھ اور داہنی ٹانگ کٹوا دیتے ہیں۔ چھتری کے صرف ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے ہیں اسے اندھا نہیں کیا جاتا۔ ان دونوں

کے علاوہ دوسری ذاتوں کے سارقوں کو قتل کرا دیا جاتا ہے۔

زانیہ کی سزا یہ ہے کہ اسے اپنے شوہر کے گھر سے نکال کر ملک بدر کر دیا جاتا ہے۔

ہندو جنگی قیدیوں سے ملک واپس آنے کے بعد کیسا سلوک کیا جاتا ہے

مجھے معلوم ہوا تھا کہ جو ہندو غلام (اسلامی ملکوں سے) بھاگ کر اپنے وطن اور دین میں واپس آتا ہے تو ہندو کفارے کے لیے اس پر برت لازم کرتے ہیں اور اسے گائے کے گوبر' پیشاب اور دودھ میں گاڑ دیتے ہیں۔ جب ان میں خمیر اٹھ آتا ہے تو اسے نکال لیتے ہیں اور اسے یہی چیزیں کھلاتے ہیں۔

ایسی ہی دوسری باتیں بھی ہم نے سنی تھیں لیکن جب ان کے بارے میں ہم نے برہمنوں سے پوچھا تو انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ نہ اس کے لیے کوئی کفارہ ہے اور نہ اس کو غلام بنائے جانے سے پہلے کی حالت پر واپس آنے کی اجازت ہے۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے اس لیے کہ اگر برہمن بھی چند روز کسی شودر کے گھر میں کھانا کھا لیتا ہے تو ذات باہر ہو جاتا ہے اور دوبارہ اس میں واپس نہیں آسکتا۔

باب 72

میراث اور اس میں میت کا حق

قانون وراثت

ہندوؤں کے قانون وراثت کی خاص بات یہ ہے کہ بیٹی کے علاوہ دوسری عورتیں وراثت کے حق سے محروم کر دی گئی ہیں۔ منو کی کتاب میں مرقوم ہے کہ بیٹی کا حصہ بیٹے کے حصے کا ایک چوتھائی ہے۔ اگر وہ ناکتخدا ہے تو بیاہ کے وقت تک اس پر جو خرچ ہوگا اسی حصے سے کیا جائے گا اور اس کے بیاہ کے مصارف بھی اسی سے ادا کیے جائیں گے۔ بیاہ کے بعد اس پر باپ کے گھر سے مزید کچھ خرچ نہیں کیا جائے گا۔

اگر بیوہ ستی نہیں ہوتی (یعنی شوہر کے مرنے کے بعد جلائی نہیں جاتی) اور زندہ رہتی ہے تو جب تک وہ زندہ رہے اس کا کھانا اور کپڑا اس کے مرحوم شوہر کے وارث کے ذمے ہوگا۔

میت کا قرض ادا کرنا وارث کے ذمے ہے خواہ وراثت میں ملنے والے مال سے کرے خواہ اپنے ذاتی مال سے اور چاہے مرنے والے نے کچھ ترکہ چھوڑا ہو یا نہ چھوڑا ہو۔ اسی طرح اس مرنے والے کی بیوہ کا خرچ بھی ہر حال میں برداشت کرنا ہے۔ جہاں تک مرد وارثوں کا معاملہ ہے تو اس کا اصول یہ ہے کہ مرنے والے کے نیچے کے لوگوں یعنی بیٹوں اور پوتوں کا حق اوپر والوں یعنی باپ، دادا سے زیادہ ہے۔ ترکے کا حق زیادہ یا کمزور ہونا میت سے رشتے کے قرب یا بعد پر بھی منحصر ہے یعنی جو لوگ رشتے میں مرنے والے سے زیادہ قریب ہیں ان کا حق دور کے رشتے والوں سے

زیادہ ہے۔ اس اعتبار سے بھی بیٹے کو پوتے پر اور باپ کو دادا پر فوقیت حاصل ہے۔ ایسے عزیز جو براہ راست سلسلے سے الگ ہیں مثلاً رشتے کے بھائی وغیرہ' ان کا حق میراث پر کم ہے اور وہ صرف اس وقت وارث ہوتے ہیں جب کوئی ان سے زیادہ حق دار موجود نہیں ہوتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بیٹی کا بیٹا بہن کے بیٹے سے اور بھائی کا بیٹا ان دونوں سے زیادہ حقدار ہے۔

جب کئی حق دار ایک ہی پائے یا مرتبے کے ہوں جیسے بیٹا یا بھائی تو اس صورت میں سب کو برابر حصہ دیا جائے گا۔ ہندوؤں میں ہیجڑے کو مرد تصور کیا جاتا ہے۔

اگر مرنے والے کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا ترکہ سرکاری خزانہ میں داخل کردیا جاتا ہے لیکن اگر کوئی برہمن لاوارث مرجائے تو اس کا ترکہ سرکاری خزانے میں داخل نہ ہوگا کیونکہ برہمن کے مال پر حکومت کا کوئی حق نہیں ہے اور اس متروکہ مال کو خیرات کردیا جاتا ہے۔

وارث پر میت کے حقوق

مرنے والے کے وارث پر جو فرائض مرنے والے کے سلسلے میں عائد ہوتے ہیں' ان میں پہلے سال کے دوران سولہ ضیافتیں کرنا شامل ہیں۔ ان ضیافتوں میں مہمانوں کو کھانا کھلانے کے ساتھ صدقہ بھی دیا جاتا ہے۔ یہ ضیافتیں موت کے گیارہویں اور پندرہویں دن اور اس کے بعد ہر مہینے میں ایک بار دی جاتی ہیں اور یہ سلسلہ سال بھر تک جاری رہتا ہے۔ چھٹے مہینے کی ضیافت زیادہ بڑے پیمانے پر کی جاتی ہے اور اس میں کھانا بھی اعلیٰ درجے کا کھلایا جاتا ہے۔ پھر ایک کھانا سال ختم ہونے سے ایک دن پہلے باپ دادا کے نام پر دیا جاتا ہے اور آخری کھانا سال کے آخری دن دیا جاتا ہے۔ سال ختم ہونے پر میت کے حقوق ادا ہو جاتے ہیں۔

اگر میت کا وارث اس کا بیٹا ہے تو اس پر تمام سال سوگ منانا اور جماع سے باز رہنا لازم ہے بشرطیکہ وہ مرنے والے کی جائز اولاد ہو اور خالص نسل کا ہو۔ یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ سوگ کے سال کی ابتدا میں وارثوں پر ایک دن کے لیے کھانا حرام

ہے۔

سولہ کھانوں اور ان کھانوں کے ساتھ صدقہ دینے کے علاوہ وارثوں پر یہ بھی لازم ہے کہ موت کے وقت سے دس دن تک روزانہ گھر کے باہر کسی طاق پر یا ایسی ہی کسی اور جگہ پر کھانے سے بھری تھالی اور پانی کی لٹیا رکھیں' اس لیے کہ ممکن ہے ابھی روح قرار کی جگہ نہ پہنچی ہو اور بھوکی پیاسی گھر کے آس پاس چکر لگا رہی ہو۔

افلاطون کا بھی ایسا ہی خیال تھا

افلاطون نے اپنی کتاب فاذن PHAEDO میں ایسا ہی خیال ظاہر کیا ہے اور ان روحوں کا ذکر کیا ہے جو اس وجہ سے قبروں کے گرد گھومتی رہتی ہیں کہ ابھی ان میں بدن کی محبت باقی ہے۔

پھر دسویں رات وارث میت کے نام پر بہت سا کھانا اور ٹھنڈا پانی خیرات کرتا ہے۔ گیارھویں دن سے روزانہ ایک آدمی کی خوراک اور ایک درہم کسی برہمن کے گھر بھیجا جاتا ہے اور یہ عمل بلاناغہ سال بھر تک جاری رہتا ہے۔

باب 73

مردوں اور زندوں کے جسم کے حقوق

(یعنی تدفین اور خودکشی)

قدیم زمانے میں تدفین کے طریقے

بہت پرانے زمانے میں مردوں کی لاشیں میدانوں میں کھلی ہوئی ڈال دی جاتی تھیں اور ان پر کچھ ڈھکا نہیں جاتا تھا۔ اسی طرح بیماروں کو اٹھا کر صحراؤں اور پہاڑوں میں ڈال آتے تھے۔ اگر وہ مرجاتے تو اسی طرح وہیں پڑے رہتے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے اور اگر اچھے ہو جاتے تو اپنے گھروں کو واپس آجاتے۔

پھر ایک قانون ساز کا ظہور ہوا جس نے حکم دیا کہ لاشوں کو ہوا کے سامنے رکھا جائے چنانچہ ایسی عمارتیں بنائی جانے لگیں جن میں چھت تو ہوتی تھی لیکن ان کی دیواروں میں شگاف رکھے جاتے تھے جن میں سے ہوا آکر مردے کے بدن کو لگتی رہتی تھی۔ مجوسیوں کے مقبروں کی شکل ایسی ہی ہوتی ہے۔

ایک عرصے تک اسی طریقے پر عمل ہوتا رہا یہاں تک کہ نارائن نے مردوں کے بدن کو آگ کے حوالے کرنے کا طریقہ مقرر کیا۔ اس وقت سے یہ لوگ مردوں کو اس طرح جلا دیتے ہیں کہ کچھ باقی نہیں رہتا اور غلاظت، گندگی اور بدبو آگ میں جل کر ختم ہو جاتی ہے اور کسی کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔

(اس کے بعد بتایا ہے کہ یونانیوں میں مردوں کو دفن کرنے اور جلانے دونوں کا رواج تھا ...... اسی طرح ہندو کہتے ہیں کہ انسان میں ایک نقطہ ہے جس کی وجہ سے

انسان‘ انسان ہے اور یہی چیز مخلوط اجزاء کے جل کر منتشر ہو جانے کے بعد خالص روپ میں نکھر آتی ہے۔)

آگ اور سورج کی کرنیں خدا کے پاس جانے کے قریب ترین راستے ہیں

(روح کی خدا کے پاس) واپسی کے متعلق ہندوؤں کا خیال ہے کہ جزوی طور پر یہ سورج کی کرنوں کے ساتھ ہوتی ہے اس طرح کہ روح ان کے ساتھ مل کر آسمانوں پر چڑھ جاتی ہے اور باقی آگ کے شعلوں کے ساتھ خدا تک پہنچ جاتی ہے۔ بعض ہندو دعا کرتے تھے اللہ ان کا اپنی طرف واپسی کا سیدھا راستہ بنا دے اس لیے کہ سب سے قریب راستہ خط مستقیم ہی ہوتا ہے اور اوپر جانے کا راستہ آگ اور کرن کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

غزترک ڈوبے جانے والے شخص کے بارے میں کچھ ایسا ہی سوچتے تھے۔ وہ ڈوبنے والے کی لاش کو ایک تختے پر رکھ کر دریا میں ڈال دیتے تھے اور اس تختے کے پائے میں رسی باندھ کر اس کا ایک سرا پانی میں ڈال دیتے تھے تاکہ اس کے ذریعے مردے کی روح دوبارہ پیدا ہونے کے لیے آسمان پر چڑھ جائے۔

لوگ کہتے ہیں کہ بدھ نے حکم دیا تھا کہ مردوں کے بدن بہتے ہوئے پانی (دریا) میں پھینک دیے جائیں۔ اسی لیے بدھ کے پیرو ‘شمانی’ لاش کو دریاؤں میں ڈال دیتے ہیں۔

ہندوؤں کا دفن کرنے کا طریقہ

ہندوؤں کے مطابق مردے کے بدن کا وارثوں پر یہ حق ہے کہ وہ اسے غسل دیں‘ عطر لگائیں اور اس کو صندل یا کسی اور لکڑی سے جو ممکن ہو‘ جلائیں اور اس کی جلی ہوئی ہڈیوں کی کچھ راکھ گنگا میں ڈال دیں تاکہ گنگا ان پر اسی طرح بہے جیسے وہ سگر کی اولاد کی جلی ہوئی ہڈیوں پر بہتی رہی ہے کہ ان کو جہنم سے بچا کر جنت میں پہنچا دیا

ہے۔ باقی راکھ کسی چشمے یا ندی میں ڈال دی جاتی ہے جس جگہ پر لاش جلائی جاتی ہے وہاں میل کے پتھر کی شکل کی پکی قبر بنا دی جاتی ہے اور اس پر چونے سے استر کاری کردی جاتی ہے۔ تین سال سے کم عمر کے بچے جلائے نہیں جاتے۔

جو لوگ مردے کی آخری رسوم ادا کرتے ہیں وہ دو دن تک اپنے کپڑے اور بدن دھوتے ہیں کیوں کہ مردے کو چھونے کی وجہ سے ان کے کپڑے اور بدن ناپاک ہو جاتے ہیں۔

جو لوگ اپنے مردوں کو جلانے کے قابل نہیں ہوتے وہ اسے لے جاکر کسی کھلے میدان یا دریا میں ڈال دیتے ہیں۔

جہاں تک زندہ لوگوں کے بدن کے حقوق کا تعلق ہے' وہ یہ کہ سوائے اس بیوہ کے جو اپنی خوشی سے چل جانا چاہے یا ایسے شخص کے جو اپنی زندگی سے تنگ آگیا ہے اور کسی لاعلاج بیماری یا بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے زندگی سے گھبرا گیا ہے' کسی اور کو زندہ نہ جلایا جائے۔ لیکن ویش اور شودر لوگوں کے علاوہ کوئی معزز ہندو ایسا نہیں کرتا اور یہ لوگ آخرت کے کسی فائدے یا ایسے وقت پر جو مبارک اور واجب التعظیم ہیں خودسوزی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ برہمن یا چھتری کے لیے جل مرنے کو صریحی مذہبی حکم کے ذریعے ممنوع قرار دیا گیا ہے اس لیے جو لوگ کسی وجہ سے مرنا چاہتے ہیں وہ گرہن کے وقت کسی اور طریقے سے خودکشی کرتے ہیں یا پھر کسی شخص کو اجرت دے کر اس سے طے کر لیتے ہیں کہ وہ انہیں پانی میں ڈال دے اور اس وقت تک ان کو پکڑے رہے جب تک ان کا دم نہیں نکل جاتا۔

پریاگ کا درخت

گنگا اور جمنا کے سنگم پر ایک بہت بڑا درخت ہے جس کا نام پریاگ ہے۔ اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ اس کی شاخوں میں دو قسم کی ڈالیاں نکلتی ہیں۔ ایک اوپر کی طرف رخ والی جیسی سب درختوں میں ہوتی ہیں۔ دوسری وہ جن کا رخ نیچے کی طرف ہوتا ہے اور جو جڑوں کی شکل کی ہوتی ہیں اور جن پر پتے نہیں ہوتے۔ جب

ان میں کی کوئی ڈالی بڑھ کر زمین میں داخل ہو جاتی ہے تو شاخوں کے لیے سہارے کا ستون بن جاتی ہے چونکہ یہ درخت بہت پھیلا ہوا اور بڑا ہے اس لیے قدرت نے اس کے سہارے کے لیے یہ انتظام کر دیا ہے برہمن اور چھتری اس طرح خودکشی کرتے ہیں کہ اس درخت پر چڑھ کر اپنے آپ کو دریا میں گرا دیتے ہیں۔

باب 74

روزہ اور اس کی قسمیں

ہندوؤں پر برت (روزہ) دھرم کی رو سے فرض نہیں۔ وہ اپنی خوشی سے نفل کے طور پر برت رکھتے ہیں برت نام ہے کسی مدت تک کھانا چھوڑ دینے کا' برت کی نوعیت اور کھانا چھوڑ دینے کی مدت کے اعتبار سے اس کی مختلف قسمیں ہیں۔

برت رکھنے کے مختلف طریقے

اوسط درجے کا برت جس میں روزے کی تمام شرائط پوری ہو جاتی ہیں یہ ہے کہ برت رکھنے والا برت کے لیے ایک دن مقرر کر لیتا ہے اور اپنے دل میں اس ہستی کا نام سوچ لیتا ہے جس کی خوشنودی کے واسطے برت رکھنا مقصود ہے مثلاً خدا یا کوئی دیوتا۔ پھر وہ برت سے ایک دن پہلے دوپہر کے وقت کھانا کھاتا ہے اور کھانے کے بعد دانتوں کو اچھی طرح صاف کر لیتا ہے اور دوسرے دن کے برت کی نیت کرتا ہے اور اسی وقت کھانا بند کر دیتا ہے۔ پھر برت کے دن صبح کو وہ دوبارہ اپنے دانت صاف کرتا اور غسل کرتا ہے اور دن کے فرائض پورے کرتا ہے اور ہاتھ میں پانی لے کر چاروں طرف پھینکتا ہے اور جس کے لیے برت رکھا ہے زبان سے اس کا نام لیتا ہے اور دوسرے دن تک اسی طرح رہتا ہے۔ سورج نکلنے کے بعد اسے اختیار ہوتا ہے کہ وہ برت اسی وقت کھول دے یا دوپہر میں کھولے۔

اس قسم کے روزے کا نام اپواس ہے جس کے معنی بھوکا رہنے کے ہیں اور جب نہ کھانا ایک دوپہر سے دوسرے دوپہر تک ہوتا ہے تو اسے اپواس نہیں بلکہ "لاکانت"

کہتے ہیں۔

روزے کی ایک اور قسم کا نام 'کرچھرا' ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ برت رکھنے والا کسی دن دوپہر کے وقت کھانا کھاتا ہے' دوسرے دن رات کے وقت اور تیسرے دن صرف وہ کھاتا ہے جو بغیر مانگے اسے مل جائے۔ پھر چوتھے دن برت رکھتا ہے۔ روزہ کی ایک اور قسم ہے جسے 'پراک' کہتے ہیں۔ اس میں برت رکھنے والا مسلسل تین دن دوپہر کا کھانا کھاتا ہے پھر آئندہ تین دن رات کے وقت کھاتا ہے۔ پھر آئندہ تین دن مسلسل برت رکھتا ہے اور درمیان میں قطعاً" افطار نہیں کرتا۔ روزہ کی ایک قسم 'چندرابن' ہے' یہ روزہ پورے چاند کے دن رکھا جاتا ہے اس کے دوسرے دن وہ صرف ایک لقمہ کھاتا ہے۔ تیسرے دن دو لقمے چوتھے اس کا تین گنا یہاں تک کی پہلی کا چاند نکل آئے۔ اس دن وہ برت رکھتا ہے پھر دوسرے دن سے وہ اپنا کھانا ایک ایک لقمہ گھٹاتا رہتا ہے یہاں تک کہ پھر پورا چاند ہو جائے۔ اس دن وہ پھر برت رکھتا ہے۔ روزہ کی ایک قسم ماسواس (ماس ایواس) بھی ہے۔ یہ بغیر افطار کیے مسلسل ایک ماہ کا برت ہوتا ہے۔

جو شخص چیت کے تمام دنوں میں برت رکھتا ہے اسے نیک اولاد کے علاوہ دولت اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔ جو شخص ویساکھ کے برت رکھتا ہے وہ اپنے قبیلے کا سردار ہو جاتا ہے۔ جیٹھ کے برت رکھنے والا عورتوں کا محبوب بن جاتا ہے۔ اساڑھ میں برت رکھنے والا دولت مند اور ساون کے روزے رکھنے والا عقل مند ہو جاتا ہے۔ بھادرپد کے روزے رکھنے والے کو دولت' شجاعت اور مویشی حاصل ہوتے ہیں۔ اسوایوج کے برت رکھنے پر دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے۔ کارتک میں برت رکھنے والے کی ہر تمنا پوری ہوتی ہے۔ مرگا شیرتا کے مہینے میں روزہ رکھنے والوں کا جنم نہایت زرخیز اور خوب صورت علاقے میں ہوتا ہے۔ جو پوش کے برت رکھے گا اس کو زبردست شہرت حاصل ہوگی۔ ماگھ میں روزہ رکھنے والے کو بے شمار دولت ملتی ہے۔ پھاگن کے روزے رکھنے والا محبوب خلائق ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص سال بھر کے برت رکھے اور صرف بارہ بار افطار کرے وہ دس ہزار سال تک جنت میں رہے گا اور دوسرے جنم میں کسی اعلیٰ خاندان میں پیدا ہوگا۔

باب 75

روزے کے دنوں کا تعین

ہر مہینے کے نصف کا آٹھواں اور گیارھواں دن روزہ کا دن ہے

قاری کو جاننا چاہیے کہ ہر مہینے کے نصف روشن کا آٹھواں اور گیارھواں دن روزے کے دن ہیں لیکن لوند کا مہینہ اس سے مستثنیٰ ہے کیوں کہ یہ منحوس ہونے کے سبب حساب سے خارج ہے۔

گیارھواں دن خاص طور پر مقدس ہے اس لیے کہ یہ واسو دیو کا دن ہے۔ اس دن جب وہ متھرا کا بادشاہ بنا تو اس سے پہلے متھرا کے باشندے ہر مہینے میں ایک دن اندر کی پوجا کرتے تھے۔ اس نے پوجا کا دن گیارھویں تاریخ مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ آئندہ سے اندر کی جگہ اس کی پوجا کی جائے۔ اس لیے وہ لوگ اس دن برت رکھتے ہیں اور اس دن بہت پاک صاف رہتے اور رات کو جاگنا ضروری سمجھتے ہیں، اگرچہ یہ فرض نہیں ہے۔

(اس کے بعد سال کے مختلف دنوں کے روزوں کا بیان ہے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں۔)

چیتر کا چھٹا دن سورج کے نام کے روزے کا دن ہے۔

ساون کے مہینے کا پورے چاند کا دن سومنات کے نام پر روزے کا دن ہے۔

ساون کی آٹھویں تاریخ کو بھگوتی کے نام کا روزہ رکھا جاتا ہے اور چاند نکلنے کے وقت افطار کیا جاتا ہے۔

بھادوں کا پانچواں دن سورج کے روزے کا دن ہے۔ اسے شت کہتے ہیں۔

جب کارتک کے مہینے میں چاند اپنی آخری منزل ریوتی میں ہوتا ہے تو اس دن واسو دیو کے نیند سے جاگنے کا برت رکھا جاتا ہے اسے 'دیوٹھنی' کہتے ہیں۔ یعنی دیوتا کا اٹھنا۔ بعض لوگوں کے نزدیک 'دیوٹھنی' کا برت نصف اول (یعنی روشن) کی گیارہویں تاریخ کو رکھنا چاہیے۔

پھر پوش کا چھٹا دن سورج کے روزے کا دن ہے۔

ماگھ کی تیسری تاریخ عورتوں کے روزے کا دن ہے۔ یہ برت مردوں کے لیے نہیں ہے اسے گوری ترتیہ کہتے ہیں۔ یہ روزہ تمام دن اور تمام رات کا ہوتا ہے۔ روزہ دار عورتیں دوسرے دن صبح' روزہ کھول کر اپنے شوہر کے رشتے داروں کو تحفے تحائف دیتی ہیں۔

باب 76

تہوار اور جشن کے دن

یاترا مبارک حالات میں سفر پر جانے کو کہتے ہیں۔ اسی لیے خوشی کے دنوں کو ان کے یہاں 'یاترا' کہتے ہیں۔ ان کے اکثر تہوار عورتوں اور بچوں کے ہیں۔

چیت کی دوسری تاریخ

چیت کی دوسری تاریخ کو کشمیریوں کا 'اگ دس' نامی تہوار ہوتا ہے۔ اس دن ان کے راجا منتائی نے ترکوں پر فتح پائی تھی۔ ان کے نزدیک یہ راجا ساری دنیا پر راج کرتا تھا۔ لیکن یہ کوئی خاص بات نہیں۔ وہ اپنے تمام راجاؤں کے بارے میں یہی کہتے ہیں لیکن بے خیالی میں وہ اس راجا کا زمانہ ہم لوگوں سے قریب بیان کرتے ہیں جس سے ان کا جھوٹ کھل گیا ہے حالانکہ کسی ہندو راجا کا ایک بڑی سلطنت پر راج کرنا کوئی ناممکن بات نہیں جیساکہ یونانی' رومی' بابلی اور ایرانی بادشاہ کرتے تھے لیکن اکثر واقعات جو ہمارے زمانے کے قریب واقع ہوئے ہیں ان سے لوگ اچھی طرح واقع ہیں (اس لیے اگر یہ راجا ساری دنیا کا بادشاہ ہوتا تو ہم اس سے واقف ہوتے) وہ راجا سارے ہندوستان کا راجا رہا ہوگا کیوں کہ یہ لوگ ہندوستان اور ہندوستانیوں کے علاوہ کسی دوسرے ملک یا قوم کو جانتے ہی نہیں۔

چیت کی گیارہویں تاریخ

اس مہینے کی گیارہویں تاریخ کو 'ہندولی چیت' تہوار منایا جاتا ہے۔ اس دن یہ لوگ واسودیو کے مندر 'دیوگرہ' میں جمع ہوکر اس کے بت کو جھولا جھلاتے ہیں۔ جس طرح

بچپن میں اسے جھلایا جاتا تھا۔ اسی طرح اپنے گھروں میں بھی جھلاتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔

چیت کے پورے چاند کا دن

چیت کے پورے چاند کے دن بہند (وسنت۵) منایا جاتا ہے۔ یہ عورتوں کا تہوار ہے۔ اس دن وہ خوب بناؤ سنگار کرتی اور اپنے شوہر سے تحفے طلب کرتی ہیں۔

بائیسویں چیت

چیت کی بائیسویں کو 'چیت چشت' کہتے ہیں۔ یہ بھگوتی کے نام کا تہوار ہے اس دن غسل کیا جاتا اور صدقہ دیا جاتا ہے۔

تیسری بیساکھ

بیساکھ کی تیسری تاریخ عورتوں کے تہوار 'گوری ترتیہ' کا دن ہے۔ یہ گوری کے نام پر منایا جاتا ہے۔ گوری مہا دیو کی بیوی اور ہمالیہ کی بیٹی ہے۔ عورتیں اس دن نہا دھو کر رنگ برنگے کپڑے پہنتی ہیں اور گوری کی پوجا کرتی ہیں اور گوری کے بت کے سامنے دیے (چراغ) جلاتی ہیں۔ عورتیں اس دن کھانا نہیں کھاتیں' دن بھر جھولا جھولتی ہیں اور دوسرے صبح کو دان کرتی اور کھانا کھاتی ہیں۔

بیساکھ کی گیارہویں تاریخ کو وہ تمام برہمن جنہیں راجا بلاتے ہیں کھلے میدانوں میں جاکر پانچ دن تک یعنی چاند پورا ہونے تک' بڑی بڑی آگ جلاتے ہیں۔ یہ آگ سولہ جگہ چار چار ڈھیروں میں جلائی جاتی ہے۔ ہر آگ کے ڈھیر پر ایک ایک برہمن قربانی کرتا ہے۔ اس طرح ان قربانی کرنے والے برہمنوں کی تعداد ویدوں کی تعداد کے برابر یعنی چار ہوتی ہے۔ سولہویں دن وہ سب گھر واپس آجاتے ہیں۔

ربیعی استوا

اس مہینے میں ربیعی استوا واقع ہوتا ہے جس کا نام بسنت ہے۔ یہ دن حساب لگا

کر متعین کیا جاتا ہے۔ اس دن لوگ خوشی مناتے اور برہمنوں کو کھلاتے ہیں۔

پہلی جیٹھ

پہلی جیٹھ (یعنی نئے چاند کا دن) کو خوشیاں مناتے اور برکت کے لیے ہر قسم کا اناج پانی میں ڈالتے ہیں۔

اسی مہینے میں پورے چاند کے دن عورتوں کا تہوار 'روپ پنچا' ہوتا ہے۔

اساڑھ کا پورا مہینہ دان خیرات کا ہے اس کا نام 'آہار' بھی ہے۔ اس مہینے میں گھر کے لیے نئے برتن خریدے جاتے ہیں۔

ساون کے پورے چاند کے دن برہمنوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔

اسوایج کی آٹھویں کو جب چاند اپنی انیسویں منزل 'مول' میں ہوتا ہے 'گنا چوسنے کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ مہانومی' مہادیو کی بہن کے نام کے تہوار کا دن ہے۔ اس دن گنے اور دوسری فصلوں کی پیداوار کو مہانومی کے بت پر جس کو بھگوتی کہتے چڑھاتے ہیں اور اس پر بکریوں کی قربانی اور دوسری نذریں پیش کرتے ہیں جس کے پاس چڑھاوے یا قربانی کرنے کے لیے کچھ نہیں ہوتا وہ بت کے پاس کھڑا رہتا ہے اور بیٹھتا نہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس کو دیکھتا ہے اس پر حملہ کرکے قتل کر دیتا ہے۔

بھادوں کا نیا چاند

بھادوں کے مہینے میں جب چاند دسویں منزل (مگھ) میں ہوتا ہے تو 'پتری پکش' تہوار منایا جاتا ہے۔ پتری پکش کے معنی ہیں بزرگوں کا آدھا مہینہ۔ کیوں کہ چاند اس منزل میں تقریباً نئے چاند کے وقت داخل ہوتا ہے۔ ان پندرہ دنوں میں وہ بزرگوں کے نام پر دان دیتے ہیں۔

بھادوں کی تیسری تاریخ کو 'ہرلی' (۵) تہوار منایا جاتا ہے۔ یہ عورتوں کا تہوار ہوتا ہے۔ اس میں وہ پھولوں اور خوشبوؤں کو ایک دوسرے پر اچھالتی ہیں اور ساری رات کھیلتی رہتی ہیں اور دوسرے دن صبح تالاب میں نہا کر دان خیرات کرتی ہیں۔

بھادوں کی چھٹی تاریخ

بھادوں کے چھٹے دن کو 'گے ہت' کہتے ہیں اس دن قیدیوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ بھادوں کے آٹھویں جب چاند آدھا ہوتا ہے تو 'دھروگرہ' نام کا تہوار مناتے ہیں۔ اس دن غسل کرکے اگایا ہوا غلہ استعمال کرتے ہیں تاکہ ان کی اولاد تندرست رہے۔ اس دن حاملہ عورتیں خوش ہوکر لڑکا پیدا ہونے کی دعا کرتی ہیں۔ جب چاند چوتھی منزل روہنی میں ہوتا ہے' اس وقت کا نام 'گنا نیبد' ہے۔ اس موقع پر تین دن خوشی منائی جاتی ہے لوگ واسو دیو کی پیدائش کی خوشی میں کھیل تماشے کرتے اور جشن مناتے ہیں۔

پہلی کارتک

کارتک کے پہلے دن' جب سورج برج میزان میں داخل ہوتا ہے' کا نام دیبالی ہے۔ اس دن لوگ غسل کرکے اچھے اچھے کپڑے پہنتے ہیں اور ایک دوسرے کو پان اور سپاری کا تحفہ دیتے ہیں اور مندروں میں جاکر صدقہ کرتے ہیں اور دوپہر تک کھیل تماشے کرتے ہیں۔ رات میں اتنی کثرت سے دیپ جلاتے ہیں کہ تمام فضا منور ہو جاتی ہے۔ اس جشن کی تقریب یہ ہے کہ ہر سال اس دن واسو دیو کی بیوی 'لکشمی' وروچن کے بیٹے بل کو جو ساتویں زمین میں قید ہے آزاد کرکے دنیا میں لاتی ہے اس لیے اس تہوار کا نام بل راجیہ بھی ہے یعنی بل کے راج (حکومت) کا دن۔

اسی مہینے میں جب چاند پورا ہو جاتا ہے تو لوگ دعوتیں دیتے ہیں اور نصف تاریک دنوں میں عورتوں کا خوب بناؤ سنگار کرتے ہیں۔

پندرہویں ماگھ

ماگھ کے پورے چاند کا دن بھی عورتوں کا تہوار ہے۔ پوس کے مہینے کے اکثر دنوں میں عورتیں 'پہاول' (۵) بڑی مقدار میں پکاتی ہیں۔ یہ ایک میٹھا پکوان ہے جسے لوگ شوق سے کھاتے ہیں۔

آٹھویں پوس

پوس کے نصف روشن کی آٹھویں تاریخ کا نام 'اشٹک' ہے اس دن برہمنوں کو سرمتق (پالک) سے بنا ہوا کھانا کھلاتے اور ان کی خوب خاطر کرتے ہیں۔

پوس کے نصف تاریک دنوں کے آٹھویں دن کو 'سکارتم' کہتے ہیں۔ اس دن لوگ شلجم کھاتے ہیں۔

تیسری ماگھ

ماگھ کی تیسری تاریخ کو مہاترج (ماگھ ترتیہ) کہتے ہیں۔ یہ بھی گوری کے نام پر عورتوں کا تہوار ہے۔ وہ کسی معزز شخص کے گھر پر گوری کے بت کے سامنے جمع ہوتی اور قیمتی کپڑے، عمدہ عطر، اور نفیس کھانے اس کے سامنے رکھتی ہیں۔ ان کے ایسے ہر موقع پر پانی سے بھرے ایک سو آٹھ برتن رکھے جاتے ہیں۔ جب ان کا پانی ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو رات کے ہر چوتھے حصے میں اس سے چار بار نہاتی ہیں۔ صبح کو دعوت دیتی، دعوتیں کرتی اور مہمانوں کی خاطر تواضع کرتی ہیں۔ عورتیں اس مہینے میں عام طور پر ٹھنڈے پانی سے نہاتی ہیں۔

اس مہینے کے پورے چاند کا دن بھی عورتوں کا تہوار ہے جسے 'اودس' اور ڈھولا بھی کہتے ہیں اس میں چاہہ تہوار کی نسبت نیچی جگہ پر آگ جلائی جاتی اور گاؤں سے باہر ڈالی جاتی ہے۔ اس مہینے کی سولہویں شب 'شوراتری' میں ساری رات مہادیو کی پوجا ہوتی ہے۔ ہندو ساری رات جاگ کر مہادیو کی پوجا کرتے اور اس کے بت پر پھول اور عطر چڑھاتے ہیں۔ اس ماہ کی 23 ویں تاریخ یعنی پیوتن کے دن چاولوں میں گھی اور شکر ملا کر کھلایا جاتا ہے۔

ملتان کا ایک تہوار

ملتان کے ہندو ایک خاص تہوار مناتے ہیں جس کا نام 'سانبا پورا یاتر' ہے۔ یہ تہوار سورج سے منسوب ہے اور اس دن اس کی پوجا کی جاتی ہے۔

باب 77

متبرک ایام، مبارک اور منحوس ساعتیں اور ثواب حاصل کرنے کے اوقات

تمام دنوں کی کچھ نہ کچھ خصوصیات مقرر کی گئی ہیں اور انہیں خصوصیات کی نوعیت اور کمی بیشی کے لحاظ سے ہر دن کے تقدس اور احترام کا درجہ مقرر ہے۔ مثلاً اتوار کا دن کہ اس کی عظمت سورج کے ساتھ نسبت اور ہفتہ کا پہلا دن مقرر ہونے کی وجہ سے ہے اور اس کی ایسی ہی عظمت کی جاتی ہے جیسی اسلام میں جمعہ کی۔

نئے چاند اور پورے چاند کے دن

جن دنوں کی خاص عظمت کی جاتی ہے ان میں اماوس اور پرنیما بھی ہیں یعنی نئے چاند اور پورے چاند کے دن۔ ان دنوں کی عظمت اس لیے ہے کہ ان میں سے ایک دن چاند کی روشنی سب سے کم اور ایک دن سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ ہندوؤں کا اس روشنی کے گھٹنے اور بڑھنے کے متعلق جو اعتقاد ہے اس کے مطابق برہمن ثواب کے واسطے آگ کی قربانی مسلسل کرتے رہتے ہیں اور کھانے کی وہ چیزیں جو چاند نکلنے سے چاند پورا ہونے تک آگ میں ڈالی جاتی ہیں ان میں سے فرشتوں کا حصہ الگ نکالتے رہتے ہیں اور اس حصہ کو چاند پورا ہونے کے بعد سے نئے چاند کی رویت تک خیرات کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ نئے چاند کی رویت کے وقت اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ چاند کی رویت اور چاند کا پورا ہونا بزرگوں کے

یوم کی دوپہر اور آدھی رات کے وقت ہیں۔ اس لیے ان دونوں وقتوں میں ہمیشہ بزرگوں کے نام پر دان کیا جاتا ہے۔

چار یگوں کے آغاز کے چار دن

چار دن ایسے ہیں جن کی عظمت اس لیے کی جاتی ہے کہ ہندوؤں کے خیال میں موجودہ چتریگ کے چاروں یگوں کی ابتدا ان ہی دنوں سے ہوئی۔ یہ دن مندرجہ ذیل ہیں:

1- بیساکھ کا تیسرا دن جسے کشیر کہتے ہیں۔ اس دن کرت یگ کی ابتدا ہوئی۔

2- کارتک کا نواں دن۔ اس دن سے تریتا یگ کی ابتدا ہوئی۔

3- پندرہ ماگھ۔ اس دن دواپر یگ شروع ہوا۔

4- [illegible] کا تیرھواں دن۔ اس دن کل یگ کا آغاز ہوا۔

میرے خیال میں یہ چاروں دن چار تہوار ہیں اور ہر تہوار ایک ایک یگ سے منسوب ہے اور ان کو دان دینے یا بعض رسوم کے ادا کرنے کے لیے اسی طرح مقرر کرلیا گیا ہے جس طرح عیسائیوں نے سال میں بعض دن اپنے اولیاؤں کی یادگار کے لیے مقرر کر لیے ہیں۔ بہرحال ہم یہاں اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ یگوں کی ابتدا ان دنوں میں ہوئی۔

(اس کے بعد البیرونی نے ان کے دنوں کے تعین کے لیے ہندوؤں کے حساب کرنے کے طریقے پر تنقید کی ہے۔ اس کے خیال میں ان دنوں کا تعین محض تاویل کی بنیاد پر کیا گیا ہے اس میں اصلیت کچھ بھی نہیں ہے۔)

پینہ کال

جو اوقات ثواب حاصل کرنے کے لیے زیادہ سازگار ہیں انہیں پینہ کال (پن کال) کہتے ہیں۔ ہم نے جن تہواروں کا ذکر گزشتہ باب میں کیا ہے وہ ایسے ہی دن ہیں اور ان میں دان کیا جاتا اور ضیافتیں دی جاتی ہیں۔ اگر ان کے ساتھ ثواب کی امید وابستہ نہ ہوتی تو ان میں خوشی منانا اچھا نہ سمجھا گیا ہوتا۔

سنکرانت

وہ پنکل مبارک ہیں جن میں ستارے خصوصاً سورج' ایک برج سے دوسرے برج میں منتقل ہوتے ہیں۔ ان اوقات کو سنکرانت کہتے ہیں۔ ان میں سب سے اچھے دن وہ ہیں جب دن اور رات برابر ہوتے ہیں۔ دونوں انقلاب کے اوقات بھی ایسے ہی ہیں لیکن سب سے افضل استواء ربیعی کا وقت ہے۔ اس کو بکھو اور شبو کہتے ہیں۔ کیوں کہ 'کھ' اور 'ش' کا تلفظ یہ لوگ اس طرح کرتے ہیں کہ ایک پر دوسرے کا گمان ہوتا ہے۔ یہ ایک دوسرے بدل جاتے اور آگے پیچھے ہو جاتے ہیں۔

سیارے کو نئے برج میں داخل ہونے میں صرف ایک لمحہ لگتا ہے اور یہ اوقات بہت جلدی یعنی لمحے بھر میں گزر جاتے ہیں چوں کہ ان میں تیل اور اناج کے ساتھ آگ کی قربانی دینا ہوتی ہے (اس قربانی کا نام سانت ہے) اس لیے ان لوگوں نے ان اوقات کو وسیع کرلیا ہے اور ان کی ابتدا' وسط اور انتہا اس طرح مقرر کی ہے کہ جب سورج کے جسم کا مشرقی کنارا برج کے کنارے کو چھوتا ہے تو اس وقت کی ابتدا ہوتی ہے اور جب یہ کنارا برج کے وسط میں پہنچتا ہے تو یہ اس وقت کا بھی وسط ہے اور نجوم کے حساب سے یہی انتقال کا وقت ہے۔ پھر جب سورج کا مغربی کنارا برج کو چھوتا ہے تو یہ وقت ختم ہو جاتا ہے۔ سورج کو اس پورے عمل سے گزرنے میں تقریباً دو گھنٹے لگتے ہیں۔

(اس کے بعد سنکرانت کا وقت معلوم کرنے کے دو طریقے بیان کیے ہیں۔)

گرہن کے اوقات

سورج گرہن اور چاند گرہن کے اوقات بھی ثواب حاصل کرنے کے لیے بہترین وقت ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق ان اوقات میں تمام روئے زمین کا پانی گنگا کے پانی کی طرح پاک ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ ان اوقات کی اس درجہ تعظیم کرتے ہیں کہ بہت سے لوگ ان اوقات کو موت کا بہترین وقت مان کر ان اوقات میں خودکشی کر لیتے ہیں لیکن صرف ویش اور شودر ہی ایسا کرسکتے ہیں۔ برہمن اور چھتری کے لیے خودکشی

کرنا منع ہے اس لیے وہ اس کا ارتکاب نہیں کرتے۔

پرو اور یوگ

پرو کے اوقات، یعنی وہ اوقات جن میں گرہن پڑنا ممکن ہے، مبارک اوقات ہیں اور اگرچہ ان میں گرہن نہ پڑا ہو، پھر بھی ان کی فضیلت گرہن کے اوقات ہی کے برابر ہے۔

یوگ کے اوقات بھی گرہن کے اوقات کی طرح مبارک ہوتے ہیں۔ ان کا بیان ہم نے ایک خاص علیحدہ باب میں کیا ہے۔

زلزلوں کے اوقات

ایسے اوقات جنہیں منحوس تصور کیا جاتا ہے اور جن میں کوئی ثواب نہیں ملتا، زلزلوں کے اوقات ہیں۔ ہندو اس وقت ایک شگون کے طور پر اپنے گھڑوں اور مٹکیوں کو زمین پر مار کر توڑتے ہیں تاکہ یہ آفت ٹل جائے۔ اس طرح کے دوسرے منحوس اوقات کی تفصیل کتاب سمت میں درج ہے۔

یہ اوقات ہیں جن میں زمین دھنسنے، ستارہ ٹوٹنے، آسمان پر سرخی نمودار ہونے، فطرت اور عادت کے خلاف واقعات کا ظہور، بجلی گرنے سے زمین جلنے، دم دار ستاروں کا ظہور، درندوں اور جنگلی جانوروں کا بستیوں میں گھس آنا، بے موسم کی بارش یا ایک موسم کے کوائف کا دوسرے موسم میں ظاہر ہونے وغیرہ کے واقعات و حوادث کا ظہور ہوتا ہے۔

باب 78

کرن

کرن کی تشریح

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ قمری ایام، جنہیں تتھی کہتے ہیں، ایام طلوعی سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ قمری مہینے میں تیس دن اور ساڑھے انتیس سے کچھ زیادہ طلوعی دن ہوتے ہیں۔

ہندوؤں کے یہاں یوم کو تتھی کہتے ہیں۔ پھر اس تتھی کے بھی دو حصے ہیں یعنی تتھی کے نصف اول کو دن اور نصف آخر کو رات کہتے ہیں اور پھر ہر دن اور ہر رات کا الگ الگ نام ہے اور ان سب کو ملا کر 'کرن' کہتے ہیں۔

(اس کے بعد کرن کو دریافت کرنے کا قاعدہ بیان کیا ہے۔)

بھت کی تشریح

'بھت' ہندی زبان کا لفظ ہے اور اس کا صحیح تلفظ بھکتی ہے جس کے معنی کسی ستارے کی یومیہ حرکت ہے۔ اگر اس سے مراد 'سیر مقوم' ہوتی ہے تو اسے 'بھکتی اسپھوٹ' کہتے ہیں اور اگر سیر وسطی ہے تو اسے بھکتی مدھیم اور دونوں بھکیتوں کے فرق کو بھکتی انتر کہتے ہیں۔

قمری نصف ماہ کے قمری دنوں کے نام

قمری مہینے کے دنوں میں سے ہر ایک کا ایک خاص نام ہے جنہیں مندرجہ ذیل جدول میں درج کردیا گیا ہے۔ آپ جس قمری دن میں ہوں، اس کا عدد جدول میں

تلاش کیجئے۔ عدد کے سامنے اس کا نام اور نام کے مقابل کرن کا نام درج ہے۔ اگر مذکورہ دن کا گزرا ہوا حصہ نصف سے کم ہوتا ہے تو کرن دن کا ہوگا اور اگر نصف سے زیادہ حصہ گزر چکا ہے تو رات کا۔

(اس کے بعد نقشہ درج ہے)

کرن کے ناموں، ان کے حاکموں اور ان سے متعلق کاموں کا نقشہ

جیسا کہ ان کا دستور ہے، ہندوؤں نے چند کرنوں کے حاکم بھی مقرر کر دیے ہیں اور جس طرح ستاروں کے لیے خاص خاص کام مقرر ہیں اسی طرح ہر کرن کے لیے بھی وہ کام مقرر کر دیتے ہیں جن کو ان کرنوں میں انجام دینا ضروری ہے۔ اگر ہم ایک اور جدول میں ان تمام باتوں کو جو ابھی بتائی ہیں درج کر دیں تو یہ نامانوس مضمون اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گا۔

(اس کے بعد چار مقیم اور سات سیار کرنوں کے کاموں کی جدول درج ہے۔ اس کے بعد البیرونی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ الکندی اور بعض دوسرے عرب مصنفین نے کرنوں کے ہندی نظام کو بیان کیا اور اس سے کام لیا ہے لیکن وہ اس کو پوری طرح سمجھتے نہیں تھے۔ انہوں نے اس میں ترمیم و تنسیخ کر کے اس کی اصلی شکل کو بدل دیا ہے اور اگرچہ تبدیل شدہ صورت اصل سے بہتر ہے لیکن ان دونوں کو الگ الگ بیان کرنا چاہیے۔

باب 79

یوگ

یہ وہ اوقات ہیں جنہیں ہندو نہایت منحوس خیال کرتے ہیں اور ان میں کوئی کام نہیں کرتے۔ ایسے اوقات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہم ان کو یہاں بیان کرتے ہیں۔

ویاتیپت کی تشریح

دو یوگوں پر تمام ہندوؤں کا اتفاق ہے۔

(1) وہ وقت جب سورج اور چاند ایسے دو مدار پر ہوں جو ایک دوسرے کو تھامے نظر آتے ہوں اور خط استوا سے ان کا فاصلہ ایک سمت میں برابر ہو اس یوگ کو ویاتیپت کہتے ہیں۔

(2) وہ وقت جب سورج اور چاند دو مساوی مدار پر کھڑے ہوں اور جس کا فاصلہ خط استوا سے مختلف سمتوں میں برابر ہو اس وقت کو ویدھرت کہتے ہیں۔

(اس کے بعد ویاتیپت اور ویدھرت معلوم کرنے کے مختلف طریقے بیان کیے ہیں۔ یہ طریقے کتاب کرن تلک اور پلس سے ماخوذ ہیں۔

البیرونی نے اس موضوع پر اپنی دو تصانیف کا بھی ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کا نام 'عربی کھانڈ کھڈایک' ہے۔ البیرونی نے یہ کتاب سیاوبل کشمیری کے لیے تصنیف کی تھی۔ یوگوں کے عام اور خواص کا ایک نقشہ بھی درج کیا ہے۔)

باب 80

ہندوؤں کے علم نجوم کے بنیادی اصول اور نجومی حساب کے طریقے

ستاروں کا حساب لگا کر مستقبل کے بارے میں حکم لگانے کے ہندوؤں کے طریقوں سے ہمارے ہم مذہب (مسلمان) واقف نہیں ہیں اور نہ انہیں اس موضوع پر کوئی ہندوستانی کتاب پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس وجہ سے وہ سمجھتے ہیں کہ ہندو کا علم نجوم ان کے علم نجوم جیسا ہے اور ہندوؤں کے نجوم کے بارے میں ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو ہمیں ہندوؤں کے یہاں کہیں بھی نظر نہیں آئیں۔ جس طرح ہم نے اس کتاب کے گزشتہ اجزا میں ہر مضمون کو تھوڑا تھوڑا بیان کیا ہے اسی طرح اس مضمون میں صرف انہیں باتوں کو بیان کریں گے جس سے اس موضوع سے ضروری واقفیت ہو جائے اور ان مسائل پر ہندوؤں سے گفتگو کرنے میں آسانی ہو۔ اگر اس موضوع پر پوری تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جائے تو کلام بہت طویل ہو جائے گا چاہیے ہم صرف اصولوں کو ہی بیان کریں' اس کی فروعات میں نہ جائیں۔ اس لیے میں ہندوؤں کے علم نجوم کے بنیادی اصولوں کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔

سب سے پہلے قاری کو یہ جاننا چاہیے کہ یہ لوگ اکثر اپنی پیشین گوئیوں میں ایسی چیزوں سے شگون لیتے ہیں جیسے چڑیوں کے اڑنے اور قیافہ وغیرہ اور دنیا کے حالات پر ستاروں کے اثرات کو ذہن میں رکھ کر کوئی نتیجہ نہیں نکالتے حالانکہ ایسا ہی کرنا چاہیے۔ سیاروں کی تعداد سات ہونے کے بارے میں ہمارے اور ہندوؤں کے درمیان

کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہندو' سیاروں کو گرہ کہتے ہیں ان میں سے بعض دائمی طور پر مبارک ہیں مثلاً مشتری' زہرہ اور چاند۔ ان مبارک سیاروں کو سوم گرہ کہا جاتا ہے۔ بعض سیارے دائمی طور پر منحوس تصور کیے جاتے ہیں۔ مثلاً زحل' مریخ اور سورج۔ ان کو کروڑ گرہ کہتے ہیں۔ وہ راس کو بھی منحوس سیاروں میں شمار کرتے ہیں حالانکہ وہ سیارہ نہیں ہے۔ ایک سیارہ ایسا ہے جس کی حالت بدلتی رہتی ہے اور وہ جس دوسرے ستارے کے ساتھ ہوتا ہے اسی کی طرح ہو جاتا ہے یعنی اگر مبارک ستارے کے ساتھ ہو تو مبارک ہو جائے گا اور اگر منحوس ستارے کے ساتھ ہو تو منحوس کہلائے گا۔ اس کا نام عطارد ہے۔ جب یہ اکیلا ہوتا ہے اس وقت مبارک سمجھا جاتا ہے۔

(اس کے بعد سیاروں کے نام' ان سے انسان کے کردار اور جنس کے بارے میں کیا معلوم ہو سکتا ہے' اور یہ کن عناصر اور کن موسموں پر دلالت کرتے ہیں وغیرہ کا نقشہ پیش کیا ہے۔ نقشہ کے بارے میں چند صراحتیں درج ہیں اور ہر برج کے خواص بھی بیان کیے ہیں۔)

نجوم کی چند اصطلاحوں کی تشریح

ستارے کی بلندی یا اوج کو ہندوستانی زبان میں اپاسہ کہتے ہیں اور اسکے بلند درجے کو "پرموچ سہ" کہتے ہیں۔ ستارے کے سب سے نچلے مقام کو "نچ سہ" اور اس کے انتہائی درجے کو "پرم نچ سہ" کہتے ہیں۔ 'مولاترکون' ستارے کا طاقت ور اثر ہوتا ہے جو اس میں اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ محل نثریح میں اپنے دو گھروں میں سے ایک میں ہوتا ہے۔

وہ تین تین گھروں کے مجموعے ترگنی کو عناصر طبعی کی طرف منسوب نہیں کرتے جس طرح ہمارے یہاں ہوتا ہے۔ بلکہ جیساکہ جدول میں درج ہے۔ ان کو سمتوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ لوگ برج منقلب کو چرراس یعنی برج متحرک اور برج ثابت کو ستھرراس یعنی ساکن اور دو جسم والے کو دو سوبھاؤ یعنی بیک وقت دو بدن کہتے ہیں۔

گھر (بیوت)

جس طرح ہم نے بروج کا جدول بنایا ہے اسی طرح گھروں یعنی بیوت (بیت کی جمع) کا جدول بھی پیش کررہے ہیں جس میں ہر گھر کے خواص درج ہیں۔ ان بیوت کے نصف جو زمین کے اوپر ہیں انھیں ہندو چتر یعنی چھتری کہتے ہیں اور باقی نصف جو زمین کے نیچے ہیں تلویاکشتی کہلاتے ہیں۔

پھر اس نصف کو جو آسمان کی طرف بلند ہے یا زمین کے اندر تک اترا ہوا ہے 'دھنو' (کمان) کہتے ہیں۔ ان کے اوتار کو کیندر اور جوان کے بعد ہیں ان کو 'پناپھر' اور جو ہٹے ہوئے ہیں ان کو 'اپاکلم' کہتے ہیں۔

(بیوت کی جدول بھی دی گئی ہے)

اب تک جو کچھ بیان ہوا ان پر ہندوؤں کے نجومی احکام کی بنیاد ہے سیارے' بروج اور بیوت۔ اور جو شخص یہ جانتا ہے کہ ان میں سے ہر چیز کس بات پر دلالت کرتی ہے وہ اس فن کا ماہر اور امام کہلانے کا مستحق ہے۔

(اس کے بعد البیرونی نے بروج کی تقسیم اجزا میں' ستاروں کی دوستی اور دشمنی' ہر ستارے کی چار قوتوں اور ستاروں کا تعلق انسانوں کی عمر سے اور ستاروں کے سالوں وغیرہ کے متعلق ہندوؤں کے خیالات پیش کیے ہیں)

ہندو نجومیوں کا طریق استخراج

گزشتہ صفحات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے قاری کو یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہندو انسانی عمر کا حساب کس طرح لگاتے ہیں۔ اس کا حساب پیدائش کے ستارے کے مقام کی بنیاد پر لگایا جاتا ہے اور عمر کے ہر حصے میں مختلف سیاروں کے سال اس پر جس طرح پھیلے ہوتے ہیں ان میں بعض موالید جمع کرتے ہیں جن کا دوسری قوموں میں کوئی لحاظ نہیں ہے۔

میں نے یہ تفصیل اس لیے لکھی ہے تاکہ قاری کو ہمارے اور ہندوؤں کے طریقوں کا فرق معلوم ہو جائے۔

فضا اور زمین پر جو حالات رونما ہوتے ہیں ان کے متعلق ہندوؤں کے نظریات اور طریقے بڑے پیچیدہ اور طول طویل ہیں جس طرح ہم نے زائچے کی بحث کو صرف عمر کے بیان تک محدود رکھا اسی طرح آگے آنے والی بحث میں ہم دمدار ستاروں کے بارے میں بعض ان ہندو علماء کے اقوال نقل کرنے پر، جنہیں اس فن کے امام سمجھا جاتا ہے، اکتفا کریں گے۔

دم دار ستارے

جو زہر کے راس یعنی سر کا نام 'راہو' ہے اور اس کی دم 'کیتو' کہلاتی ہے۔ ہندو دم کا ذکر شاذونادر ہی کرتے ہیں وہ فقط راس کا استعمال کرتے ہیں اور فضا میں ظاہر ہونے والے تمام دمدار ستاروں کو عام طور پر 'کیتو' ہی کہا جاتا ہے۔

(اس کے بعد دم دار ستاروں کی مختلف اقسام، ور ان کے اثرات کے بارے میں وره میر کی سمہت سے اقتباس پیش کیا ہے۔ پھر ایک جدول میں دمدار ستاروں کے نام، ہر ایک کے ستاروں کی تعداد، اور ان کے خواص و اثرات کا نقشہ درج کیا ہے۔

البیرونی نے ایک محقق کی دیانت سے کام لیتے ہوئے یہ بتا دیا ہے کہ اصل کتاب یا اس کی جس نقل سے اس نے جدول مرتب کی تھی، وہ بعض جگہ سے ناقص یا خراب تھی، اس وجہ سے اسے جدول کے بعض خانے خالی چھوڑنا پڑے۔)

وره میر کی سمہت سے مزید اقتباسات

وره میر نے دمدار ستاروں کو تین قسموں میں بانٹا تھا۔ بلند، جو ستاروں کے قریب ہیں، رواں، جو زمین کے نزدیک ہیں اور متوسط جو ہوا میں ہیں، اور اس نے بلند اور متوسط کو، جو ہمارے جدول میں ہیں۔ علیحدہ بھی بیان کیا ہے۔

(ان تین قسموں کے دم دار ستاروں اور ان کے خواص کے بارے میں مذکورہ جدول کی طرح کی ایک اور جدول بنا کر پیش کی ہے۔)

الغرض دم دار تاروں اور ان کے راستوں کے متعلق ہندوؤں کا طریقہ یہی تھا جو بیان ہوا۔

ہندوؤں میں ایسے لوگ کم ہیں جنھوں نے دم دار ستاروں اور دوسری فلکی آثار کا مطالعہ اتنی وقت نظر سے کیا ہو جس طرح یونانی ماہرین طبیعات کرتے تھے ہندو ان مسائل میں بھی اپنے علمائے مذہب کے اقوال کو نہیں ترک کرتے۔ مثلاً آسمانی حادثات کے بارے میں کہتے ہیں کہ گرج (بجلی کا کڑکا) ایراوت کی چنگھاڑ ہے جو اندر کی سواری کا ہاتھی ہے اور جب وہ مانس تالاب کا پانی پیتا ہے تو مست ہوکر نہایت خوفناک آواز میں چنگھاڑتا ہے۔ اسی طرح دھنک (قوس قزح) ان کے نزدیک اندر کی کمان ہے، جس طرح ہمارے عوام اسے رستم کی کمان کہتے ہیں۔

خاتمہ کلام

ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس کتاب میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس شخص کے لیے کافی ہے جو ہندوؤں سے گفتگو کرنا اور انہیں کے اقوال و نظریات کی بنا پر ان سے ان کے مذہبی، علمی اور ادبی مسائل پر بحث کرنا چاہے۔ اس لیے اس کتاب کو، جو اپنے طول و عرض میں اتنی بڑھ گئی ہے کہ پڑھنے والا اس کو پڑھتے پڑھتے اکتا جائے گا، ختم کرتے ہیں۔ ہم اللہ سے ان باتوں کو نقل کرنے کی جو حق نہیں ہیں معافی چاہتے ہیں۔ ہم اس سے اس چیز پر مضبوطی سے قائم رہنے کی جس سے وہ خوش ہے توفیق مانگتے ہیں۔ ہم اللہ سے حق و باطل اور رطب و یابس بس میں تمیز کرنے والی فہم و طبع کے طالب ہیں۔ تمام بھلائی اسی کی طرف سے ہے اور وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ تمام تعریفیں صرف اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور درود و سلام ہو اس کے رسول محمدؐ اور ان کی کل اولاد پر۔

منتخب حوالے

1- ایڈورڈ سی سخاو۔ کرانولوجی آف اشیسٹ نیشنز۔ لندن 1879ء پیش لفظ L-XI

2- البرونیز انڈیا۔ لندن 1888ء (اشاعت جدید۔ دہلی) پیش لفظ L-XI V، دونوں جگہ سخاو نے، جس نے البیرونی کو انگریزی دان طبقے میں متعارف کیا، البیرونی کی زندگی اور اس کی اس تصنیف کی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

3- البیرونی (یادگار جلد) ایران سوسائٹی کلکتہ 1952

4- انڈوایرانیکا جلد V شمارہ 4، (1952) البیرونی ہزار سالہ تقریبات، ان دونوں جلدوں میں البیرونی کی حیات و تصانیف سے متعلق اہم مواد موود ہے جس کا علیحدہ حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔

5- خلیق احمد نظامی (مرتب) "پالٹکس اینڈ سوسائٹی ڈیورنگ دی ارلی میڈیول پیریڈ" (مجموعہ تصانیف پروفیسر ایم حبیب) "ابوریحان البیرونی آن دی نیشنل کیریکٹر آف دی ہندوز ص 28-32 ایضاً ہندو سوسائٹی ان دی ارلی مڈل ایجز ص 137-57 ایضاً انڈین کلچر اینڈ سوسائٹی ایٹ دی ٹائم آف ٹرکش انویژن ص 152-228-

پروفیسر حبیب نے یہ مضامین 1930، 31 اور 1940 میں قلم بند کئے تھے جو اس جلد میں شامل ہیں۔ ان میں البیرونی کے مشاہدات پر بعض جگہ کڑی تنقید کی گئی ہے اور اصل کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

6- ایلیٹ اینڈ ڈاوسن، ہسٹری آف انڈیا ایز ٹولڈ بائی اٹس اون ہسور۔لز، جلد 11 اشاعت جدید، علی گڑھ 1952، پیش لفظ از پروفیسر محمد حبیب ص 8-1 اور حواشی۔

7- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، مضمون، البیرونی، از بائیلوٹ، جدید ایڈیشن، لندن 1960 ص 1236-38

8- سی سی گلس پی مدیر ڈکشنری آف سائنٹیفک بیاگرفی، مضمون 'البیرونی، از ای ایس کینڈی، نیو یارک 1970، ص 174-78

9- ا۔اسلے ٹی ایمبری، البیرونیز انڈیا (تلخیص) نیو یارک، 1971، پیش لفظ V-X-IX مزید دیکھیے ص X مع حاشیہ)

یہاں جن مضامین کا حوالہ دیا گیا ہے وہ البیرونی کی زندگی اور ہندوستان پر ان کی تصنیف کے بعض پہلوؤں سے متعلق ہیں۔ البیرونی کے متعلق مضامین کی مکمل فہرست کے لئے دیکھیے۔ جے ڈی پیرسن کی "انڈکس اسلامکس" 1906-55 کیمبرج 1958 ص 146-48 مزید ملاحظہ کیجئے سیریل نمبر 7، 23 اور 24

10- آر سی مجمدار، اے پیسج ان البیرونیز انڈیا، اے نندا ایرا، جے بی او آر ایس، 1923 ص 417-18

11- عبداللہ یوسف علی، البیرونیز انڈیا، آئی سی 1 شمارہ 1، 1927 ص 25-31 شمارہ 20 ص 223-30 ایضاً شمارہ 3 ص 473-87

12- زیڈ احمد، البیرونی، آئی سی V، 1931، ص 243-51 VI 1932 ص 363-69

13- ایف کرن کاؤ، ابوریحان البیرونی، آئی سی VI، 1932، ص 528-34

14- ایس ایچ برنی، البیرونیز سائنٹیفک اچیومنٹس، ایضاً 1952-53، ص 37-48

15- اے ایچ دانی، البیرونی آن سنسکرت لٹریچر، جے پی آر اس I، 1953، ص 301-17

16- ایس اے علی، البیرونی، دی اسکالر اینڈ دی رائٹر، پروگرزوولیوم آف پاکستان ہسٹاریکل کانفرنس، 1953، ص 343-52

17- ایم ایل رائے چودھری، ابوریحان البیرونی اینڈ ہز انڈین اسٹڈیز، II، II، V، 1954

18- بی سی لاء "البیرونیز نالج آف انڈین جیاگرفی، V III I، 1954 ص 1-26

19- ایم یاسین، البیرونی ان انڈیا، آئی سی XLIV، 1975 ص 207-13

20- ایم ایس خان، البیرونی ان انڈیا میٹافزکس، LX 1981 ص 161-86

21- گوندر کور، البیرونی، این ارلی اسٹوڈنٹ آف کمپریٹو ریلی جنس، LXI 1982 ص

149-63

22- ایم ایس خان، البیرونی اینڈ دی پولیٹیکل ہسٹری آف انڈیا، اے جی برل لیڈن جلد 25، 26 ص 115-86

23- مقبول احمد، البیرونی اینڈ دی انٹروڈکشن ٹو ہز لائف اینڈ رائٹنگس، مذکورہ مقالہ، البیرونی سمپوزیم منعقدہ 1971 میں پیش کیا گیا۔

24- ایم غیاث الدین (غیر مطبوعہ پی ایچ ڈی مقالہ) 1968

اے کریٹیکل انلائسس آف رائٹنگس آن البیرونی پرٹیننگ ٹو انڈیا، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

حواشی

1- ابو سہل عبدالمنعم ابن علی ابن نوح تفلیسی -------- یہ بات حیرت انگیز ہے کہ البیرونی نے ایسی اہم شخصیت کے بارے میں، جس کی فرمائش پر اور جسے خوش کرنے کے لیے یہ کتاب تصنیف کی، کچھ نہیں کہا ہے۔ سخاو نے اس سبب سے کہ ان کے نام کے ساتھ لفظ 'استاد' شامل ہے۔ یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ سلطان محمود کے دربار کے کوئی بڑے افسر تھے اور غالباً" ایرانی تھے کیوں کہ استاد کا لقب بڑے بڑے سرکاری افسروں کے لیے مخصوص تھا۔

2- معتزلہ -------- اسلامی متکلمین کا ایک فرقہ جس کا بانی واصل ابن عطا (متوفی 748) تھا۔

معتزلہ فلسفہ جبر کے قائل نہیں تھے۔ وہ انسان کو اپنے ارادے میں آزاد مانتے تھے۔ وہ صفات الٰہی کو بھی قدیم نہیں کہتے تھے کیوں کہ ان کے خیال میں صفات کو قدیم مان لینا عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔ وہ قرآن کو بھی حادث مانتے تھے۔ المامون کے دور خلافت (813 تا 833) میں اس فلسفے کو بہت فروغ حاصل ہوا۔

معتزلہ کے عقائد پر یونانی فلسفے کا اثر تھا اور وہ عرصے تک بحث و مناظرہ کا موضوع بنے رہے اور ان کے بارے میں بحث و مناظرے کی بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ البیرونی نے ہندوؤں کے مذہب و فلسفہ پر جو کتاب لکھی ہے۔ اس کے بارے میں صراحت کردی ہے کہ وہ بحث و مناظرہ کی کتاب نہیں ہے۔

3- ابوالعباس ایران شہری۔ ایران شہری تاریخ مذاہب کا مصنف تھا۔ اس کتب میں اس نے ہندوؤں اور بدھوں کے مذہب سے بھی بحث کی ہے۔ قدیم مسلمان مصنفین (جنھوں نے ہندوستانی تمدن کے بارے میں لکھا ہے) میں ایران شہری وہ واحد مصنف

ہے جس کے طریقہ تحقیق کو البیرونی نے سراہا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب میں اس نے اصل ماخذ کے علاوہ، ہندوؤں کے مذہب یا تمدن کے بارے میں، اگر اور کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے تو وہ ایران شہری کی کتاب ہے۔

پرانے عرب جغرافیہ دانوں نے ایران شہر سے پوری ساسانی قلمرو مراد لی ہے۔ لیکن یہاں ایران شہر سے مراد اس نام کا ایک قصبہ ہے۔

4- زرقان: زرقان کے متعلق البیرونی نے صرف اتنا کہا ہے کہ اس نے بدھ دھرم پر ایک رسالہ تصنیف کیا تھا جسے ایران شہری (نمبر3) نے اپنی کتاب میں نقل کردیا ہے۔ البیرونی زرقان کی کتاب کو زیادہ مستند نہیں مانتا تھا لیکن سخاؤ کا کہنا ہے کہ البیرونی نے اپنی کتاب میں بدھوں کے بارے میں جو تھوڑا بہت لکھا ہے اس کا ماخذ زرقان ہی ہے۔

5- سانکھیا: رشی کپل کا بنا کردہ مکتب فکر جس میں مادہ اور روح کی شونیت اور دہریت پر زور دیا گیا ہے۔ البیرونی نے اس کا ذکر اپنی کتاب کے ص 24، 25 پر کیا ہے۔

البیرونی نے سانکھیا کو کپل کی تصنیف شمار کیا ہے۔ اس نے اس کا ترجمہ عربی میں کیا ہے اور اپنی کتاب میں مذہب اور فلسفے کے ذیل میں کثرت سے اس کا حوالہ دیا ہے۔ سخاؤ نے اس کی شناخت کے ضمن میں سانکھیا پاون چم کا حوالہ دیا ہے، دی سانکھیا ایفورزم آف کپل، اور دو دیگر تصانیف یعنی ایشور کرشنا (چوتھی صدی عیسوی) کی سانکھیا کاریکا اور گوڈاپاڑا (دیکھیے حاشیہ 17) کی 'بھاشیہ'، کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اگرچہ یہ سانکھیا کے مشابہ ہیں لیکن فی الاصل سانکھیا نہیں ہیں۔ یہاں یہ بتا دینا نامناسب نہ ہوگا کہ سانکھیا مکتب فکر کی اول الذکر تحریر ششی تانترا ازوار شاگیہ ہے جو پہلی یا دوسری صدی عیسوی سے تعلق رکھتی ہے۔ سانکھیا مکتب فکر کے مطابق نجات دوبارہ جنم لینے والے اور صرف ایک بار پیدا ہونے والے، دونوں کو حاصل ہو سکتی ہے، جب کہ پوروا مماسا اور ویدانت کے مطابق یہ صرف دوبارہ جنم لینے والے کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

6- پاتن جلی (پاتن جلا؟) سخاؤ کے مطابق اصل عربی میں عام طور پر 'باتن جلا' لکھا ہے۔ (عربی میں 'پ' نہیں ہے۔ اس لیے پ کی جگہ ب استعمال ہوتا ہے) البیرونی نے

صرف ایک جگہ صاحب کتاب باتن جل لکھا ہے اور یہاں باتن جل سے مراد مصنف نہیں بلکہ خود کتاب ہے جب کہ دو اور جگہوں پر باتن جل مصنف کے نام کے طور پر لکھا گیا ہے۔

اس لیے سخاو نے یہ قیاس کیا ہے کہ غالباً مصنف کے نام کو کتاب کی نشاندہی کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اس لفظ کے تلفظ کے بارے میں سخاو نے لکھا ہے کہ البیرونی نے اسے الف ممدودہ کے ساتھ لکھا ہے لیکن ہر جگہ ایسا نہیں ہے۔ اس لیے سخاو نے اسے سنسکرت اصل کے مطابق 'پاتن جلی' لکھا ہے۔

سانکھیا کی طرح البیرونی نے اس کتاب کا ترجمہ بھی عربی میں کیا تھا اور فلسفہ و مذہب کے ضمن میں اپنی کتاب میں بھی اس کے حوالے دیے ہیں۔

پاتن جلی 'یگ سوتر' نامی کتاب (چوتھی صدی عیسوی) کا مصنف تھا۔ سخاو کے مطابق البیرونی کی پاتن جلی یوگا (مصنفہ پاتن جلی) سے قطعا" مختلف اور علیحدہ تصنیف ہے۔

7- گیتا:۔ یہ بھارت نامی بڑی کتاب ——— کا ایک جزو ہے اور اول الذکر دو کتابوں کی طرح البیرونی نے مذہب و فلسفہ کے ذیل میں اس کا بھی کثرت سے حوالہ دیا ہے۔ یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ البیرونی نے اسے کتاب بھارت' کا ایک جزو کہا ہے لیکن 'مہا بھارت' کا نام نہیں دیا ہے۔

سخاو نے البیرونی کے پیش کردہ متن اور موجودہ بھگود گیتا کے متن کے فرق کی طرف توجہ دلائی ہے۔ سخاوٗ کا خیال ہے کہ البیرونی کا نسخہ زیادہ قدیم اور مکمل تھا۔ سخاو کو حیرت ہے کہ اس نسخہ کی کوئی جلد اب باقی نہیں ہے۔ (دیکھیے نوٹ 12 کا آخری پیراگراف جس میں البیرونی کے استعمال کردہ سنسکرت متنوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ سخاو نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ البیرونی نے اصل متن کے بجائے کسی شرح سے استفادہ کیا ہو)

8- فرقہ جبریہ ——— لفظ جبر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں مجبور ہونا۔ اس فرقے کے پیرو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے قائل ہیں اور انسان کو اپنے ارادہ و عمل

میں بااختیار نہیں مانتے، اس امر میں ان کے عقائد معتزلہ کے برعکس ہیں۔

9- **ابوالفتح البوستی** ------ سلطان محمود اور اس کے بعد اس کے بیٹے سلطان مسعود کے دربار کا ممتاز شاعر جو بوست (افغانستان) کا رہنے والا تھا اور پہلے سامانیوں کے دربار سے وابستہ رہ چکا تھا۔ اس نے 1039 عیسوی میں وفات پائی۔

10- **بدھو دن اور شمانی** ----- سخاو کا یہ قیاس کہ بدھو دن اصل میں سدودھن کی تحریف ہے (جو مہاتما بدھ کے باپ تھے) قابل قبول نہیں ہے کیوں کہ سیاق و سباق سے ایسا ظاہر نہیں ہوتا۔ ان کا دوسرا خیال کہ ایران شہری (دیکھئے حاشیہ 3) کی تصنیف جس سے البیرونی نے استفادہ کیا ہے، میں شاید لفظ سدھودن استعمال ہوا تھا، (عربی میں دونوں یکساں لکھے جاتے ہیں اور سدھو دن سے مراد سو دھودن (سودھو دنی) ہے، زیادہ قابل قبول ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک اور جگہ البیرونی نے خود بھی بدھو دن کو سدھو دن کا بیٹا لکھا ہے۔ غالباً" سخاو کی اس لفظ پر نظر نہیں گئی۔ عربی میں بدھوں کے لیے شمانی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ ایک پراکرتی لفظ 'سرمنا' سے ماخوذ ہے۔ البیرونی نے انہیں محامر بھی کہا ہے یعنی سرخ لباس والے بھی کہا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ سرخ لبادوں والے بدھ ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

11- **وشنو پران** ------- یہ میزانوں میں سے ایک ہے۔ (دیکھئے حاشیہ 16) اس کے چھ حصے ہیں جن میں سے پانچ کائنات سے متعلق ہیں۔ چھٹا حصہ جس کو کتاب کا لب لباب کہنا چاہیے، نوجوان کرشن کے مشاغل و تفریحات کو بیان کرتا ہے اس باب میں کرشن کو وشنو کی تجسیم تصور کیا گیا ہے۔

12- **وشنو دھرم** ------- البیرونی نے اس تصنیف کا ذکر ہندوؤں کے مذہبی ادب کے ذیل میں کیا ہے۔ (باب 12) اور کہا ہے کہ اس کے معنی 'خدا کا دین' ہے یہاں خدا سے مراد نارائن ہے، سخاو اس تصنیف کی شناخت نہیں کرسکے ہیں۔ انہوں نے یہ کہنے پر اکتفا کی ہے کہ یہ ایک طرح کا پران ہے۔ جو پرانوں کی طرح حکایات وغیرہ سے پر ہے۔ سخاو نے یہ بھی بتایا کہ البیرونی نے اسے پرانوں کی فہرست میں شامل نہیں کیا ہے ------- انہوں نے یہ بھی کہا ہے البیرونی نے سونک کی جو روایت متعدد جگہ نقل کی

ہے‘ وہ غالباً وشنو دھرم سے ماخوذ ہے ------- ان کا خیال ہے کہ غالباً یہ کتاب وہی ہے جسکا نام وشنو دھرماتراپران ہے اور جس میں کہا جاتا ہے کہ برہم گپتا کی برہم سدھانت بھی شامل ہے۔ البیرونی کے پاس اس کتاب کا ایک نسخہ تھا اور سخاو کے خیال کے مطابق سخاو کلیہ نسخہ اصل مکمل کتاب کا ایک حصہ ہے۔

البیرونی نے سنسکرت کے جن متنوں سے استفادہ کیا ہے ان کی ثقاہت کے بارے میں ملاحظہ کیجئے۔ ڈاکٹر جے گونڈا کا مضمون ”ریمارکس آن البیرونی کوٹیشنز فرام سنسکرت ٹکسٹس“ اے سی وی صفحہ 18- 111 ڈاکٹر گونڈا لکھتے ہیں کہ ان اقتباسات کی صداقت پرانوں کا متن دستیاب ہو جانے کے بعد پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ تصانیف کی شناخت کے سلسلے میں سخاو کے خیالات کی تصدیق بعد کے مصنفین کر چکے ہیں۔

13- چار ذاتیں اور انتیاج ------- ذات پات کے نظام اور مختلف ذاتوں میں پائے جانے والے رسم و رواج کے متعلق البیرونی کی کتاب کے یہ ابواب (باب IX‘ LXIII اور LXIV) کتاب کا اہم ترین حصہ ہیں۔ قرون وسطیٰ میں جس طرح یہ نظام نافذالعمل تھا اس کا اتنا تفصیلی بیان کسی اور غیرہندی مصنف نے نہیں کیا ہے۔ بی پی مجمدار (سوشو اکنامک ہسٹری آف ناردرن انڈیا) 1030 تا 1194ء 1960ء ص 79 کا خیال ہے کہ البیرونی نے ذات پات کے نظام کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ مذہبی کتابوں کے مطابق ہے جب کہ عملاً ایسا نہیں تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ گیارہویں صدی میں ذاتوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور بعض مخلوط ذاتیں بھی موجود تھیں۔ البیرونی نے اس وقت کی اصل حالت کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔ مثلاً انہوں نے آخرالذکر دو ذاتوں (یعنی ویش اور شودر) کے بارے میں لکھا ہے اگرچہ دونوں ذاتیں بالکل مختلف ہیں لیکن شہروں میں وہ ساتھ ساتھ ایک ہی مکان میں رہتی ہیں۔ اس سے مختلف ذاتوں کے مابین شادیوں کے چلن کی بھی تصدیق ہوتی ہے جہاں تک ’انتیاجوں‘ کا تعلق ہے‘ پروفیسر مجمدار کا کہنا ہے کہ جب ابتدائی سمرتیاں تیار کی گئی تھیں تو اچھوتوں کو انتیاج کہا جاتا تھا لیکن ان کی ذیلی تقسیم میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض جگہ ان کی تعداد سات اور بعض جگہ بارہ بتائی گئی ہے۔ البیرونی نے ان کا ذکر شودروں کے بعد کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ان کا شمار ’ذاتوں‘

میں نہیں ہوتا۔ ان کو ان کے پیشوں سے جوڑا جاتا ہے مثلاً چڑی مار، چمار، نٹ، ٹوکرا ساز، ملاح، مچھیرا، شکاری، جلاہا وغیرہ۔ پروفیسر مجمدار نے ان کے قدیمی ناموں کی نشاندہی کی ہے مثلاً رجک، چرم کار، نٹ، برودا، نادیکا، کیوارت، بھیل اور کوونڈک اور کہا ہے کہ انہیں ابتدائی سمرتیوں میں چنڈال یا انتیاج کہا جاتا ہے۔

14- قرامطی ------ ایک انتہا پسند منظم فرقہ جو پہلے اسماعیلی تحریک سے منسوب بتایا جاتا ہے اسکی ابتدا کے متعلق یقین سے کچھ نہیں معلوم۔ بہرحال یہ فرقہ رمزیہ تاویل پر زور دیتا تھا اور بعض اشتراکی رجحانات کا حامل تھا۔ اس طبقے کے پیرووں کو بعض جدید مصنفین نے 'اسلام کے بالشویک' کہا ہے۔ یہ لوگ مذہبی رواداری کے قائل تھے اور مزدوروں اور صناعوں کی تنظیموں کے قیام کے قائل تھے اور جائیداد اور بیوی کو مشترکہ ملکیت قرار دیتے تھے۔

اس فرقے کا بانی ایک عراقی کسان ہمدان قرمط تھا۔ اسی نسبت سے اس کے پیرو قرامطی یا قرامطہ کہلانے لگے۔۔ انہوں نے خلیج فارس کے مغربی کنارے پر اپنی حکومت قائم کرلی تھی (899) جو عباسیوں کے لیے ایک مستقل درد سر تھی۔ 930 میں انہوں نے مکہ مکرمہ پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کرلیا اور حجراسود کو اپنے ساتھ لے گئے جس کی واپسی 20 سال بعد خلیفہ منصور (946-52) کے حکم سے عمل میں آئی۔ بعد میں انہوں نے بالائی سندھ کے بیشتر علاقے پر قبضہ کرلیا۔ سلطان محمود نے ان کو شکست دے کر اس علاقے سے ان کا قبضہ ہٹایا۔ البیرونی نے یہاں اسی واقعے کا ذکر کیا ہے۔ محمود کی وفات کے بعد انہوں نے اپنا کھویا ہوا علاقہ دوبارہ حاصل کرلیا۔ 1175 میں سلطان معزالدین محمد غوری (1173-1206) نے ان کو شکست دے کر اس علاقے سے نکال دیا۔

15- ورہ میہر (ورہ میر) چھٹی صدی عیسوی کا مشہور ہندوستانی منجم اور مشہور کتابوں پنچ سدھانتک اور برہت سمہت کا مصنف۔ البیرونی نے دونوں کتابوں کا کثرت سے حوالہ دیا ہے۔ آخرالذکر کتاب اگرچہ احکام نجوم سے متعلق ہے لیکن اس میں فن تعمیر، صورت گری اور باغبانی کے موضوعات بھی شامل ہیں۔ ایچ کرن نے اس کتاب کو مدون کیا اور اس کا انگریزی میں ترجمہ کرکے 'ببلیو تھیک انڈیکا' سلسلے (1864، 1865) میں

جرنل آف رایل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) کی جلد IV تا VII میں شائع کیا۔

16- واسکر کشمیری ------- جس نے وید کو قلم بند کیا۔ وید دسویں - گیارہویں صدی میں قلم بند کیے گئے' البیرونی کا اس طرف اشارہ کرنا ایک اہم تحقیقی کارنامہ ہے۔ افسوس کہ واسکر کا لکھا ہوا نسخہ اب موجود نہیں ہے۔

16 A- پران ------- پراتا کے معنی قدیم کے ہیں۔ ایک ادبی صنف ہونے کے ناتے یہ قدیم مذہبی نظمیں ہیں اور ان میں حکایات اور مذہبی ہدایات شامل ہیں۔ اصل میں یہ کتاب مبادیات تھیں جیسا کہ ان میں سے پانچ ناموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً تخلیق' باز تخلیق (دیوتاؤں اور رشیوں کے نسب نامے' چار زمانے (یگ) اور راجاؤں کے نسب نامے۔ اے - ایل - باشم (دی ونڈر ویٹ واز انڈیا) کے مطابق اپنی موجودہ شکل میں یہ گپتا زمانے سے آگے نہیں جاتے۔ (319-530 عیسوی) ------- لیکن ان میں جو روایات مذکور ہیں وہ بے حد قدیم ہیں۔

البیرونی نے 18 پرانوں کے ناموں کی فہرست دی ہے جو کہ اس نے سن کر لکھ لیے تھے۔ اس نے ایک اور کسی حد تک مختلف فہرست بھی دی ہے۔ اس فہرست میں بھی 18 نام ہیں۔ یہ فہرست البیرونی کو وشنو پران سے پڑھ کر سنائی گئی تھی۔ البیرونی نے مزید لکھاے کہ ان پرانوں میں سے صرف نایہ' آدتیہ اور وایو پرانوں کے اجزا ہی اس نے دیکھے ہیں۔

17- سمرتی ------- سمرتی (یادداشت) بھی مذہبی ادب ہی کی ایک قسم ہے جو قوانین کی کتابوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سب سے مشہور منو سمرتی ہے۔ (منو کی کتاب قانون) جس کی تکمیل دوسری صدی عیسوی میں ہوئی۔ البیرونی نے سمرتی کا ذکر ایک الگ کتاب کی حیثیت سے کیا ہے جس میں اوامر و نواہی مذکور ہیں۔

بہرحال البیرونی نے سمرتی کتابوں کی جو فہرست دی ہے وہ بہت اہم ہے' کیوں کہ اس میں چند چھوٹی سمرتیوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً آتری' نرتیا اور دکشا۔ اس سے ہمیں ان سمرتیوں کی ترتیب کا زمانہ معلوم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ البیرونی نے لکھتیا اور سنکھا ------- کو دو الگ کتابیں شمار کیا ہے حالاں کہ وہ ایک ہی ہے یعنی 'سنکھا

لکھتیا۔

17 الف: گو دارشی -------- البیرونی نے انھیں شنکر اچاریہ کے پیش رو گوڈا پاڑا کی حیثیت سے نہیں پیش کیا ہے لیکن سخاو کا خیال ہے کہ وہ گوڈا پاڑا ہی تھے۔ حیرت ہے کہ البیرونی نے شنکر اچاریہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

18- نیایہ بھاس از کپل -------- سخاو کا کہنا ہے کہ وہ اس لفظ کی کتابت کے بارے میں مطمئن نہیں ہیں۔ عربی میں اسے 'نیائے بھاش' لکھا گیا ہے۔ سخاو کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس کتاب کے مشمولات کا گوتم کے فلسفہ 'نیائے' سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ "جے می" کے ممامسا فلسفے سے تعلق رکھتے ہیں جن کا نام تھوڑا ہی آگے چل کر مذکور ہے۔ نیائے ہندو فلسفے کے چھ روایتی مکاتب فکر میں سے ایک ہے اور ان کی کلیدی کتاب 'نیائے سوتر' ہے جو اکش پاڑا گوتم (چوتھی صدی عیسوی) کی تصنیف ہے۔ اس کی شرح سولھویں صدی میں لکھی گئی اور نیائے بھاشیہ کے نام سے منسوب ہے اس شرح کے مصنف کا نام معلوم نہیں لیکن البیرونی نے کپل کو اس شرح کا مصنف کہا ہے۔

19- ممامسا -------- (تحقیق) رشی جیمنی کا قائم کیا ہوا دبستان فکر۔ اس دبستان کے مفکرین وید کو قدیم اور کلام الٰہی مانتے تھے اور ان کا اصل مقصد وید کی اسی نقطہ نظر سے تفسیر و تشریح کرنا تھا۔ اس دبستان فکر کے دو ذیلی مکاتب بھی ہیں۔ ایک پورو ممامسا جس نے ویدک رسومات کو بیان کیا ہے اور دوسرا اتر ممامسا' جس کا موضوع ویدک معتقدات کو بیان کرنا ہے۔ البیرونی کی مراد یہاں اول الذکر سے ہے۔ جیمنی کی کتاب پورو ممامسا سوتر چوتھی' پانچویں صدی کی تصنیف ہے۔

20- کتاب لوکایت -------- سخاو نے لکھا ہے کہ لوکایت مکتب فکر کی بنیاد برہسپتی نے ڈالی تھی جو کتاب برہم پتیا سوترم کا مصنف تھا۔ اس کے پیرو مادی مفکر تھے جو کسی ہستی کے قائل نہیں تھے۔ وہ صرف اس مادی جسم اور اس کی ضروریات کو مانتے تھے۔ وہ اس بات کے قائل تھے کہ محسوسات ہی کے ذریعے علم کا حصول یا کسی بات کو ثابت کرنا ممکن ہے۔ البیرونی نے 'لوکایت' کا ذکر ایک کتاب کی حیثیت سے کیا ہے' جو اس مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے کسی مصنف نے لکھی تھی۔

20 الف۔ کتاب اگس تیہ مت ------- دو کتابوں کے ناموں کے پہلے جزو میں آگس تیہ؟ آتا ہے اول الذکر کا نام آگس تیہ سوتی وشنا سمواد' ہے جو بھگتی اسکول کے رامایت فرقے کے کسی شخص نے چھٹی اور دسویں صدی عیسوی کے درمیان لکھی۔ دوسری کتاب کا نام اگس تیہ سوتر ہے جو دیوی بھگوتی کے ساتھ ساکتہ اسکول کی بنیادی کتاب شمار ہوتی ہے۔ یہ لوگ 'دیوی' پوجا کے قائل تھے۔ یہ کتاب قرون وسطیٰ کے ابتدائی زمانے کے آخری حصے میں لکھی گئی۔ یہ واضح نہیں کہ البیرونی نے مذکورہ بالا دونوں کتابوں میں سے کس کا ذکر کیا ہے۔

21- پانِنی ------- چوتھی صدی ق م کے مشہور ہندوستانی ماہر قواعد کا نام جس نے سنسکرت کی مشہور قواعد 'اشٹ ادھیائے' (آٹھ مقالے) تصنیف کی۔

22- ابوالاسودالدولی ------- عربی صرف و نحو کا موجد تھا۔ 681 میں موت پائی۔

23- سند ہند ------- البیرونی کہتا ہے کہ ہندو، نجوم کی ہر کتاب کو 'سدھانت' کہتے ہیں۔ الفزاری نے خلیفہ منصور (754-75) کے حکم سے، ان میں سے ایک کتاب کا یعنی برہم گپتا (حاشیہ 25) کی برہم سدھانت کا، 'سند ہند کے نام سے عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ عرب سب سے پہلے ہندوستانیوں کے علم نجوم سے اسی ترجمے کے ذریعے واقف ہوئے۔

24- پولس اور پلس ------- البیرونی نے یہ دونوں نام دو مختلف شخصوں کے لیے استعمال کیے ہیں۔ اول الذکر یونانی اور 'پولس سدھانت' کا مصنف تھا۔

25- برہم گپتا ------- ساتویں صدی عیسوی کا مشہور ہندوستانی منجم اور ہندسہ داں۔ البیرونی نے اس کی مشہور کتاب 'برہم سدھانت' کے بعض اجزا کا عربی میں ترجمہ کیا تھا ------- البیرونی نے اپنی کتاب کے صفحہ 72، 73 پر اس کے موضوعات کو بیان کیا ہے۔ البیرونی نے اس کی دوسری کتاب 'کھانڈ کھڈایک' کا بھی ذکر کیا ہے جو عربوں میں ارکند کے نام سے متعارف ہے۔ اس کتاب کی شرح موسوم بہ 'کھانڈ کھڈایک ٹپا' کو البیرونی نے غلطی سے بھل بھدر کی تصنیف سمجھ لیا ہے۔ البیرونی نے یہاں یہ بھی بتایا ہے کہ اس نے سیاویل کشمیری کی فرمائش پر اسے ایک کتاب لکھ کر دی تھی جس کا نام

'عربی کھانڈ کھڈایک' تھا۔

البیرونی نے برہم گپتا کے علم و فضل کی وسعت اور اس کی غیر معمولی ذہانت کی تعریف کی ہے لیکن اس بات پر شدید نکتہ چینی کی ہے کہ اس نے بعض امور میں مذہبی رہنماؤں کی خوشنودی کے لیے جان بوجھ کر علمی حقائق سے روگردانی کی۔ البیرونی کا خیال ہے کہ شاید اس نے حالات سے مجبور ہوکر اور یونان کے سقراط جیسے حشر سے بچنے کے لیے ایسا کیا تھا۔ برہم گپتا نے ممتاز ہندوستانی ماہر ہیئت آریہ بھٹ (حاشیہ 26) کی شان میں جو گستاخی کی ہے البیرونی نے اس بات پر اس کی سخت مذمت کی ہے۔

26- آریہ بھٹ —— پانچویں صدی عیسوی کا مشہور منجم اور ہندسہ داں۔ سب سے پہلے اسی نے ہندسے کو ایک مستقل علم کی حیثیت دی اور حساب کے اعشاری نظام کو ایجاد کیا۔ یہ اس کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ اس کی مشہور کتاب آریہ بھٹ' 499 عیسوی میں تصنیف ہوئی۔ ایچ کرن نے اسے مدون کیا' اور اس کی شرح بھی لکھی اور 1874 میں اسے لیڈن سے شائع کیا۔ حال ہی میں پنڈت بلدیو مشرا نے اسکی شرح سنسکرت اور ہندی دونوں زبانوں میں لکھی تھی جسے بہار ریسرچ سوسائٹی پٹنہ نے 1966ء میں شائع کیا۔

البیرونی نے لکھا ہے کہ آریہ بھٹ کی کتاب اس کی نظر سے نہیں گزری ہے البتہ برہم گپتا نے اس کے جو اقتباسات نقل کیے ہیں' انہیں دیکھا ہے۔

آریہ بھٹ کا کہنا تھا کہ زمین ایک کرہ ہے اور اپنے محور پر گردش کررہی ہے۔ اس نے گرہن کے بارے میں روایتی عقائد پر بھی نکتہ چینی کی ہے اور کہا ہے کہ چاند گرہن اس وقت ہوتا ہے جب چاند زمین کے سائے میں داخل ہو جاتا ہے' اور سورج گرہن اس وقت ہوتا ہے جب چاند سورج کو ڈھک لیتا اور اسے ہماری نظروں سے چھپا لیتا ہے —— برہم گپتا نے آریہ بھٹ کے ان عقائد پر کڑی نکتہ چینی کی ہے

البیرونی نے آریہ بھٹ نام کے دو اشخاص کا ذکر کیا ہے۔ آریہ بھٹ کبیر اور آریہ بھٹ کسم پورا (جو آریہ بھٹ کبیر کا ہم خیال ہے —— آریہ بھٹ کسم پورا السف

نامی کتاب کا مصنف تھا۔ اس نے ایک اور کتاب بھی لکھی تھی جس کی شرح بل بھدر نے لکھی تھی۔

27- چرک ------- مصنف 'چرک سمت' کشن راجا کشک کا درباری طبیب تھا (پہلی صدی عیسوی) ہندوستان کا قدیم فن طب اسی کتاب مبنی ہے اور یہ ہندوستان کی سب سے پہلی طبی کتاب ہے۔

البیرونی نے اس کتاب کے عربی ترجمے کا حوالہ دیا ہے اور اس کے اقتباسات بھی نقل کیے ہیں۔ یہ ترجمہ برمکی خاندان ------- کے کسی امیر کی فرمائش پر کیا گیا تھا۔

28- برامکہ ------- خلیفہ منصور کا بااثر وزیر خالد ابن برمک کا خاندان۔ خالد' بلخ کی ایک بدھ خانقاہ کے مجاور اعلیٰ (برمک) کا بیٹا تھا۔ منصور اور مہدی (775-85) کے عہد حکومت میں برامکہ کا طوطی بولتا تھا۔ ہارون رشید (786-809) کے دور میں اس خاندان کا صفایا کردیا گیا۔ برامکہ' علماء کی بہت قدر کرتے تھے اور ان کے عہد اقتدار میں عباسی دربار میں ایرانی اور ہندوستانی تہذیبی اثرات کو نمایاں ترقی حاصل ہوئی۔

29- کلیہ و دمنہ ------- ایک سنسکرت کتاب کے فارسی ترجمے کا عربی ترجمہ۔ سنسکرت اصل اور فارسی ترجمہ دونوں اب نایاب ہیں۔ ابن المقفع (متوفی 757) کے عربی ترجمے سے' اس کتاب کے متعدد زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ یہ کتاب شہزادوں کو اخلاق و سیاست کی تعلیم دینے کے لیے لکھی گئی حکایات پر مشتمل ہے۔

نایاب سنسکرت متن کے کچھ اجزا پنچ تنتر میں موجود ہیں جن میں یہی حکایات زیادہ تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔

30- عبداللہ ابن المقفع ------- یہ ایک زرشتی (آتش پرست) تھا جو بعد میں مسلمان ہوگیا تھا۔ اسے 757ء میں ملحد ہو جانے کے نتیجے میں جلا دیا گیا تھا۔

30 A- ادن پور یعنی پورو دیس ------- یہ غالبًا اودنت پوری ہے جو قرون وسطی کے بہار (600-1200) کی چار مشہور یونیورسٹیوں میں سے ایک تھی۔ اس کا قیام 725ء کے آس پاس عمل میں آیا تھا اور موجودہ نالندہ ضلع کے مقام بہار شریف کے باہر کی پہاڑیوں پر واقع تھی۔ ملاحظہ کیجئے یوگیندر مشرا کی 'دی اودنت پوری وہار' راما کرشنا

ریویو جرنل کا سالنامہ 1984ء ص 114 - 93 - یہ درسگاہ 'نالندہ وہار' کی زیادہ مشہور درسگاہ سے مختلف تھی جو کسی قریبی مقام پر واقع تھی۔

31- قنوج اور باڑی ------- مشہور راج دھانی قنوج کی تباہی اور راج دہانی باڑی شہر کی منتقلی کے بارے میں البیرونی کا یہ بیان بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ راجدھانی کی منتقلی قنوج پر محمود کے حملے (1018ء) سے کچھ پہلے عمل میں آئی تھی۔ آر ایس ترپاٹھی نے اپنی کتاب تاریخ قنوج کی اشاعت 1964ء کے صفحہ 285 پر اس بات کا ذکر کیا ہے لیکن اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے۔ پروفیسر وائی مشرا نے اپنی کتاب 'پنجاب اور افغانستان کے ہندو بادشاہ' (865-1026) مطبوعہ پٹنہ 1972 کے ص 147 پر لکھا ہے کہ باڑی (جسے انہوں نے وری لکھا ہے) سکھندوری کے پرتی ہار راجا کی خیمہ بستی تھی اور محمود کے ہاتھوں تاراج ہونے کے بعد اس کا کوئی نشان باقی نہیں رہا تھا۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ البیرونی نے، جس نے یہ کتاب محمود کے حملے کے تقریباً بارہ سال لکھی تھی۔ باڑی کو شہر کہا ہے۔

32- فرسخ ------ فاصلے کی مقدار جو 4 میل کے برابر ہوتی ہے۔

33- یعقوب اور افزاری ------- یعقوب ابن طارق اور محمد ابن ابراہیم افزاری اولین مسلمان منجم تھے جنہوں نے ہندوؤں کے نجوم کو اسلامی دنیا میں متعارف کرایا۔ اول الذکر کا زمانہ آٹھویں صدی کا نصف ثانی تھا۔ انہوں نے نجوم اور ہندسی جغرافیہ کے موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا حوالہ البیرونی نے دیا ہے۔ البیرونی نے مصنف کے بعض سنسکرت الفاظ کے غلط ترجمے اور بعض نظریات کو غلط سمجھنے پر نکتہ چینی کی ہے۔ افزاری نے برہم سدھانت (حاشیہ 28) کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ سخاو کا کہنا ہے کہ افزاری نے برہم گپتا کی ایک اور کتاب کھانڈ کھڈ ایک' کا بھی ترجمہ کیا تھا جو عربوں میں 'آرکند' کے نام سے متعارف تھا۔

34- رام اور رامائن ------- سی بلیکے نے' البیرونی اور رام کتھا' اے سی دی' میں لکھا ہے کہ اگرچہ البیرونی نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے متعلق اپنی کتاب کے باب (12) میں رامائن کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن جا بجا اس نے رام اور رامائن کے حصے' کا جو

ذکر کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس عظیم زرمئے کے مندرجات سے بخوبی واقف تھا۔

35- محمد ابن زکریا رازی (صفحہ 144) ابوبکر محمد ابن زکریا رازی (865-925) بغداد کے شاہی شفاخانے کے طبیب اعلیٰ اور طب کی متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی سب سے مشہور تصنیف 'الحاوی' ہے۔

36- برہمن راجا سامند ..... بھیم پال (صفحہ 93-192) سخاو نے اس کتاب کے باب 64 میں مشمولات کی عدم یکسانیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کا شروع کا حصہ وشنو دھرم سے ماخوذ ہے۔ (دیکھیے حاشیہ 12) لیکن بعد کے حصے کے سلسلے میں (جو کابل کے بادشاہوں کے خاندان سے متعلق تھے) البیرونی نے کسی تحریری ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ یہ البیرونی کے عام معمول کے خلاف ہے۔ اگر اس نے کسی ماخذ سے استفادہ کیا ہوتا تو اس کا حوالہ ضرور دیتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصہ زبانی اطلاعات پر انحصار کرتا ہے اور اس زمانے کے شمال مغربی ہندوستان کے تعلیم یافتہ ہندوؤں میں رائج روایات سے ماخوذ ہے۔ البیرونی نے اکثر اس قسم کی روایات کے غیر معتبر ہونے کی طرف اشارے کیے ہیں اور اس حصہ کے بارے میں اس نے خاص طور پر یہ بات کہی ہے کہ اس کے واقعات کی ثقاہت مشتبہ ہے۔ اس لیے اس باب کی کمزوری کی ذمے داری البیرونی سے زیادہ ان لوگوں پر ہے جنھوں نے اسے یہ معلومات فراہم کی تھیں۔

ہندو شاہوں پر جدید ترین معلومات کے لیے دیکھیے یوگیندر مشرا کی کتاب (دی ہندو شاہیز آف افغانستان اینڈ پنجاب) 865 تا 1026 عیسوی۔ پٹنہ 1972- پروفیسر مشرا نے البیرونی کی فہرست کو صحیح قرار دیا ہے لیکن یہ کہا ہے کہ یہ شاہ برہمن نہیں چھتری تھے۔

37- گھوڑی کو آزادانہ گھومنے دیا جاتا ہے ------- تمام مستند ماخذ میں لکھا ہے کہ اس مقصد کے لیے گھوڑا استعمال ہوتا تھا لیکن البیرونی نے گھوڑی لکھا ہے۔

38- یہ اطلاع نہایت دلچسپ ہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد خاطر خواہ ہوگی جبھی ان کے بارے میں قانون وراثت میں تصریح موجود ہے۔

39- ایک بڑا درخت پر یاگ نامی ہے ------ اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وانا نسل کا ایک پیڑ گنگا اور جمنا کے سنگم پر یاگ میں موجود تھا اور جس کو پریاگ ورکش یا عبادت کا درخت کہا جاتا تھا۔

40- ہندو تہوار ------ سخاو نے ہندو تہواروں سے متعلق حصے کا مقابلہ ایچ ایچ ولسن کے مضمون (دی ریلیجس فیسٹیولز آف ہندوز) مشمولہ ایسیز اینڈ لیکچرس) جلد II سے کیا ہے اور کہا ہے کہ اس باب کا فارسی ترجمہ ابو سعید عبدالحئی گردیزی کی کتاب میں شامل ہے مخطوطہ ملکیت بوڈلین لائبریری۔

یہاں یہ بتا دینا نامناسب نہ ہوگا کہ گردیزی زین الملت عبدالرشید بن سلطان محمود (1049-52) کے معاصر تھے اور اپنی کتاب 'زین الاخبار' اسی کے نام معنون کی تھی۔ یہ کتاب ایران کے قدیم سلاطین ابتدائی اسلامی تاریخ مختلف سلطنتوں کے عہدوں اور یہودیوں عیسائیوں' زرشتیوں اور ہندوؤں کے تہواروں پر مشتمل ہے۔ آخرالذکر حصہ جیسا کہ سخاو نے لکھا ہے' البیرونی کے باب کا ترجمہ کردہ ہے۔ بارتھولڈ نے خراسان کی تاریخ کے سلسلے میں زین الاخبار کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہندوستان سے متعلق اس کتاب کا حصہ کل کا کل عربی ماخذ سے لیا گیا ہے لیکن بعض مقامات پر ترجمہ صحیح نہیں کیا گیا ہے۔

بوڈلین لائبریری (آکسفورڈ) میں اسکا جو نسخہ موجود ہے وہ کیمرج نسخہ پر مبنی ہے۔

41- مہانومی خواہر مہادیو ------ مہانومی دیوی بھگوتی دیوی ہے جس کا تہوار آٹھویں اسوایوج کو منایا جاتا ہے لیکن اسے مہادیو کی بہن کہنا غلط ہے وہ مہادیو کی بیوی تھی۔ یہ تہوار آج کل کے درگا پوجا جیسا ہوتا تھا اس موقع پر بکرے کی قربانی دیے جانے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

42- بعض رسوم مثلاً تیری پکش اور بعض تہواروں مثلاً دیوالی اور شیوراتری کی تاریخوں کے سلسلے میں قاری کے ذہن میں بعض شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس حصے کی بہتر تفہیم کے لیے دیکھیے بی۔ بی مزدار کی (دی سوشو اکنامک ہسٹری آف نادرن انڈیا' صفحات 274 تا 315) مزدار نے ہندو تہواروں کی تفصیل دی ہے اور البیرونی کے بیانات

کی تصدیق ہندو ماخذ سے کی ہے۔ بعض تہواروں کے منانے کے ڈھنگ' تاریخوں یا دیوی دیوتاؤں سے منسوب ہونے کے بارے میں پائے جانے والے اختلافات کے بارے میں پروفیسر مزمدار نے کہا ہے کہ یہ تبدیلیاں امتداد زمانہ سے ہوتی ہیں نیز بعض تہوار جو موجودہ زمانے میں منائے جاتے ہیں 12 صدی تک شمالی ہند میں منائے نہیں جاتے تھے۔

اس سلسلے میں بعض تہواروں کی جنتری (جو ذیل میں دی جاتی ہے) کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔

(الف) پتری پکش۔ سال کے مختلف مہینوں کا حساب لگانے کے دو طریقے ہیں (i) نئے چاند سے اماوس تک جسے 'امنت' کہا جاتا ہے اور (ii) پورے چاند سے پورے چاند تک جو 'پرنمانت' کہلاتا ہے۔ 'شکل پکش' یعنی نصف روشن مہینہ دونوں طریقوں میں مشترک ہے۔ البیرونی کے مطابق یہ تہوار اس وقت منایا جاتا ہے جب چاند دسویں برج یعنی ماگھ میں ہوتا ہے۔ البیرونی نے کہا ہے کہ ماگھ کے برج میں چاند کا داخلہ نئے چاند کے ظہور کے وقت ہوتا ہے۔ پرنمانت کے طریقے کی رو سے البیرونی کا مذکورہ بھادرپد اسون (اسو ایوج) کو بھی محیط ہوگا اور یہی وہ وقت ہے جب یہ تہوار منایا جاتا ہے۔

(ب) دیپالی۔ البیرونی نے کہا ہے کہ یہ تہوار پہلی کار تک یعنی نیا چاند نکلنے کے دن منایا جاتا ہے۔ ایل ڈی ایس پلے (انڈین ایفی میرس) کے مطابق چاند کے مہینے کو تیس تھیوں (یعنی ایک ہی طول کے دنوں) میں تقسیم کیاجاتا ہے پہلی پندرہ تھیاں (یعنی روشن دن) شکل پکش کہلاتے ہیں اور باقی پندرہ کرشن پکش کہلاتی ہیں۔ آخری یعنی تیسویں تھی نئے چاند یا اماوسیہ یا جس ماہ کے اختتام پذیر واقع ہوتی ہے اس کے نام سے موسوم کی جاتی ہے اور بعض دفعہ آنے والے ماہ کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ مزید براں' نیا چاند یا اماوس کی ایک خاص گھڑی ہوتی ہے۔ نہ کہ کوئی خاص دن یا تاریخ اور اس وقت نئے چاند کا آسمان پر ظاہر ہونا ضروری نہیں۔

(ج) ڈھولا (ڈولا) اور شوراتری ------- ڈولا تہوار فی الاصل موجودہ ہولی کا تہوار ہے جیساکہ اس کی تاریخ (15 پھاگن) اور منانے کے طریقے سے ظاہر ہوتا ہے۔

شوراتری کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ اس کی اگلی رات (یعنی 16 پھاگن) کو ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ایک مہاشوراتری بھی ہوتی ہے جو ہولی یا ڈولا سے 16 دن پہلے سال میں ایک بار منائی جاتی ہے۔ پنچانگ کے مطابق ہر مہینے کی تیرہویں تاریخ کو شوراتری ہوتی ہے۔ البیرونی نے مہاشوراتری کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ شوراتر کا ذکر کیا ہے جو غالباً ماہانہ شوراتری ہے۔ تاریخ کا اختلاف یعنی (13 اور 16) بہرحال موجود ہے اور اس کی وجہ غالباً کتابت کی غلطی ہے۔

ایک اور اختلاف بھی قابل غور ہے۔ البیرونی نے تہواروں کا ذکر مہینے وار کیا ہے لیکن یہ نہیں کہا کہ مہینے ترتیب وار لکھے گئے ہیں لیکن ایسا صرف ایک جگہ ہے یعنی ساون جو اسوایوج کے بعد آتا ہے بھادرپد کے بعد نہیں۔

43- سیاوبل (۵) ------- سخاو نے لکھا ہے کہ سیاوبل (عربی میں سیاؤ بال لکھا ہے) غالباً کشمیری ہندو تھا جس نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ یہ بات صحیح ہو یا نہ ہو، اہم بات یہ ہے کہ ہندوستان کے سرحدی علاقوں خصوصاً مغربی سرحد پر ایسے ہندوستانی موجود تھے جو عربی کتابیں پڑھ سکتے تھے اور ان سے کچھ سیکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

کتاب میں ایک جگہ البیرونی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے ہندوؤں کے لیے مجسطی اور اقلیدس کا ترجمہ کیا تھا اور اسطرلاب کے تیار کرنے سے متعلق ایک رسالہ بھی لکھ کر دیا ہے۔ یہ بات خاصی اہم ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت بھی البیرونی کی کتابوں کو پڑھنے والے ہندوستانی موجود تھے۔ ابھی اس مسئلہ کی طرف پوری طرح توجہ نہیں دی گئی ہے۔

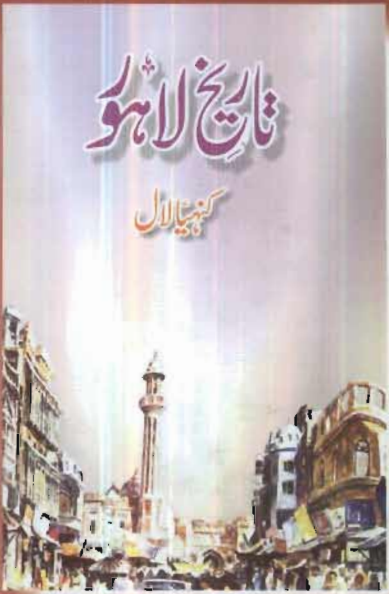
تاریخِ لاہور
کنہیا لال

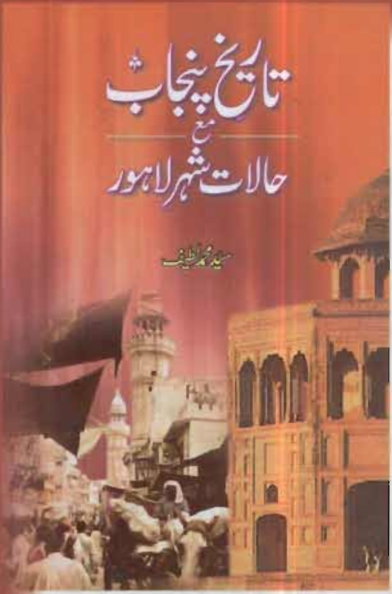
تاریخ پنجاب
مع
حالات شہر لاہور
سید محمد لطیف

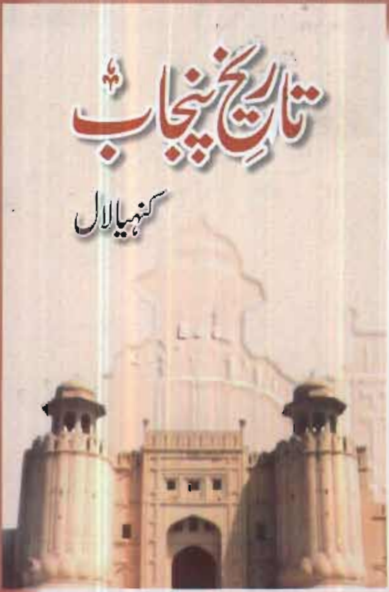
تاریخِ پنجاب
کنہیا لال

مُغلیہ سلطنت
محب الحسن

بُک ٹاک
میاں چیمبرز 3- ٹمپل روڈ لاہور
فون: 6303321 - 6370656 (042)

Design-Angles-Khawaja Afzal 6307031-32, 0301-4287500

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ